خطباتِ شیخ الجامعہ

مجموعہ تقاریر

آیت اللہ علامہ اختر عباس نجفیؒ

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

MAJAI ... RARY
...naged b... Trust ...
Sher...
Mirza K...
...dar Bazar Karachi ... Pakistan

خطباتِ شیخ الجامعہ

تقاریر

آیت اللہ شیخ الجامعہ

علامہ اختر عباس نجفی مرحوم

ترتیب

سید شفقت حسین جعفری

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 5425372

رحمت اللہ بک ایجنسی

فون 2431577

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب	:	خطباتِ شیخ الجامعہ
تقاریر	:	علامہ اختر عباس نجفی
ترتیب	:	سید شفقت جعفری
کمپوزنگ	:	ادارہ منہاج الصالحین، لاہور
پروف ریڈنگ	:	شیخ خادم حسین و مولوی غلام حبیب
اشاعت	:	۲۰۰۳ء
صفحات	:	۲۹۹
ہدیہ	:	۱۳۵ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور۔ فون: 5425372

فہرست

التماس دعا ۴

عقیدت کے پھول ۵

حرفِ تمنا ۱۰

آسمان علم وعمل کا اختر تابناک ۱۳

- مجلس اوّل ــــــــــــــــ ۲۱
- مجلس دوئم ــــــــــــــــ ۴۰
- مجلس سوئم ــــــــــــــــ ۷۱
- مجلس چہارم ــــــــــــــــ ۱۰۲
- مجلس پنجم ــــــــــــــــ ۱۳۶
- مجلس ششم ــــــــــــــــ ۱۶۶
- مجلس ہفتم ــــــــــــــــ ۱۹۳
- مجلس ہشتم ــــــــــــــــ ۲۲۳
- مجلس نہم ــــــــــــــــ ۲۴۸
- مجلس دہم ــــــــــــــــ ۲۷۲

التماسِ دعا

ہم شیخ برادری کے فہمیدہ اور حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں پر طائرانہ نگاہ رکھنے والے سپوت شیخ کامران مہدی صاحب کے شکرگزار ہیں کہ جنھوں نے اپنے والد مرحوم جناب شیخ مبارک علی صاحب اور والدہ مرحومہ ثریا بیگم کے ایصالِ ثواب کے لیے کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا۔

پروردگارِ عالم بحقِ محمدؐ و آل محمدؑ ان کے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔قارئین سے گزارش ہے کہ ان کے علاوہ دیگر تمام مرحومین و مرحومات کی ارواح کی شادمانی کے لیے سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائیں۔

دعا ہے کہ رب کائنات شیخ صاحب کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے۔

ملتمس

مولانا ریاض حسین جعفری

عقیدت کے پھول

آج اگر ایسے علمائے کرام اور بزرگانِ عظام کی فہرست مرتب کی جائے جنھوں نے برصغیر پاک و ہند میں مکتب اہل بیتؑ کی اُس کٹھن اور مشکل دور میں ترویج و تبلیغ کی (جس وقت مذہبِ حقہ کے پیرو نہ ہونے کے برابر تھے اور اشاعتِ مذہب کے لیے ظاہری وسائل بھی نہ تھے) تو استاد محترم علامہ اختر عباس نجفی صاحب قبلہ کا نام دوسرے یا تیسرے نمبر پر آتا ہے۔ آپ نے لاہور جیسے علمی شہر میں دینی علمی مدرسے جامعۃ المنتظر کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو علومِ دین کی طرف متوجہ کیا۔ علامہ صاحب کا یہ کام کسی کرامت سے کم نہ تھا کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی کہ جس نے شبانہ روز محنت سے اپنے آپ کو علوم کے زیور سے مزین کیا۔ پھر آپ کے یہی شاگرد پورے ملک میں پھیل گئے اور مدارس دینیہ کی بنیاد رکھی اور نوجوان نسل کو مذہب کی طرف راغب کیا۔ آج یقیناً انھی بزرگان کے فیض سے پورے ملک میں دینی مدارس کا جال بچھ چکا ہے اور قریہ قریہ عوام الناس افکارِ آل محمدؐ سے متعارف ہو رہے ہیں۔

علامہ صاحب مرحوم و مغفور نے جو کام بھی کیا اس خلوص اور جدت سے کیا کہ وہ امر ہو گیا۔ آپ نے جامعۃ المنتظر کی بنیاد رکھی تو آج یہ مدرسہ ہزاروں علماء کی کھیپ تیار کر چکا ہے۔ اسی طرح آپ نے تالیف و تراجم کی طرف بھی کچھ ایسی توجہ دی کہ کتب کا عظیم سرمایہ اکٹھا ہو گیا۔ آپ نے شیخ عباس قمی صاحب قبلہ کی مفاتیح الجنان کا ترجمہ کیا تو اسے شہرتِ عام حاصل ہوئی اور خاص و عام نے اس سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب آج

تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے۔ اسی طرح آپ نے مجالس پر بھی بھرپور توجہ دی۔ آپ اس فن میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ اکثر جلسے لوٹ لیا کرتے تھے اور آپ کے بعد کسی عالم یا ذاکر کا مجلس پڑھنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔

اپنی تقاریر میں سیاست پر نکتہ چینی اور حکمرانوں پر کھلے عام تنقید آپ کی جرأت اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے شہر سیالکوٹ میں پینتیس سال تک مجالسِ عزا سے خطاب کیا جو آپ کی مستقل مزاجی کا غماز ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ علم وفضل کا ایک بحرِ بیکراں تھے۔ نیز آپ کی مجالس پڑھنے کا مقصد اقتصادی ضروریات کی تکمیل اور روایتی انداز کی بجائے احیائے دین تھا۔ آپ کا مقصد لوگوں کو افکارِ محمدؐ وآل محمدؐ سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ نیک اعمال کی طرف دعوت دینا ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ نے ہزاروں لوگوں کو متدین بنایا اور اُن کے عقائد ونظریات درست کیے۔

استادِ محترم میں مزاح کی حِس بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔ آپ علمی محافل کی جاں سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی زندگی حیرت انگیز اور دلچسپ واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہاں آپ کی ظرافتِ طبع کا صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ اس واقعہ کے راوی آپ کے فرزندِ ارجمند جناب عبدالزہراء ہیں۔ جب آپ نے ماڈل ٹاؤن میں نیا مکان خریدا تو علمائے کرام مبارکباد دینے کے لیے آپ کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ چائے کے دوران ایک عالم دین نے پوچھا: قبلہ آپ نے یہ مکان کیسے بنایا؟ آپ اس سوال کی تہہ تک پہنچ گئے۔ چنانچہ جواباً فرمایا:

مولانا! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ اکثر مکان کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب امیرؑ بخشش وعنایت میں مصروف ہیں۔ کوئی آپ سے دولت مانگ رہا ہے، کوئی اولاد کی استدعا کر رہا ہے اور کوئی بیماری سے شفایابی

کا طالب ہے۔ گویا مولائے کائنات بہت مصروف تھے۔ میں نے دوسری طرف دیکھا تو اللہ تعالیٰ بالکل فارغ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے خدا کو فرصت کے لمحات میں پا کر سوال کیا کہ پروردگار! مجھے چھوٹا سا ایک مکان چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے میری حاجت کو قبول فرمایا اور مجھے یہ مکان عطا کر دیا۔ یہ سُن کر تمام علمائے کرام ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ہمیں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وطن عزیز پاکستان میں عالمانہ شان و شوکت، روحانی لباس اور اندازِ زندگی رواج نہ پا سکا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو عوام علمائے کرام سے دُور رہتے ہیں اور دوسرے علماء نے بھی شیعہ تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن استادِ محترم اپنی شکل وصورت اور لباس و انداز سے علمائے قم یا علمائے نجف اشرف کی آئینہ داری کرتے تھے۔ آپ جب بھی تدریس کے لیے آئے، عبا و قبا زیب تن کر کے اور سفید عمامہ سر پر سجا کر آتے تھے۔ عصائے پیغمبری آپ کے ہاتھ میں ہوتا اور خراماں خراماں چلے آ رہے ہوتے۔ آپ کا اندازِ گفتگو بھی نہایت جالب تھا۔

استادِ مکرم میں دینی غیرت، قومی حمیت اور شخصی خودداری بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دین کے معاملے میں کبھی سودے بازی نہ کی۔ آپ کو سرکاری اور درباری مولویوں سے ہمیشہ چڑ رہی۔ آپ کا نظریہ تھا کہ ہمیں من حیث القوم اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے اور کسی کا دستِ نگر نہیں ہونا چاہیے۔ آپ اپنے ہر نظریئے کا ڈنکے کی چوٹ پر اظہار فرماتے تھے۔ مختصراً آپ جملہ کمالاتِ انسانی کا مجموعہ تھے۔ آپ کی تمام صفاتِ حمیدہ کو یہاں سپرد قرطاس کرنا بہت مشکل ہے۔ ان شاء اللہ کسی دوسری کتاب میں اس پر مفصل بحث ہوگی۔

زیرِ نظر کتاب ''خطباتِ شیخ الجامعہ'' آپ کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ یہ آپ کی

سیالکوٹ میں پڑھے گئے عشرۂ محرم کی مجالس ہیں۔ جن کو سید شفقت حسین جعفری نے ترتیب دیا ہے۔ یہ مجالس علامہ مرحوم کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکی تھیں لیکن مالی مشکلات کے سبب زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ آپ کے فرزندِ جمیل جناب ذاکر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ اِن کو شائع کریں تا کہ والدِ بزرگوار کے افکار زندہ ہو سکیں۔ مجھے کمپوز شدہ مسودہ دیا گیا جب میں نے پڑھا تو اسے چھاپنے کے قابل نہ پایا کیونکہ مجالس کی ترتیب میں اصول وقواعد کا بالکل خیال نہ رکھا گیا تھا۔ زبان و بیان کے حوالے سے نوک پلک سنوارنے کی بھی اشد ضرورت تھی۔ اکثر عربی عبارت درست نہ تھیں اور ان پر اعراب کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ہم نے اس مسودے پر خاصی محنت کی۔ اس کارِ خیر کے لیے برادرم پروفیسر چودھری مظہر عباس صاحب سے مدد لی۔ جنہوں نے تکرار کو حذف کیا۔ جملات کی ترتیب وتزئینِ کی، زوائد کو قوسین میں رکھا۔ نیز اُردو ادب کے حوالے سے مذکر و مونث، استعمالِ الفاظ روز مرہ محاورہ وغیرہ جیسی گتھیاں سلجھائیں۔ پھر جو ہمارے بس میں تھا ہم نے بھی حصہ ڈالا۔ الحمدللہ! اس وقت کتاب بن سنور کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

چونکہ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ علامہ صاحب قبلہ میرے استاد تھے اور مجھ پر خوب شفقت فرمایا کرتے تھے۔ میں اِس وقت استادِ مرحوم کو یہی خراج تحسین پیش کر سکتا تھا کہ آپ کے افکارِ عالیہ کو زندہ کروں۔ اس سے اُن کی روح یقیناً شاد ہوگی۔ میری شدید خواہش ہے کہ استادِ بزرگوار کے تمام عشرہ ہائے مجالس کو آیندہ نسلوں کے لیے تحریری صورت میں محفوظ کروں۔ اس کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہے۔ میری آپ کے معتقد مومنین سے بالعموم اور سیالکوٹ کے مخیّرین سے بالخصوص اپیل ہے کہ آپ کے خطباتِ مجالس کو محفوظ کرنے کے لیے ہمارے دست و بازو بنیں کیونکہ قبلۂ معظم

نے آپ کو اپنی زندگی اور علوم کا ایک کثیر حصہ عطا کر کے آپ کی دینی نشو ونما فرمائی۔

کتاب ہذا کی اشاعت و ترویج میں شیخ برادری کے چشم و چراغ اور میرے رفیق شیخ رئیس احمد جعفری نے تعاون کا وعدہ فرمایا ہے۔ رئیس صاحب کا بھی علامہ مرحوم کی روحانی اولاد میں شمار ہوتا ہے۔ شیخ صاحب اکثر و بیشتر آپ کی دست بوسی کے لیے شریعت کدہ پر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ امید واثق ہے کہ ہمارے دینی و ادبی ذوق کے حامل یہ دوست اس کارِ خیر میں ہمارے شریکِ سفر بنیں گے۔

پروردگارِ عالم بحقِ اہل بیتؑ ہمارے استاد مکرم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے افکار کو مجتمع کر کے شائع کرنے کی توفیق ارزانی کرے۔

والسلام

عبدالزہراءؑ!

مولانا ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین لاہور

حرفِ تمنا

ذات لم یزل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری زندگی کی انتہائی خواہش پایہ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ سرکار علامہ اختر عباسؒ ملت جعفریہ کے وہ عظیم الشان فرد تھے جن کی دینی خدمات کا احصاء ناممکن نہیں تو مشکل ترین امر ضرور ہے۔ حضور سے میری آشنائی مجالس عزا کے سبب ہی سے ہوئی۔ غالباً ۱۹۷۳ء میں دوران ملازمت سیالکوٹ کینٹ میں مقیم ہوا تو آپ خانقاہ سہریانوالی میں زیر انتظام سید ارشاد حسین عشرہ محرم الحرام پڑھتے تھے۔ میرے شوق مجالس کے سبب مجھے سرکار کی نظر عنایت اور شفقت حاصل ہوئی۔ سیالکوٹ ہی میں آپ نے 'معاد' کے موضوع پر ایک عشرہ پڑھا۔ یہ فلاح انسانی کے لیے عظیم تر مجالس تھیں۔ ناچیز نے انہیں ٹیپ ریکارڈ پر ٹیپ کیا اور قبلہ کی اجازت سے ضبط تحریر میں لایا اور مسودہ تیار کر کے لاہور ارسال کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکار علامہ کا انداز خطابت انتہائی عمیق اور لطیف تھا کہ جب تک انسان اپنے حواس خمسہ کو پوری طرح مستعد نہ رکھے ان کی مجالس کو سمجھنا ممکن نہ تھا۔ محسوس ایسے ہوتا تھا کہ آپ ایک ہی مجلس میں پوری دنیا کو خطاب کر رہے ہیں۔ کبھی امریکہ کی انسانیت کے خلاف ریشہ دوانیوں سے مومنین کو آگاہ کر رہے ہیں اور کبھی برطانیہ کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ کبھی مشرق وسطیٰ کی بے حسی سے انہیں آگاہ کر رہے ہیں اور انہیں اصلاح و فلاح کے لیے رہنما اصول سمجھا رہے

ہیں۔ اور کبھی اپنی حکومت کی کوتاہ اندیشیوں کی نشاندہی فرمار ہے ہیں۔ ہر طبقہ فکر کے پڑھے لکھے لوگ آپ کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے۔ مومنین کی کوتاہیوں کو بھی آپ نے نظر انداز نہیں کیا تھا۔

۱۹۹۷ء کے عشرہ محرم الحرام سے فارغ ہوکر جب آپ لاہور تشریف لائے تو ناچیز شرف زیارت کے لیے ماڈل ٹاؤن در دولت پر حاضر ہوا۔ آپ نے خوشی سے فرمایا: شاہ صاحب! اس دفعہ عشرہ کی وڈیو بنی ہے آپ لے جائیں اور سنیں۔ میں نے عرض کیا قبلہ! اگر اجازت دیں تو میں انہیں ضبط تحریر میں لاؤں۔ آپ اپنے بیٹوں سے اکثر کہتے کہ یہ ہے تو سید زادہ لیکن میرا مرید ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جس طرح بیٹے اپنے باپ کی یاد قائم رکھنا چاہتے ہیں میری بھی خواہش ہے کہ آپ کی یاد قائم ہو اور یہ بہترین ذریعہ تبلیغ ہے۔ گو آپ نے بہت سی کتب کے ترجمے کیے ہیں لیکن آپ کے اپنے افکار تو فضا ہی میں تحلیل ہو گئے ہیں۔ آپ نے اظہار رضامندی فرمایا۔ لہٰذا گھر پہنچ کر اس عزم کا اظہار کیا اور دوسرے دن نماز فجر سے فارغ ہوکر اس کام میں مصروف ہوگیا۔ چونکہ VCP کا استعمال مجھے نہیں آتا تھا اور پھر وقفے وقفے کے بعد اسے On اور Off، آگے (Forward) اور پیچھے (Reverse) کرنا اور ساتھ ساتھ لکھنا ایک مشکل امر تھا لہٰذا اس کام کے لیے اپنی بیٹی رباب جعفری سے مدد لی۔ دعا ہے خداوند عالم اسے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ ہم دونوں باپ بیٹی نے اس مرحلہ کو طے کیا۔ مصائب کا موقع کافی رقت آمیز ہوجاتا' لہٰذا ہمیں لکھنے میں دشواری ہوتی۔ سامعین تو کجا سرکار علامہ کی اپنی حالت مصائب کے وقت گریہ کے سبب غیر ہوجایا کرتی تھی۔ ایک مجلس تین سے چار دن میں مکمل ہوتی۔ پہلے کچی پنسل سے تحریر کرتا پھر قلم سے neat کر کے لکھتا اور جب دو یا تین مجالس ہو جاتیں اور کبھی کبھی ایک مجلس بھی لے جا کر قبلہ کے حضور پیش کرتا۔ وقت

ملنے پر آپ تصحیح فرمادیتے۔ دوسرے موقع پر مزید دے آتا پچھلی لے آتا۔

اب اس کی اشاعت کا مسئلہ تھا جس کے سامنے اقتصادی دشواریاں سدِّ راہ تھیں۔ آخرکار علامہ مرحوم کے فرزند ارجمند ذاکر حسین صاحب نے مشہور شیعہ عالم علامہ ریاض حسین جعفری صاحب سے کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں رابطہ کیا تو انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ حامی بھرلی۔ الحمدللہ آج میری مسرت کی انتہا نہیں ہے کہ میں نے جہاں پر مومنین کرام کے لیے توشۂ آخرت مہیا کیا' وہاں اپنے روحانی باپ کی یاد قائم کرنے میں بھی کامیاب و کامران رہا۔

دعا ہے کہ امام زمانہؑ میری اس معمولی سعی کو اپنے حضور قبول و منظور فرمائیں۔ میں قارئین و مومنین سے دست بستہ ملتجی ہوں کہ جہاں میرے لئے دعا فرمائیں وہاں میرے والدین اور بالخصوص میری پالنہار ماں سیدہ امیر بیگم جعفری اور سرکار علامہ اختر عباسؒ مرحوم و مغفور کی بلندی درجات کے لیے ایک دفعہ سورہ حمد اور تین دفعہ سورہ توحید کی تلاوت فرما کر ان کی ارواح کو بخش دیں۔ شکریہ!

الاحقر

سید شفقت حسین جعفری

آسمان علم و عمل کا اختر تابناک

شیخ العلماء۔ حیات و صفات

عالمِ ربانی حضرت آیت اللہ شیخ اختر عباس نجفی اعلی اللہ مقامہ، مؤسس جامعۃ المنتظر لاہور ۱۹۲۳ء میں بمقام منہاں، تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ میں جناب صدیق خان بلوچ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم تحقیقی شیعہ تھے۔ آغا اختر عباس صاحب نے ۱۹۳۸ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۹ء میں مدرسہ باب العلوم ملتان میں داخلہ لے لیا۔ وہاں آپ نے علامہ شیخ محمد یار اور علامہ سید زین العابدین سے اکتسابِ فیض کیا۔ کچھ عرصہ بعد چک نمبر ۳۸ ضلع خانیوال میں مقیم علامہ سید محمد باقر کی خدمت میں چلے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں سُنی بریلوی مکتبِ فکر کے مدرسہ فتحیہ واقع اچھرہ لاہور سے مولانا مہر محمد اچھروی سے کچھ کتب پڑھیں۔ بعدازاں آپ موضع نڑھال تحصیل کبیر والہ ضلع ملتان میں واقعہ مدرسہ جامعۃ المعقول والمنقول میں مولانا عبدالخالق کی خدمت میں پہنچے اور جب مولانا عبدالخالق دیوبند جانے لگے تو آپ بھی اُن کے ہمراہ دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے دیگر اساتذہ اور علماء کے علاوہ مولانا اعزاز علی امروہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے بھی علمی استفادہ کیا۔

دیوبند میں بیمار ہو جانے کی وجہ سے آپ دورۂ حدیث میں شرکت کیے بغیر واپس وطن تشریف لے آئے اور صحت یاب ہونے کے بعد استاذ العلماء علامہ سید محمد

یارشاہ صاحب کی خدمت میں جلال پور ننکیانہ پہنچے۔ آپ کچھ عرصہ اُن سے کسبِ فیض اور اخذ علوم کے بعد ۱۹۴۵ء میں یوم ِ غدیر کو نجفِ اشرف تشریف لے گئے۔ نجفِ اشرف میں آپ نے خوب علمی پیاس بجھائی اور خصوصاً اصولِ فقہ کے دروس میں شرکت فرمائی۔ آپ نے وہاں شیخ مجتبیٰ لنکرانی، آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی اور آیت اللہ مرزا محمد باقر رنجانی جیسی عظیم علمی شخصیات سے اخذِ فیض کیا اور سندِ فراغ کے حصول کے بعد وہاں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

۱۹۵۴ء میں آغا صاحب قبلہ آیت اللہ علامہ بروجردی مرحوم کے حکم پر لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں حاجی شیخ محمد طفیل مرحوم کی طرف سے ادا کردہ سہم امام (خمس) کی رقم سے وسن پورہ میں جامعۃ المنتظر کی بنیاد رکھی۔ جامعہ ہذا میں ۱۹۶۴ء تک آپ نے مدرس اعلیٰ کے طور پر کام کیا۔ اسی دوران میں پندرہ روزہ المنتظر کا اجراء کیا اور جامعہ ہذا کو خوب پروان چڑھایا۔

اس کے بعد آپ دوبارہ نجفِ اشرف تشریف لے گئے۔ وہاں تین سال مقیم رہنے کے بعد ایران کا رُخ کیا اور چند سال بعد ۱۹۷۴ء میں وطن واپس تشریف لا کر کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں ذاتی سرمایہ سے جامعۃ الشیعہ کی بنیاد رکھی اور پھر لاہور میں کلیۃ القضا اور جامعۃ خدیجہ الکبریٰ (برائے طالبات) قائم کیے اور اُن میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

آج وطن عزیز پاکستان اور بیرونی ممالک میں شیخ الجامعہ کے سینکڑوں شاگرد خدمتِ دینِ متین اور مذہبِ حقہ اثنا عشریہ کی ترویج میں مشغول ہیں۔ آپ نے متعدد کتب کے تراجم کیے جن میں جامع المسائل، مفاتیح الجنان، راہنمائے حج، کتاب القصاص، فضائلِ پنجتن، قیامِ مختار، خودسازی، اسلام کی مثالی خاتون، کتاب الدعا

والزیارات‘ کتاب القصاص‘ کتاب الحدود والتعزیرات‘ کتاب القضا‘ کتاب الایات‘ بحوثِ فقیہ استدلالیہ وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ اختر عباس صاحب قبلہ ملتِ جعفریہ کا عظیم علمی سرمایہ تھے۔ آپ بہترین انسانی صفات کے حامل تھے۔ آپ متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ نڈر‘ بے باک اور حق گو انسان تھے۔ آپ عمدہ خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقاریر سے لوگ درس حاصل کرتے تھے اور ایک مدرس ہونے کی وجہ سے آپ مجالس میں بھی عوام الناس میں مذہبِ حقہ کی تدریس و تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ آپ عام روش سے ہٹ کر معاشرتی‘ معاشی‘ سیاسی‘ نفسیاتی اور سائنسی وفکری موضوعات کو بھی زیرِ بحث لاتے تھے۔ بہترین اسلامی قانون دان ہونے کے سبب آئین و دستور کو بھی پیشِ نظر رکھتے تھے اور اکثر قانونی موشگافیاں فرماتے رہتے تھے۔ ملک وقوم کے سیاسی امور میں بھی آپ قائدانہ مشورہ دیتے اور کھل کر تنقید کرتے تھے۔ آپ کی تنقید اصلاح وفلاح کا پہلو لیے ہوئے ہوتی تھی۔

۱۹۹۹ء آپ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ آپ کے آثار و افکار کو یکجا کر کے ان پر تحقیق کی جائے اور اُن کی اشاعت کا شایانِ شان اہتمام کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے برسوں ایسا نہ ہو سکا۔ آپ کے کیے ہوئے تراجم تو خوش قسمتی سے آپ کی حیات ہی میں چھپ گئے تھے لیکن آپ کے اپنے افکار و خطبات زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے۔ زہے نصیب کہ یہ سعادت دارین ادارۂ منہاج الصالحین کے مولانا ریاض حسین جعفری صاحب کے مقدر میں آئی ہے۔ مولانا اپنے اس عظیم استاد اور محسنِ قوم کے خطبات اور مجالس عزا کو خوبصورت انداز میں چھاپنے کا عزم رکھتے ہیں۔ آپ کا پہلا مجموعۂ مجالس خطباتِ شیخ الجامعہ کے نام سے منظرِ عام پر آ رہا

ہے۔ چنانچہ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ہم آپ کی حیات وصفات کے ساتھ ساتھ آپ کے فنِ خطابت اور مجموعہ ہذا کے محاسن پر بھی نذرانہ نقد ونذر پیش کرتے چلیں۔

خطباتِ شیخ الجامعہ

علامہ اختر عباس بنیادی طور پر مدرس تھے اور خدمت دین کے لیے تمام عمر درس و تدریس ہی سے وابستہ رہے۔ لیکن اس اہم فریضے کے ساتھ ساتھ انہوں نے منبر کو بھی محروم خطابت نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تدریس کے ساتھ ساتھ تقریر بھی انتہائی ضروری ہے۔ اور درس تو صرف اُسے دیا جا سکتا ہے جو مدرسے کی طرف رجوع کرے۔ لیکن خطابت ہر کس وناکس اور خواص وعوام کے لیے سودمند ہے۔ ہزاروں کے مجمعے میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک خطیب کے بیان سے مستفید ہوتے ہیں۔ نیز اُن کے مجالسِ عزا کے خطاب کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ محض پیشہ ور کم علم لوگ منبر پر قابض ہو کر دینِ متین اور مذہبِ شیعہ خیر البریہ کو بجائے مفاد کے نقصان نہ پہنچائیں۔

ویسے بھی مفید علم وہی ہوتا ہے جو سینے کے صندوق میں بند رکھنے کے بجائے خوشبوئی صورت میں پھیلایا جائے اور متلاشیانِ حقیقت تک پہنچایا جائے۔ علامہ صاحب اپنے عجز وانکسار کے سبب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ٹوٹی پھوٹی اُردو میں بات کر رہا ہوں، یا جیسی اُردو مجھے آتی ہے وہ حاضر ہے لیکن حقیقت میں زبان تو ذریعۂ اظہار ہے اور علامہ صاحب نہ صرف اُردو بلکہ فارسی وعربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ کا زورِ خطابت اور علمی نکات آپ کے خطبات اور تقاریر کو اور بھی وسیع، بلیغ اور فصیح بنا دیتے تھے۔

موضوعات اور عناوین کے لحاظ سے علامہ صاحب مرحوم کے خطبات ومجالس

میں بہت وسیع مواد موجود ہوتا تھا۔ وہ اپنی مجالس میں فلسفیانہ، سائنسی، نفسیاتی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی موشگافیاں بھی فرماتے تھے اور بعض موضوعات کی گہرائیوں میں اُتر کر حتمی نتائج اخذ کرتے تھے۔ اور دنیاوی فلاسفہ، سائنس دانوں، قانون دانوں اور ماہرین عمرانیات کے قدیم و جدید نظریات کا موازنہ اسلامی علوم سے کر کے اسلام کی حقانیت اور افضلیت و آفاقیت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتے رہتے تھے۔

علامہ صاحب قبلہ کو قرآن و حدیث، فقہ و اجتہاد، فضائل و مصائب پر گہری دسترس حاصل تھی۔ وہ اتنے کثیر المطالعہ تھے کہ ایک ہی وقت میں مختلف علوم کے دریا اُمڈتے چلے آتے تھے۔ جو کہ اُن کے خطبات سے ظاہر ہے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے تھے کہ کیا کہیں اور کیا روکیں۔ بلکہ اُن کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ جو کچھ اُن کے مطالعہ میں ہے وہ سب کا سب اپنے سامعین تک پہنچا دیں۔ اس کے لیے وہ آیات کو لکھ کر لانے اور روایات کو مستند بنانے کے لیے کتابوں اور علماء کے حوالے دینے کا تحقیقی انداز اپناتے تھے اور ان تمام علوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوب صورت اور چونکا دینے والے نکات پیدا کرتے تھے۔

میں علامہ مرحوم کے خطبات (مجالس) کی اس کتاب کی تصحیح کے دوران اِن نکات کو انڈر لائن (under line) کرتا گیا جو کہ ایک کتابچے کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ یہاں ہم بطور نمونہ کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں:

- عقل کیا ہے؟ عقل ایک پوشیدہ قوت کا نام ہے۔ عقل ایک مخفی خزانہ ہے۔ عقل ایک نور ہے۔ عقل ایک فرقان ہے۔ عقل کی حیثیت کائنات میں عجیب تر ہے۔ اس کی حدیں متعین نہیں کی جا سکتیں۔
- جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے وہ ذرا عہد نبویؐ میں لڑی

جانے والی جنگوں کا نقشہ دیکھیں۔ حملے مکّے پر ہوئے ہیں یا مدینے پر؟ اسلام بیچارا تو اپنا دفاع کر رہا ہے۔ خندق کون کھود رہے ہیں مسلمان یا کافر؟ اور کفار قتل ہوئے نو یا گیارہ۔ حملہ کرنے آئے تھے دس ہزار۔ دس ہزار میں سے گیارہ تو نزلے زکام سے بھی مر جاتے ہیں۔

○ اِن دو آدمیوں نے جو جناب ابوطالبؑ کے ساتھ تھے جناب علیؑ سے پوچھا آپ نے جناب ابوطالبؑ سے اجازت لی تھی؟ آپؑ نے برجستہ جواب دیا: کیا اللہ نے مجھے پیدا کرتے ہوئے اِن سے اجازت لی تھی؟ ایسا جواب ابوطالبؑ کا بیٹا ہی دے سکتا ہے۔

○ سرورِ کائنات کے گم ہو جانے کے متعلق جب جناب ابوطالبؑ کو خبر ملی تو آپؑ نے فوراً اپنے ستر (۷۰) غلاموں سے فرمایا کہ اپنے اپنے خنجر لے آؤ...... اس کے بعد بنی ہاشم کے جوانوں کو بلایا اور فرمایا اپنی اپنی تلواریں لے آؤ...... تلاش کرتے کرتے ایک جگہ دیکھا کہ آپؐ حضرت علیؑ کی معیت میں مصروف نماز ہیں۔ بھتیجے کو ساتھ لے کر سردارانِ قریش کے پاس آئے اور فرمایا: اگر آج میرا بھتیجا نہ ملتا تو میرے جوانوں اور غلاموں کے خنجر تمہارے سینوں کے پار ہو جاتے۔

○ اسلام بھی تکامل انواع کا قائل ہے۔ اسلام بھی کہتا ہے کہ ہر نوع اپنے کمال تک پہنچ سکتی ہے۔ اسلام تکامل کا تو قائل ہے لیکن تبدلِ انواع کا قائل نہیں ہے۔

○ نبی اس کو کہتے ہیں جس کی روح پر اللہ کی طرف سے الہام ہو، فرشتے کو نہ دیکھے۔ رسول وہ ہے کہ اس کی روح دل اور ذات پر بھی الہام ہوتا ہے

اور فرشتے کو بھی دیکھتا ہے۔ اسے خواب میں بھی الہام ہوتا ہے۔ آپ نے سنا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تھے۔ یہ سارے کے سارے نبی تھے۔ نبی صرف اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ اسے تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا۔ الہام پر خود عمل کرتا ہے جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جو فرشتے کو بھی دیکھتا ہے' الہام بھی ہوتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی تبلیغ کرے۔

مختصراً علامہ اختر عباس صاحب کی مجالس خیال افروز اور عالمانہ مجالس ہوتی تھیں۔ ان کی ایک ایک مجلس سے بیسیوں مجالس کے لیے مواد اور نکات لیے جا سکتے ہیں۔ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم ان کے نہایت خوش قسمت شاگردِ رشید ہیں جن کے مقدر میں علامہ مرحوم کے آثار کو زندہ کرنا آیا ہے۔ وہ نہ صرف علامہ مرحوم کے خطبات اور مجالس کو از سر نو شائع کر رہے ہیں بلکہ ان کی دیگر تصانیف اور تراجم کو بعد اضافہ جات حواشی اور اصلاح و تصحیح کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ادارہ منہاج الصالحین کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ یقیناً یہ ادارہ شیعہ دنیا میں اور خصوصاً پاکستان میں بہتر اشاعتی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

پروفیسر مظہر عباس

(ویسٹ منسٹر کالج' لاہور)

خطبہ

لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیّ العَظِیم ○
اَستَغفِرُ اللّٰہَ مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّ اَتُوبُ اِلَیہِ ○

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ الکَرِیم ○ وَآلِہٖ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ المَعصُومِینَ المَظلُومِینَ ○ وَلَعنَ الدَّائِمُ عَلٰی اَعدائِھِم اَجمَعِینَ ○ مِنَ الآنِ اِلٰی قِیَامِ یَومِ الدِّینَ ○ اَمَّا بَعدُ فَقَد قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی کِتَابِہِ المَجِیدِ ○

مجلس اوّل

نہیں ہے طاقت وقوت مگر ساتھ اللہ کے جو بڑی شان والا اور بڑی عظمت والا ہے۔میں اپنے اللہ سے ہر گناہ سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ سہارا اللہ کے نام کا جوسب کوفیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

ہر ایک تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور درود وسلام رسول کریمؐ اور ان کی طیب وطاہر گناہوں سے پاک مظلوم آل پر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت ہے ان کے تمام دشمنوں پر--- آج سے لے کر قیامت کے دن تک۔

عرض ہے کہ بالتحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بزرگ کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقنَا السَّمَاءَ وَالاَرضَ وَمَا بَینَھُمَا لٰعِبِینَ O

''اور ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا''۔(سورہ الانبیاء' ۱۶)

اکثر بزرگ حضرات کو میری طبیعت میرے رجحان فکر کا علم ہے اور الحمد للہ بچے جوان ہو گئے ہیں' جوان بوڑھے اور کچھ بوڑھے اس جہان سے جا چکے ہیں۔ مجھے

یاد پڑتا ہے کہ سردیوں کا محرم میں نے یہاں شروع کیا تھا۔ پوری گرمیاں اور اب پھر سردیاں آنے والی ہیں۔ شمسی لحاظ سے چونتیس پینتیس سال بن جاتے ہیں۔ جوانی کا زمانہ بھی یہاں ہی گزرا اور اب میں بھی بوڑھا ہو چکا ہوں۔

میں اکثر یہاں بیان کرتا رہتا ہوں اور میری کوشش ہوتی ہے کہ مزید مطالعہ کر کے عمدہ مطالب بیان کروں جو موجب استفادہ ہوں۔ اور پھر تدریس والا سلسلہ مانع ہو جاتا ہے' چونکہ ایک درسی آدمی کو مجلسیں یاد نہیں رہتیں اور نہ ہی وہ مسجع و مقفع فقرات جو لوگوں کے جذبات کو ابھاریں' استعمال کر سکتا ہے۔ میری اردو بھی پنجابی جیسی ہی ہے البتہ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ جو مطالعہ علماء کے افکار کا کیا اُسے اپنے افکار کی روشنی میں یعنی اپنے مذہب و عقیدہ کو مثبت انداز میں پیش کروں تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

میرے عزیزو! منفی انداز فیل ہو چکا ہے۔ کسی کا دل دکھا کر اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوا جا سکتا۔ جس طرح ایک ڈاکٹر ہمدرد بن کر مریض کا علاج کرتا ہے وہی کوشش میری ہوتی ہے اور میرے پیش نظر یہ امر بھی ہے کہ چونکہ حضرت آدمؑ کے حوالہ سے ہم تمام انسان بھائی بھائی ہیں لہٰذا ایسی بات کی جائے جس سے انسانیت کی بھلائی ہو اور پھر یہ محرم تو یاد ہی اُس ذات کی دلاتا ہے جسے ہم محسن انسانیت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ہم اسی کی یاد منا رہے ہیں لہٰذا ہمیں انسانیت کی فلاح کے لیے سوچنا چاہیے اور گفتگو بھی ایسی ہی کرنی چاہیے۔ لوگ مان جائیں گے تو انہی کا فائدہ ہے اور نہیں مانیں گے تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (صلواۃ)

جب سے خلقت انسان ہوئی ہے' جب سے ابتدا ہوئی ہے۔ (ابھی جناب آدمؑ کے جسم میں روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی) تو اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ اللہ نے کہا سجدہ کرو اپنی مخلوق کو۔ حالانکہ علیم و عالم کے نسخہ پر عمل بلا چون و چراں ہوتا ہے۔ آپ

حضرات جانتے ہیں ایک مخلوق تھی اس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کا جواز یہ پیش کیا:

خَلَقتَهٗ مِن طِينٍ وَ خَلَقتَنِي مِنَ النَّارِ

''یعنی تو نے آدمؑ کو مٹی سے خلق کیا اور مجھے آگ سے خلق کیا''۔

لہٰذا افضل کو نہیں چاہیے کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے۔ یہاں اس نے ایک ضابطہ اور کلیہ بیان کیا ہے۔ اصول اس کا ٹھیک تھا لیکن اس نے معیار افضل و مفضول جو پیش کیا وہ غلط تھا۔ اسے کیا علم تھا کہ آگ افضل ہوتی ہے یا مٹی۔ فضلیت کا معیار اس نے آگ کو بنایا اور مفضولیت کا معیار مٹی کو۔

اگر آپ غور فرمائیں تو دیکھیں گے کہ اگر ہم ایک دانۂ گندم زمین میں کاشت کریں تو اس کے بدلے میں مٹی ایک خوشہ اگاتی ہے تو اس میں کتنے ہی دانے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آگ میں ایک بوری گندم پھینک دیں پھر اس سے راکھ ہی ملتی ہے۔ مٹی اتنی امین ہے کہ اگر کوئی چیز اماناً اس میں دفن کر دیں تو ایک طویل عرصہ کے بعد بھی اس سے نکالیں تو وہ ویسے کی ویسی ہی ہوگی۔

اللہ نے ہمارے جد آدمؑ کو زمین پر بھیجا۔ اتنی وسعت والی زمین کے واحد مالک ان کے دو بیٹے تھے ہابیلؑ اور قابیل۔ اگر آدھی آدھی بھی بانٹ لیتے تو ان کے لئے اقتصاد کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کبھی کبھی بھول جاتا ہوں کہ ان میں سے قاتل کون تھا ''ق'' سے قاتل۔ سب سے پہلے جس نے دہشت گردی کی بنیاد رکھی وہ قابیل تھا۔ لیکن معرفت اتنی بلند کہ بھائی کو قتل تو کر لیا لیکن دفن کس طرح کرے؟ یہ نہیں جانتا۔ پریشان بیٹھا ہے کہ اپنے اس جرم پر پردہ کس طرح ڈالے۔ آخر اللہ نے اس کے لیے حیوان کو معلم بنا کے بھیجا۔ آپ جانتے ہیں نا! دو کوّے آسمان سے

آئے۔ ایک کوّے نے دوسرے کو مار دیا اس کے سامنے' اور پنجوں سے زمین کھود کر اسے دفن کر دیا۔ بس قابیل نے بھی اس کی نقل کی۔

اختلافِ رائے انسان کی فطرت میں ہے۔ اور اس میں انسان کے لیے بہتری بھی ہے۔ لیکن یہ اختلاف برائے اصلاح ہو نہ کہ اختلاف برائے اختلاف ہو۔ بحث برائے بحث ہو تو یہ کوئی فائدہ مند نہیں ہوتا ہے۔ اگر نظریہ کو نظریہ سے باطل کریں گے تو یہ انسانیت کی حدود ہوں گی اور جب کوئی کسی نظریہ کو طاقت سے دبانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نظریہ دبتا نہیں ہے۔ ممکن ہے کچھ عرصہ کے لیے دب بھی جائے تو وہ ختم نہیں ہوتا۔ جونہی طاقت کا پنجہ ڈھیلا ہوتا ہے وہ نظریہ پھر ابھر پڑتا ہے۔ یاد رکھو! جہاں نظریہ ہوگا وہاں مخالفت ہوگی۔

میں نے جو آیہ مجیدہ تلاوت کی ہے۔ ذات کبریا ارشاد فرماتی ہے:

''میں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے' کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے جو یہ کھیل کھیلا ہے بے فائدہ ہے''۔

اور چیزوں کو چھوڑیں یہ جو نظام شمسی ہے جس میں ہم بیٹھے ہیں جس کی طرف اللہ نے انسان کی توجہ مبذول کی ہے یہ عدد یہ چل رہا ہے۔ اس میں عدد ہے۔ اس میں علت اور معلول ہے۔ اس میں اسباب ہیں۔ اگر کسی جگہ پر زلزلہ آ جائے تو انسان کا ذہن فوراً متوجہ ہوگا کہ ''کیوں آیا؟ اس زلزلے کے آنے کا سبب کیا ہے؟''

شعور اور عقل اللہ نے انسان میں خود رکھے ہیں۔ کوئی آندھی آئی سارے نجومی پوچھیں گے کیوں آئی؟ کوئی حادثہ دنیا میں ہو جائے مثلاً گاڑی الٹ گئی۔ کیوں الٹ گئی' اس کے الٹنے کا سبب کیا ہے؟ کوئی مارا جائے تو سوچتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ یہ پورا نظام جو چل رہا ہے ایک حساب پہ چل رہا ہے اس میں علت و معلول کا رشتہ ہے۔ اس میں اسباب ہیں۔ اگر کسی جگہ پر زلزلہ آ جائے تو فوراً انسان کا ذہن

متوجہ ہوتا ہے۔ کیوں آیا؟ اس زلزلے کے آنے کا سبب کیا ہے؟ کوئی مر جائے تو توجہ نہیں ہوتی۔ آج یہ جارہا ہے کل میں نے بھی جانا ہے جس طرح آج یہ بے حس و حرکت ہے کل کو میں نے بھی ہو جانا ہے۔

جب سے انسان نے اس مادی دنیا میں ترقی کی ہے' دیکھ رہا تھا یہ بجلی ہزاروں سال سے چمک رہی ہے۔ اس نے دیکھتے دیکھتے محسوس کیا کہ اس میں بے پناہ قوت اور روشنی ہے تو میں اسے کس طرح کنٹرول کروں؟ یہ سوچ ہی تھی کہ آج پورا عالم اس سے جگمگا رہا ہے اور ہر مشینری اسی کی قوت سے چل رہی ہے۔ انسان کی جملہ امراض کا علاج اسی سے ہو رہا ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت شاید چل ہی بجلی سے رہا ہے۔ قرآن کریم نے اسے سلطان کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسے بھی سلطان کا نام دیا جس کی ایک ضرب بجلی کی طرح چلی اور عمرو ابن عبدود کو دولخت کر دیا۔

ڈاکٹر صاحبان میری اس مجلس میں بیٹھے ہوں گے کہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ کئی انسان مر گئے لیکن انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ کیوں مر گئے؟ انہیں کون سا مرض لاحق تھا؟ یہ بلڈ پریشر' شوگر اور کینسر وغیرہ اب نام نکل آئے ہیں حالانکہ یہ امراض انسان کو زمانۂ قدیم سے چمٹی ہوئی ہیں لیکن سوچ اور تحقیق سے اب پتہ چلا اور علاج اور ادویات بھی تیار ہوئیں۔

کتنے لوگ تھے جو پچاس ساٹھ سال پہلے موتیا کی وجہ سے اندھے ہوئے اور اندھے ہی مر گئے۔ لیکن جب انسان نے اس پر سوچنا شروع کیا تو اس کے دفعیہ کے لیے کوششیں شروع کیں۔ تجربات کئے تو آج یہ ایک سطحی سی بیماری رہ گئی ہے بلکہ اسے بیماری سمجھا ہی نہیں جاتا اور اب تو لیزر وغیرہ کے ذریعے بغیر کسی تکلیف کے اس موتیا کا علاج ہو جاتا ہے اور آج لاکھوں کروڑوں انسان کو جو مدّت سے اندھے تھے'

روشنی حاصل کر چکے ہیں۔ البتہ مادر زاد اندھوں کے متعلق نہیں سنا کہ ان کا علاج ہو سکا ہو۔ لیکن اس کے لیے بھی اس وقت ایک معالج موجود ہے۔ ایران میں جاؤ اس کی مرقد اطہر پر، خلوص نیت سے اس کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگو، انشاء اللہ ضرور معجزہ دیکھو گے۔

یہ پورا نظام ایک محور پر چل رہا ہے۔ اے انسان! سوچ کہ اگر اس میں کوئی فائدہ نہیں تو یہ کیسے چل رہا ہے اور کوئی ذات ہے جو اسے چلا رہی ہے۔ اس میں بے پناہ فوائد ہیں بلکہ فوائد ہی فوائد ہیں مگر تیرے سوچنے کی ضرورت ہے۔ یہ الگ الگ چیزیں ہر ایک کا اپنا اپنا فائدہ۔ اے انسان! سوچ یہ جو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں کون رکھ رہا ہے؟ اور کیوں رکھ رہا ہے؟؟ اس نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی کیونکہ بے فائدہ وہ پیدا کرتا ہے، تو پاگل ہوتا ہے، مجنون ہوتا ہے۔ تو فوائد کو دیکھ اور جان کہ ان چیزوں کا کوئی خالق بھی ہے اور وہ یقیناً حکیم و دانا ہے۔

آج جتنی ایجادات ہیں ان میں پہلے فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایجاد کرتے وقت موجد کا ذہن مثبت ہوتا ہے یا کہ منفی لیکن اپنے لیے اپنے ذہن میں اس میں اس کا فائدہ ضرور ہوتا ہے خواہ وہ یہ فائدہ حاصل کر سکے یا اس کے نتائج کی برآمدگی پر اپنی ہی خودکشی سمجھنے لگے۔ ایک امریکی سائنسدان نے شاید جنگ عظیم اول یا دوم میں سوچا کہ ایک بم تیار کروں جس سے دنیا کو تباہ کروں۔ اس نے تیار کیا اور ہیروشیما پر پھینکا جس سے لاتعداد مخلوق خدا ہلاک ہوئی حتیٰ کہ زمین پر وہ اثرات مرتب ہوئے کہ آج تک وہاں کی آبادی اکثر و بیشتر مفلوج پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ روئیدگی نہیں ہوتی۔ اس نے جب یہ تباہی یا اپنی ایجاد کے اثرات دیکھے تو پاگل ہو گیا۔ آج وہ علاقہ اس شیطانِ بزرگ کے ظلم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس ایٹم کی ایجاد کو سوچ ابھی تو تو ابجد میں ہے۔ تو ایک لیبارٹری میں جاتا

ہے تو سمجھتا ہے کہ شاید علم یہی ہے لیکن جب دوسری میں جاتا ہے تو اور متحیر کردینے والی چیزیں اور تجربات دیکھتا ہے۔ تیرا علم تو ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔

پروردگار عالم ان عام وفہم اور سادہ دلیلوں سے اپنے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے اور اپنی معرفت کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ غور کرو' اس نے ایک ہی زمین بنائی لیکن اثرات مختلف۔ ایک مربع فٹ میں کھجور کا پودا کاشت کرتا ہے اس میں ایک اور طرح کا پھل لگتا ہے اور اگر اس کی جڑ کے ساتھ انگور کی بیل کاشت کرتا ہے' اور وہ بیل اسی درخت کے ساتھ لپٹ کر بڑھتی پھلتی پھولتی ہے تو دونوں بارآور ہوتے ہیں۔ لیکن پھلوں کا ذائقہ جدا' پتے جدا' تنے کی شکل جدا۔ کیا انسان تو اس پہ غور وفکر نہیں کرتا ہے؟

میرے قبلہ!

میرے بزرگو! میرے بھائیو! مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ اس کائنات کو بنانے والا کوئی ہے جو عالم بھی ہے اور مدبر و دانا بھی ہے۔

ایک موٹر سائیکل ہی کو دیکھ لیجئے۔ سائیکل ہی کو دیکھ لیجئے یہ عام چیزیں ہیں۔ آیا یہ موٹر سائیکل اس نے گھر میں رکھنے کے لیے بنائی ہے۔ ہرگز نہیں' بلکہ مسافت کو تیزی کے ساتھ کم از کم وقت میں طے کرنے کے لیے۔ اس میں کتنے پارٹس ہیں اور کیسی مناسبت سے انہیں فٹ کیا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ بنانے والا زندہ بھی ہے اور عالم بھی ہے۔ چونکہ اگر عالم نہ ہوتا تو اسے مرتب کیسے کرتا اور اگر زندہ نہ ہوتا تو اسے ایجاد کیسے کرتا؟؟ چونکہ ہم نے نہ سنا' نہ دیکھا کہ کسی مردہ نے کار بنائی ہو۔ یہ کام یقیناً کسی حرکت والے کا ہے۔ جو زندہ ہے یعنی مردہ نہیں ہے۔ قادر ہے یعنی کہ عاجز نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے خبر ملی ہے کہ آج تک جتنی ایجادات اور ترقی آپ دیکھ رہے ہیں' اس کے لیے انسان نے صرف 0.2 (بقول ڈاکٹر توقیر احمد) مغز کا استعمال کیا

اور انسان کے دماغ کے ایک کھرب (بقول ڈاکٹر میجر انوار احمد) خلیے ہیں۔ چونکہ میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں اگر اس مجلس میں کوئی ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہوئے ہوں تو میری ضرور رہنمائی فرمائیں۔ اور وہ ذات جب آئے گی جس کے پورے کے پورے خلیے کام کرتے ہیں تو پھر اس انقلاب کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آقائے سید ابوالقاسم خوئی فرماتے ہیں کہ اُس وقت (ظہورِ امامؑ کے وقت) سائنس کے اعتبار سے جرمنی ترقی پر ہوگا۔ یہ امامؑ کو ختم کرنے کے لیے (تباہی کی جو ایجادات یہ کر چکے ہیں) ان پر استعمال کریں گے لیکن جب لاچار ہو جائیں گے تو سب سے پہلے آپؑ پر یہی ایمان لے آئیں گے۔

میں مختصر عرض کروں۔ جرمنی کا ایک بہت بڑا سائنس دان فیلسوف تھا۔ مجھے اس کے نام کا تلفظ تو نہیں آتا۔ جب کبھی میں انگریزی کا لفظ بول لیتا ہوں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ انگریزی کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ میں تو بچوں سے انگریزی تلفظ یاد کرتا ہوں۔ اس سے کسی نے سوال کیا کہ کیا تو خدا کا قائل ہے؟ خالق کو مانتا ہے؟۔ تو اس نے جواب دیا کہ اگر میں خالق کو نہ مانوں تو اپنی عقل کو ذبح کر دوں۔ میں جانتا ہوں کہ ایسی کوئی ذات ہے جو عالم بھی ہے، قادر بھی ہے اور خالق بھی ہے۔ اُس کے نام مختلف ہیں۔ مثلاً انگریزی میں اُسے GOD کہتے ہیں، ہندی میں رام کہتے ہیں، فارسی میں خدا اور عربی میں اللہ وغیرہ وغیرہ۔

میں جانتا ہوں میں نے صرف اپنے مغز کو دیکھا ہے۔ فیلسوف اپنے مغز کے مطالعہ سے اپنے پیدا کرنے والے تک پہنچا ہے۔ مجھے اس کے نام کا تلفظ یہاں یاد آیا "ڈاروین" یہ فارسی کا تلفظ ہے۔ یہ تکامل انواع کا قائل تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ انسان موجودہ شکل میں پیدا نہیں ہوا بلکہ ایک بندر انسان بنا اور کروڑوں سالوں کے بعد ترقی کرتے کرتے یہ انسان بنا ہے۔ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ آیا ایک ہی بندر

انسان بنا، باقی بندر بندر کے بندر ہی رہے تو وہ کیوں انسان نہیں بنے ؟

اسلام بھی تکامل انواع کا قائل ہے ۔اسلام بھی کہتا ہے کہ ہر نوع اپنے کمال تک پہنچ سکتی ہے ۔اسلام تکامل کا تو قائل ہے لیکن تبدلِ انواع کا قائل نہیں ہے ۔اگر آپ ایک درخت بوتے ہیں ۔اس میں ذات کبریا نے تکامل کا کمال رکھا ہے اور اگر آپ اسے پانی نہیں دیتے تو یہ اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکے گا اور اگر آپ اسے پانی دیں گے اور اس کی نگہداشت کریں گے تو یہ اپنے کمال کو پہنچ جائے گا۔لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ گندم کاشت کریں اور وہاں ہندوانے اُگ پڑیں ۔اسلام اس کا قائل نہیں ہے۔ چونکہ یہ تبدل انواع ہے ۔

ہم تکامل انواع کے قائل ہیں چونکہ ہمارے نزدیک بھی ہاشمی ہونا یا سید ہونا یا قرابت رسولؐ ہونا کوئی رسم نہیں ہے ۔رسولؐ کی رشتہ داری یہاں ہم اہم نہیں سمجھتے اور دوسری طرف رسولؐ کے نزدیک بیٹھنے والوں کو بہت زیادہ اہم سمجھ لیتے ہیں ۔یہاں تک کہ ان کے خلاف زبان سے کوئی لفظ بھی نکالے خواہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو تو مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں ۔اور ملک میں جو یہ قتل وغارت ہو رہی ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کبھی اسمبلی میں اس کے لئے سزائے موت کا قانون بنوانے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے اور سنگسار وغیرہ یہ دوسرے اخلاقی جرائم کی سزائیں ہیں ۔لیکن دنیا کے کسی مذہب میں گالی کی سزا موت نہیں ہے سوائے پیغمبروں کے ۔اس کے برعکس اولاد رسولؐ کے قاتل کو بھی برا کہنے یا اس پر لعنت کرنے پر ان کے خون میں کھلبلی مچ جاتی ہے ۔ جب تم نے نکاح کرنا ہے تو رسولؐ نے فرمایا کہ مرد عورت کو اچھی طرح سمجھے اور عورت مرد کو اچھی طرح سمجھے۔ لیکن اپنے معاشرے میں ہم عورت کو زبان کھولنے تک کی اجازت نہیں دیتے ۔اگر سب مرد عورت برابر تھے تو پھر اس تفریق کے کوئی معنی نہیں ۔

شیعہ سنی روایات میں ہے کہ نکاح فلاں سے کرو اور فلاں سے نہ کرو اور بالخصوص شیعہ تو جانتے ہیں کہ جناب سیدہؑ کے انتقال کے بعد جناب امیرؑ نے عقد کرنا چاہا تو اپنے بڑے بھائی جناب عقیلؑ سے رشتہ تلاش کرنے کو کہا تو ایسے خاندان سے جو شجاع ہو۔ چونکہ آپ ماہر الانساب عرب تھے۔ ہر انسان ان سے گھبراتا تھا کہ کہیں مجھے ہی حرامزادہ نہ کہہ دیں۔ لوگ ان سے بڑے الرجک تھے۔ بڑے گھبراتے تھے اور چاپلوسیاں بھی کرتے تھے۔ مال بھی دیتے تھے۔

ایک دفعہ معاویہ نے آپ کو اپنے دربار میں آنے کی درخواست کی۔ بہت زیادہ خاطر مدارات کیں۔ پیسہ بھی دیا۔ لیکن ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ پیسہ تو ہم سے لیتے ہو اور مدح دوسرے کی کرتے ہو۔ تو آپ کہنے لگے: مال تھا ہی ہمارا' اس سے تھوڑا سا دے دیا تو کیا احسان کیا۔ یہاں تک ملتا ہے کہ ایک بزرگوار کھانے کے وقت معاویہ کے دسترخوان پر جاتے اور نماز کے وقت جناب امیرؑ کے پیچھے ہوتے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کھانا تیرا مزیدار ہے اور نماز علیؑ کی مزیدار ہے۔ (حضرت علیؑ نے فرمایا) اس بیوی سے خداوند عالم مجھے ایسا بچہ عطا کرے جو حسینؑ کا ساتھ دے۔

تکامل انواع یہ نہیں ہے کہ آپ ہندوانہ کاشت کریں اور اونٹ نکل آئے۔ اونٹ ہو اور اس سے گدھا بن جائے' ایسا نہیں ہوسکتا۔ مغرب میں بڑا شور ہے کہ انہوں نے کوئی مصنوعی مخلوق بنالی ہے۔ اخبارات میں بھی اس کے بڑے چرچے ہیں۔ پہلے تم نے دیکھا پھر بنایا ہے۔ اگر پیدا ہوا دیکھا نہ ہوتا تو پھر دیکھتے کیسے بناتے ہو؟ یہ تو نقل ہے۔ تم نے پہلے دیکھا اور اس سے علت کو معلوم کیا اور آج دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم بھی خالق حقیقی کے مقابلے میں بنا سکتے ہیں۔

دو جڑواں بھائی تھے' شکلیں اس طرح مشابہ کہ ماں نہیں پہچان سکتی تھی۔

شرارت کوئی کرتا تھا مار کوئی کھاتا تھا۔ ماں بھی نہ پہچان سکتی تھی کہ شرارت کس نے کی ہے۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک کو جیل کی سزا ہوگئی۔ کچھ دن جیل میں رہا دوسرا بھائی آیا پہلے سے کہا تم گھر چلے جاؤ میں جیل میں بیٹھ جاتا ہوں۔ جیل خانے کا عملہ تک نہ پہچان سکا۔

یہ تکامل انواع ہے۔ تبدل انواع نہیں ہے۔ تبدل نوع وہ ذات کرتی ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ تبدل انواع بھی ہوتی ہے لیکن اس وقت جب وہ چاہتا ہے جو خالق ہے۔ دھاگے کو شیر بنا دیتا ہے۔ اللہ کا نمائندہ جب دھاگے کو حکم دیتا ہے شیر بنا دیتا ہے۔ شیر کتنی دیر میں تکامل کرتا ہے اور صرف شیر ہی نہیں بنتا بلکہ مامون رشید کے درباریوں میں سے حمید بن مہران کو پارہ پارہ کر کے کھا ڈالتا ہے اور پھر علیؑ ابن موسیٰؑ جو نمائندہ خدا ہے کے حکم سے نقش قالین بن جاتا ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اس نقش پر کوئی ابھار تک نہیں۔

پیغمبرؐ پتھر کو حکم دیتا ہے تو وہ بول پڑتا ہے۔ پتھر کی کوئی نوع ایسی نہیں ہے کہ بول سکے۔ بولنا اس کی فطرت میں نہیں ہے۔ اس میں قوتِ تکلم نہیں ہے۔ پیغمبرؐ کہہ رہا ہے۔ اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ اپنے نمائندوں کو کبھی ذلیل نہیں کرتا۔ ساری عمر جادوگر سمجھتے رہتے ہیں لیکن جب تلوار آتی ہے تو فوراً بول پڑتے ہیں لا الہ الا اللہ۔

اگر افسانہ ہے تو سوچ لے' سارے تیری طرح معتقد ہو کر تو نہیں پڑھ رہے۔ چھ سال تک اسلام قبول نہیں کیا اور ایک عورت کے دو بول سن کر اسلام قبول کر لیا۔ اور سب سے عاقل اور افضل بن بیٹھا۔ تو ثابت کرنا چاہتا ہے چونکہ تیرے قلم سے نکل رہا ہے اس لیے سب تسلیم کر لیں گے۔ کیا سارے اندھے ہیں؟ اور عورت کو مارنے پیٹنے کے بعد سارے انوار کھل گئے۔ توحید سامنے آگئی اور پھر سوچتا کوئی نہیں ہے۔ عورت کہتی ہے تو ابھی مشرک ہے پہلے وضو کر پھر اسے ہاتھ لگانا۔ قرآن کو' کیا اس

وقت قرآن مدون ہو چکا تھا ؟ کیا ہندو مشرک وضو کر کے زیادہ نجس نہ ہو جائے گا۔گیلا جو ہو گیا ہے۔آپ کہتے ہیں ہمارے پاس طاقت ہے۔ مانتے ہیں سب کچھ ہے لیکن عقل نہیں ہے۔تاریخ تم نہ لکھتے ہم نہ پڑھتے ہم نے منت کی تھی؟

ایک آدمی مجمع میں آتا ہے گستاخی کرتا ہے جناب امیرؑ کی شان میں۔تو جناب امیرؑ اسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں تو مردوں کے مجمع میں کیوں آئی؟ جب وہ دیکھتا ہے اپنے آپ کو تو وہ مرد ہی نہیں ہے۔ یہ کون کر سکتا ہے۔

وہ جس کا Direct Contact ہے اس ذات کے ساتھ۔ اِدھر اس کی زبان سے لفظ نکلتا ہے اُدھر تبدل مخلوق ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ میرا نمائندہ شرمسار ہو۔اتنا نہ گرا خدا کے نمائندوں کو پتہ ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ اس کی نمائندگی کرنے آیا ہے۔ اگر اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے تو کیا اللہ اپنے نمائندوں کو ذلیل کرنے کے لیے بھیجتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

جناب فضہؓ، جن کا اصل نام میمونہ تھا اور ملک حبشہ کی شہزادی تھیں جنہوں نے بادشاہت ترک کر کے جناب زہراؑ کی کنیزی اختیار کی، کے پاس ایک کمال تھا کہ کچھ چیزیں ملا کر چاندی بنالیا کرتی تھیں اسی لئے ان کا نام فضہ پڑ گیا۔ وہ سونا بھی بنا لیتی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھر میں مسلسل فاقے ہیں۔شہزادوں کے رنگ زرد پڑ گئے ہیں۔انہوں نے تھوڑا سا سونا بنایا اور جناب امیرؑ کو دیا کہ بازار لے جائیں اور بیچ کر کچھ کھانے کی چیزیں لے آئیں۔ جونہی یہ لے کے آئیں تو جناب امیرؑ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس میں فلاں فلاں جز اور ملا لیتیں تو یہ اپنی صنف میں اعلیٰ ہو جاتا۔ وہ کہنے لگی آپ بھی یہ جانتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا میں ہی نہیں یہ حسنینؑ بھی جانتے ہیں۔ مذاق کے طور پر کہتی ہے پھر جان بوجھ کر بھوکے رہ رہے ہو۔

ہماری فقہ میں ہے شاید دوسری طرف بھی ہو۔ ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے جو صحیح نکاح سے پیدا نہ ہوا ہو' چونکہ اس نے دس یا بیس آدمیوں کی نمائندگی کرنا ہے۔ لہٰذا مقتدیوں کا فرض ہے کہ اس کے متعلق ضرور تحقیق کریں کہ اس کا نسب ٹھیک ہے جس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر اس کا عالم ومتقی ہونا وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا ایسا فرد جس کے پیچھے صرف نماز پڑھنی ہے پھر وہ بھی فارغ اور ہم بھی فارغ اس کے متعلق تو اسلام تحقیق کا حکم دیتا ہے۔ تو آیا وہ ذات جس نے ہمیں اللہ تک پہنچایا ہے اس کے متعلق آنکھیں بند کرلیں۔ جس کے متعلق قبر میں بھی سوال ہوتا ہے۔ مَن اِمَامُکَ ۔ مولوی صاحب تمہارے ساتھ جا کے جواب نہیں دیں گے۔ اسی لئے تو ہم قبر میں مردہ کو رکھ کر اسے تلقین کرتے ہیں کہ تیرے امام فلاں فلاں ہیں۔

بہر حال پورا عالم ہے تیرے سامنے اگر ایک جگہ علم نہیں ہے تو دوسری طرف جا۔ امامت کے مسئلہ کو معمولی نہ سمجھ جس طرح اللہ نبی مقرر کرتا ہے اسی طرح امام بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور رسولؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان کے ناموں کا اعلان کر دیا ہے۔ تو نے صرف ان پر ایمان لانا ہے۔ یاد رکھو! الیکشن سے امام نہیں چنا جاتا۔

علمائے جرمنی نے اسی ڈارون سے پوچھا کہ کیا تم خدا کے قائل ہو؟ اس نے کہا کہ میں پورے عالم کو دیکھتا ہوں کہ ایک حساب پہ چل رہا ہے۔ سورج ہے کہ اپنے مقررہ وقت پر نکلتا ہے۔ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں ہوتا۔ گندم ہے تو ہمیشہ ایک ہی موسم میں۔ انگور ہیں تو ہمیشہ ایک ہی موسم جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ گندم کبھی سردیوں میں کاٹی جارہی ہو اور کبھی گرمیوں میں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ اس نے کہا میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے اور کبھی کبھی یہ اعتراض ہمارے ذہن میں بھی آتا ہے۔

ڈارون کہتا ہے کہ میں بھی اس فکر میں متفکر تھا۔ (یہ اللہ کونہیں مانتا) یہ کہتا ہے کہ میں مانتا ہوں کہ خالق نہیں ہے۔ میں نے کہا دوسرے نظریے والوں سے پوچھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں عالم پیدا ہوا مادے سے **Matter** سے۔ **Matter** یا مادہ حرکت کرنے لگا۔ یہ انسان اس سے بنا ہے۔ یہ کیمونسٹوں کا خیال ہے کہ ساری حرکت تکامل سے ہے۔

تم کہتے ہو عالم مادے سے۔ آپ اسے ایٹم کہہ لیجئے۔ میں نے کہا میں مواحد نہ سہی میں خدا کا قائل نہیں ملحد بنتا ہوں۔ میں پوچھتا ہوں کہ مادہ کہاں سے آیا؟ کیا مادہ بھلا اوّل ہے؟ سارے مادی کہتے ہیں کہ مادہ اول سے تھا۔ ہمیشہ سے تھا۔ ایک اول تو ماننا پڑے گا۔ ایک ذات ہے جس میں علم بھی ہے، قدرت بھی ہے ارادہ بھی ہے۔ اسے نہ مانوں تو میں اپنی عقل کو ذبح کروں۔ ایک شخص نے قول دیا ہے۔ وہ فیلسوف کہتا ہے: ''حرکت تم دے دو سارا عالم میں خلق کرلوں گا''۔

شاید یہ تقریریں میں نے آٹھ دس سال پہلے کی تھیں۔ بغداد میں منکر خدا۔ ملحد نے تمام مسلمانوں کو دعوت دے رکھی تھی کہ آؤ میرے ساتھ مناظرہ کرو۔ یہ ہمارے ایک بہت بڑے عالم کے پاس آیا۔ انہیں بھی دعوت دی انہوں نے کہا: لکھ لو میں دستخط کردیتا ہوں کہ میں ہار گیا۔ چونکہ مناظرہ میں بھی تحقیق ہوتی ہے۔ محقق وہ ہے جو تحقیق کرتا ہے۔ کبھی دیکھتا ہے اس کا مطلب' اس کا مطلب۔ وہ ہار جیت کے چکر میں نہیں ہوتا بلکہ حقیقت تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے۔

اس ملحد سے مسلمان بہت پریشان تھے۔ بالآخر علامہ حلّی مؤسس (علامہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ علامہ حلّی مذہب شیعہ کے مروج ہیں) ہیں مذہب شیعہ کے دس سال کی عمر میں درجہ اجتہاد پر فائز ہوگئے تھے' انہوں نے اس کا چیلنج قبول کرلیا۔ میدان مناظرہ معین ہوگیا۔ وقت مقرر ہوگیا۔ دونوں طرف کے لوگ جمع ہوگئے۔

لیکن علامہ حلی نہیں پہنچے۔ بس اس ملحد نے کہنا شروع کیا کہ ہمارے مقابلہ میں کون آ سکتا ہے۔ مسلمان مڑمڑ کے دیکھ رہے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے مسلمانوں کے چہرے زرد ہو رہے ہیں اتنے میں علامہ حلی آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔

آپ نے آتے ہی اپنے دیر سے آنے کی معذرت کی اور بتایا کہ میں جس راستے سے آ رہا تھا بیچ میں نہر پڑتی ہے۔ میرے پاس اسے پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کنارے پر کھڑا سوچ ہی رہا تھا اس پریشانی میں کہ آسمان سے ایک تختہ آیا' پھر دوسرا تختہ آیا' پھر تیسرا تختہ آیا' پھر میخیں آ گئیں تختے جڑنے لگے اور کشتی تیار ہو گئی اور میں اس پر بیٹھ کر نہر پار کر کے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ملحد عوام کو مخاطب کر کے کہتا ہے: دیکھو کتنا جھوٹا ہے۔ کبھی آسمان سے خود بخود تختے آ سکتے ہیں اور خود بخود جڑ کر کشتی بن سکتی ہے۔ آپ اسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اگر آسمان سے تختے نہیں آ سکتے اور کشتی خود بخود نہیں بن سکتی تو پھر تیرا یہ وجود بغیر کسی بنانے والے کے کیسے بن گیا ہے؟

اسی مفہوم کو حضرت امیرؑ نے صفین میں بیان فرمایا ہے۔ بھلا اب ہم صفین بھی نہیں پڑھ سکتے؟ ہماری زبان اور دماغ پر اتنے پہرے بھی نہیں لگے ہوئے۔ جنگ میں کچھ صحابہ اِدھر ہیں اور کچھ صحابہ اُدھر ہیں۔ حضرتؑ کے پاس ایک شخص آتا ہے دیکھ کر متحیر ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف ہے۔ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: یا مولاؑ! آپ کی طرف بھی صحابہ کرام ہیں اور دوسری طرف بھی صحابہ کرام ہیں۔ میں کس طرح جانوں کہ حق کس طرف ہے؟

آپؑ اسے فرماتے ہیں:

یا عَدُوَّ نفسک "اے اپنے نفس کے دشمن" پہلے حق کو پہچان' پھر لوگوں کو

اس پر پرکھ۔حق سے لوگوں کو پہچان۔

میرے قبلہ!

یہ عقل کی بات نہیں ہے۔تھوڑے ہوں تب بھی یہیں حق ہے اور زیادہ ہوں تب بھی یہیں حق ہے۔اگر حق اکثریت کے ساتھ ہوتا تو میدان کرب و بلا کے متعلق کیا کہو گے؟ میں بلا جھجک کہوں گا کہ جب بھی توحید پر زد پڑی ہے یا آل محمدؐ سامنے آئے ہیں یا آل محمدؐ کے ماننے والے سامنے آئے۔

کرکٹ میں اکٹھے۔چھکا اگر شیعہ سے لگے تو نعرہ لگائیں گے پاکستان زندہ باد۔ساری بدمعاشیوں، میں اکٹھے' سارے حرام فعلوں میں اکٹھے ہو جائیں۔اس میں ملک پر کوئی زد نہیں پڑتی۔میں ایک منٹ کے لیے کہتا ہوں کہ یہ عزاداری حرام ہے۔اسے بھی برداشت کرلو۔یہاں کیا ہو رہا ہے؟ شراب پی جارہی ہے۔کئی اور ایسے فعل شنیع ہو رہے ہیں؟ ایک بندہ کرسی پر بیٹھا ہے کچھ بول رہا ہے۔چند فرش پر بیٹھے سن رہے ہیں۔کبھی درود پڑھ لیتے ہیں' کبھی نعرہ توحید بلند کرتے ہیں' کبھی نعرہ رسالت اور کبھی نعرہ حیدری اور آخر میں اہل بیتؑ رسولؐ کے غم میں روتے پیٹتے مجلس برخاست کر دیتے ہیں۔

سارا سال اکٹھے رہے جونہی محرم کا چاند نظر آیا شیعہ برے لگنے لگے۔آوازیں بلند ہونا شروع ہوتی ہیں۔شیعو! ایران چلے جاؤ۔مجھے بتاؤ کہ آیا شیعہ ایران کو دیکھ کر شیعہ بنا ہے۔خدا کی قسم! شیعہ اس وقت بھی شیعہ تھا جب شاید ایران والوں نے اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا۔اگر تاریخ کو اٹھا کر دیکھو تو پتہ چلے گا۔ایران کے ایک بادشاہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔طلاق' طلاق' طلاق۔مولویوں نے حلالہ کا مسئلہ اس کے پوچھنے پر بتایا۔اس کی غیرت نے قبول نہ کیا۔ایک وزیر کے مشورہ پر شیعہ عالم سے حل پوچھا۔صحیح حل ملا اور اس دن سے ایران کا سرکاری مذہب شیعیت

ہوگیا۔

پاکستان ہمارا ہے اور ہم سے زیادہ اس کا کوئی ہمدرد نہیں ہے۔ امام غزالی کا نظریہ سامنے آتا ہے کہ امام حسینؑ کا ذکر نہ پڑھو چونکہ اس سے سابقہ تاریخ سامنے آجاتی ہے۔

میرے قبلہ! مرجاؤں گا۔ آج اسّی فی صد ممالک خدا کو نہیں مانتے۔ اسّی فی صد کا خدا ماں باپ والا ہے۔ جب یقین ہو کہ خدا ہے۔ جو خدا کا معتقد ہو جاتا ہے۔ کوئی خدا کا قائل ہو جاتا ہے۔ تو اسّی فی صد جرائم ختم ہو جائیں اور باقی بیس فی صد کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔ کیا وہ خدا کا معتقد ہے جو کلاشنکوف سے بندگان خدا کو ہلاک کر رہا ہے؟ مجرم شیعہ ہو یا سنی۔ جو رشوت لے رہا ہے کیا وہ خدا کا معتقد ہے؟

تیرہ سال پیغمبرؐ نے مکہ میں توحید کے سوا کچھ بیان نہیں کیا۔ لوگوں کے ذہنوں کو پختہ کیا۔ اب توحید میں پختہ لوگ ہیں، حجاز کی گرم ریت پر لٹایا ہوا ہے اور صحابی رسولؐ بلالؓ کے جسموں پر ابو سفیان وغیرہ ظلم کر رہے ہیں۔ ان کے جسموں پر تپتے ہوئے بھاری پتھر رکھ رہے ہیں۔ عمار یاسرؓ اور ان کی والدہ معظّمہ کو گرم ریت پر لٹا کر بھاری پتھر رکھے جا رہے ہیں اور یہ نیچے احد، احد اور احد پکار رہے ہیں۔

کیا کوئی خدا کا قائل بھی حسینؑ کو مدینہ سے نکال سکتا ہے؟ حسینؑ مدینہ سے نکلتے وقت اتنا مضطرب ہے کہ شاید کربلا میں بھی اتنا مضطرب نہیں ہوا۔ عزیزو! وطن کی محبت انسانی فطرت میں ہے۔ پیغمبر مکہ سے آ گئے مدینہ میں۔ جو کوئی مکہ سے آتا ہے اس سے اپنے گھر کے حالات پوچھتے ہیں۔ گھر میں شاید کھجور کا ایک درخت تھا اس کی حالت دریافت کرتے ہیں۔

تین دن تک کبھی ماں کی قبر پر جاتے ہیں۔ کبھی بھائی کی قبر پر جاتے ہیں۔ کبھی

چچا کی قبر پر جاتے ہیں۔کبھی ناناؐ کی قبر پر جاتے ہیں۔فریاد کرتے ہیں: ناناؐ! تیری امت مجھے یہاں رہنے نہیں دیتی۔تین دن تک نمازیں پڑھتے ہیں۔نانا کی قبر کو گلے لگا لیتے ہیں۔نیند آجاتی ہے۔دیکھتے ہیں کہ ناناؐ قبر سے باہر آگئے ہیں۔فرماتے ہیں: نانا! مجھے بھی قبر میں لے جاؤ۔

امام مظلوم اٹھائیس (۲۸) رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں۔شعبان، رمضان، شوال، ذیقعد، ذوالحجہ۔تقریباً پانچ ماہ سفر میں گزرے۔کیا پورے عالم اسلام کو پتہ نہیں لگ گیا تھا کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے؟اور پیغمبر کا یہ فرمان کہ میرا حسینؑ جب مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرنا---لوگوں کے ذہنوں میں نہیں تھا؟ شام کی حکومت چالیس آدمی حج کے لباس میں مکہ بھیجتی ہے اور انہیں حکم دیتی ہے کہ حسینؑ جس حالت میں بھی ملے اسے قتل کر دو۔امام حسینؑ کو پتہ چل جاتا ہے۔ آپ حج کو عمرہ میں تبدیل کرتے ہیں۔دنیا منیٰ کی طرف جارہی ہے اور حسینؑ وہاں سے نکل رہے ہیں۔اُونٹوں پر سوار ہیں۔جناب محمدؑ ابن حنفیہ بھی مکہ پہنچ جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: بھائی! آپؑ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ سوچوں گا۔آپؑ فرماے ین۔ بھان: یں ے واب میں نانا کو دیکھا ہے مجھے کہہ رہے تھے۔

اُخرُج اِلی العَرَاق.

محمد حنفیہ سمجھ گئے، بس گریہ طاری ہوا۔روتے روتے دامن آنسوؤں سے تر ہوگیا۔عرض کرتے ہیں: آپ نانا کا حکم ضرور بجالائیں۔اگر جانا ہی ہے ضرور جائیں لیکن میری بہنوں کو تو نہ ساتھ لے جاؤ۔

امامؑ فرماتے ہیں: اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کے ہاتھوں یں رسیاں پڑیں۔ چونکہ ان کے قید ہونے سے اسلام بچے گا۔یہ سب کچھ جناب زینبؑ سُن رہی تھیں۔جناب حنفیہ کو بلایا اور کہا: تم حسینؑ کو کیا کہہ رہے تھے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ

زینبؑ حسینؑ کے بغیر زندہ رہ سکے گی؟

جناب امیرؑ نے نکاح کے وقت جناب عبداللہ سے شرط رکھی تھی کہ جب میرا حسینؑ کسی وقت کہیں سفر اختیار کرے اور زینبؑ ساتھ جانا چاہے تو تم نہیں روکو گے۔ خدا غریق رحمت کرے حافظ کفایت حسین کو (سرمایہ تھے مذہب شیعہ کے) وہ پڑھا کرتے تھے کہ جناب عبداللہ کی اس وقت بینائی نہیں تھی اپنے دونوں بچوں عون ومحمد کو ساتھ لیا مکہ پہنچے۔ کیا وظیفہ کیا ہے۔ دونوں بچوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور امام حسینؑ کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ امامؑ کو پتہ چلتا ہے پوچھتے ہیں: بھائی! کیا کر رہے ہو؟ عرض کرتے ہیں: حسینؑ آپ میرے بھائی ہیں (اللہ آپ کو سلامت رکھے)۔ یہ میرے بچے صدقے کے طور پر قبول کرلیں۔ یہ صورت حال جناب زینبؑ اپنے خیمہ سے دیکھ رہی تھیں۔

جناب فضہ کو بھیجا کہ جاؤ عبداللہ کو بلا لاؤ۔ آپ جب آتے ہیں تو کھڑے ہو کر تعظیم کرتی ہیں اور کہتی ہیں عبداللہ میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ آج آپ نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔

اَلا لَعنَةُ اللّٰہ عَلٰی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر و نشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنِّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

OOO

مجلس دوئم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَارِعُوا اِلٰی مَغفِرَةٍ مِّن رَبِّکُم وَجَنَّةٍ عَرضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالاَرضُ اُعِدَّت لِلمُتَّقِینَ O الَّذِینَ یُنفِقُونَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالکٰظِمِینَ الغَیظَ وَالعَافِینَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ المُحسِنِینَ O (سورہ آل عمران' آیت ۱۳۳-۱۳۴)

''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑ کر جاؤ جس کی وسعت کل آسمانوں اور ساری زمین کے برابر ہے۔ جو اُن پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگدستی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے (اور لوگوں کے قصور سے) درگذر کرتے ہیں۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

معصومؑ فرماتے ہیں کہ ''شریر ترین انسان وہ ہے جس سے معافی مانگی جائے وہ معاف نہ کرے''۔

کل ہی اگر لڑائی ہو جائے تو سب سے پہلے مولوی بھاگے گا--- یہ لڑائیں گے تو ہمیں! کہتا ہے کہ تم امام حسین علیہ السلام کی سیرت بتلاؤ۔ مجھے بھی کتنے دن

ہو گئے ہیں یہاں آ کر۔ کیا میرا مطالعہ بالکل نہیں ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آسمان پہ پڑی ہوئی ہیں ان کی کتابیں۔ کیا ہماری رسائی نہیں ان تک؟ حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس وقت اتحاد کی تقاریر ہوں۔ مسلمانو! سوچو کہ ہمارے سر پر ایک دشمن ہندوستان بیٹھا ہوا ہے' ادھر روس آ گیا ہے' تم شیعہ سنی کو لڑا کے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر تمہیں لڑائی کا بہت زیادہ شوق ہے تو میدان مقرر کرو' دونوں طرف کے مولوی بندوقیں لے کر آمنے سامنے آ جاتے ہیں۔ ان بھولے سادہ لوح مسلمانوں کو کیوں مرواتے ہو؟ جب کافر چڑھ آئے گا تو یہ نہیں پوچھے گا کہ شیعہ ہو یا سنی ہو یا وہابی۔ اس کے نزدیک تم سب واجب القتل ہو۔ کیا شیعوں کو قتل کر کے تم سمجھتے ہو کہ تم یہاں رہ سکو گے؟ وہابی سے میری مراد غیر شیعہ ہے۔ یہاں آ کے سب کی رگ پھڑکتی ہے۔

میں انتظامیہ سے پھر اپیل کروں گا کہ ان پر کنٹرول کرو۔ اگر کوئی ہمارا ہے تو اس پر بھی کنٹرول کرو۔ موجودہ فضا اس کی متحمل نہیں ہے۔ اس وقت سیاسی پارٹیاں چاہتی ہیں یہ مارشل لاء اور آگے بڑھے۔ آپ مجھے ایسا بھی نہ سمجھیں کہ میں سیاست کو نہیں جانتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ کام شیعوں کے ہاتھوں سے ہو۔ ایم' آر' ڈی (MRD) والو! اگر ہمت ہے تو تم خود آگے آؤ۔ ہمیں کیوں آگے لاتے ہو۔ ہمارا مطالبہ مذہبی ہے۔ ہم اپنے طور پر اسے منوائیں گے۔ جب سیاسی ہو گا تمہارے ساتھ ملیں گے۔ مسلم لیگ میں ہوں گے یا کسی اور جماعت میں ہوں گے۔ شیعوں کو اشتعال کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اور مولویوں سے ایسی تقریریں نہ کرواؤ کہ اشتعال پیدا ہو۔ چار دن ہم نے اگر جواب نہ دیا تو شیعہ مذہب مٹنے نہیں لگا۔ اگر ہم نے ایک مہینہ بھی جواب نہ دیا تو مذہب کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ الحمدللہ کافی فرد ہیں۔ ان کی کون سی بات ہے جس کا آج تک جواب نہیں دیا جا چکا۔ سب چیزوں کے جواب یہاں دیئے جا چکے ہیں۔ اس لیے میں اس طرف نہیں آتا۔ مجھے البتہ آپ یہ نہ سمجھیں

کہ میں جواب نہیں دے سکتا۔ جواب دے سکتا ہوں۔ اللہ نے مجھے تھوڑی سی بولنے کی طاقت بھی دی ہے۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ میں بیان بھی کر لیتا ہوں۔ لیکن میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ سال کے بعد یہ ایام آتے ہیں اور ان میں دونوں فریقین یہاں موجود ہوتے ہیں۔ اپنے بھی ہوتے ہیں' پرائے بھی۔ خصوصاً جو یہ طبقہ ہے ہمیں اسے بتلانا ہے کہ آل محمدؐ کا موقف کیا ہے؟ جوانوں کی سیرت سدھاریں اگر کچھ غلطی ہے تو یہ بابِ توبہ ہے۔ یہاں آ کر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔

میرا یہی مقصد ہوتا ہے ورنہ نعروں والی تقریریں میں بھی کر سکتا ہوں۔ الفاظ اتنے مشکل نہیں۔ جن کو ہزاروں روپے فیس دیتے ہو وہ بھی میرے شاگردوں میں سے ہیں۔ وہ بھی مجھ سے ہی پڑھے ہوئے ہیں۔ اب مناظر اعظم بنے پھرتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی علمی قابلیت کیا ہے؟ اشتعال میں لانے کی کوشش مت کرو۔

دو چار چیزیں میں اور بیان کروں گا۔ چند مجالس باقی رہ گئی ہیں۔ خدا آپ کی زندگی دراز کرے۔ خدا آپ کو طول عمر دے۔ شاید کسی جوان یا بوڑھے یا میری کسی ماں بہن کے دل میں آل محمدؐ کا کوئی کلام اثر کر جائے۔ اگر آپ کی زندگی صحیح نہیں ہے تو صحیح ہو جائے۔ میری غرض صرف اتنی ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی حدیث کا میں نے ایک جملہ پڑھا ہے۔ اس کا دوسرا جملہ میں نے نہیں پڑھا۔ پیغمبرؐ اسلام حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ یا علیؑ! میں تجھے شریر ترین انسان کی نشاندہی کر دوں؟ نبی اپنے وصی سے فرما رہا ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں: یا رسولؐ اللہ! ضرور فرمائیے۔ کون ہے شریر انسان؟

پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

''ایسا انسان جو غلطی کو معاف نہ کرے۔ کسی سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ

معافی طلب کرے تو یہ معاف نہ کرے۔ وہی شریر ترین انسان ہے"۔

اب میں توضیح کے لیے عرض کر دوں کہ

ایک غلطی ہوتی ہے عمداً، یعنی آدمی جان بوجھ کر کرتا ہے۔ آپ نے سنا ہے دیت واجب اس وقت ہوتی ہے کہ جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ یا ایسا آلہ استعمال کرے جو غالباً قتل کر دیتا ہے۔ اگر چہ اس کا قتل کرنے کا ارادہ نہ بھی ہو۔ دوسرے یہ کہ قتل کا ارادہ ہو۔ آلہ اگر چہ قتل کرنے کا نہ بھی ہو۔ اور اس سے قتل ہو جائے تو یہ بھی عمدی قاتل ہے یعنی جان بوجھ کر قتل کیا ہے۔ مثلاً میں نے ایک چھوٹا سا ڈھیلا لیا کسی مومن مسلمان کو یا کسی اور کو قتل کرنے کے ارادہ سے مارا۔ ایک ڈھیلا عادتاً قتل نہیں کرتا۔ معمولی پتھر انسان کا قاتل نہیں ہوا کرتا۔ لیکن اتفاق سے ایسی جگہ لگا کہ جس سے اس کی رگ پھٹ گئی یا کسی نازک جگہ پر لگے، جس سے دوسرا انسان مر گیا تو میں عمدی قاتل ہوں گا۔ یعنی کہ میں نے جان بوجھ کر اسے قتل کیا ہے۔

دوسرے میرا قتل کا ارادہ نہیں ہے لیکن میں نے جو آلہ استعمال کیا ہے وہ غالباً آدمی کو قتل کر دیتا ہے۔ مثلاً میں نے پستول قتل کے ارادہ سے نہیں چلایا۔ یہ نہیں خیال تھا کہ کوئی مر جائے گا مگر میں نے پسول چلایا۔ اب پستول وہ آلہ ہے جس سے غالباً انسان قتل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی عمدی قتل کہلائے گا۔ اس قتل کا (جو قرآن میں آتا ہے) قصاص ہوتا ہے لیکن ہر قتل کا قصاص نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کا حکم شریعت میں پہلے یہی ہے کہ ایسے مقتول کے وارث اگر چاہیں تو اسے قتل کر سکتے ہیں۔ انہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے دیت لیں۔ ان کا اپنا حق کیا ہے؟ قصاص لینا۔ وہ آئیں گے قاضی کے پاس، اپنا مقدمہ پیش کریں گے کہ ہمارے وارث کو اس نے قتل کیا ہے۔ فرض کر لیجئے قتل ثابت ہو جائے اور وہ مطالبہ کریں کہ ہم قصاص لینا چاہتے ہیں۔ اب

حاکم شرع حکم دے گا کہ اسے قتل کردو۔ چاہے وہ وارث خود قتل کرے یا کسی کو نائب بنادے اور وہ قتل کرے۔

قصاص اسلام میں اس شخص کا ہے جو جان بوجھ کر کسی انسان کو قتل کرتا ہے۔ خواہ قتل کرے، اعضاء کاٹے، جسم کا کوئی اور حصہ کاٹے اس کا ہوتا ہے قصاص۔ اسے کہتے ہیں جان بوجھ کر گناہ کرنا۔ غلطی کہہ لیجئے۔ عربی کے اس لفظ کا ہماری زبان اردو میں میرے ذہن میں کوئی متبادل لفظ نہیں ہے۔ ہم یہی کہیں گے کہ جان بوجھ کے اس نے کوئی خطا یا کوئی گناہ کیا ہے۔ اس کا قصاص ہوگا۔

لیکن اگر کسی نے کسی کو کوئی ایسی چیز ماری کہ جو غالباً قتل نہیں کرتی۔ اس کا بھی ارادہ قتل کا نہیں ہے اور اتفاقاً مر جاتا ہے۔ یہ آدمی بھی قاتل ہے لیکن اس کی سزا قصاص نہیں ہے۔ اس کی سزا یہی ہے کہ مقتول کے ورثاء اس سے دیت لے سکتے ہیں۔ جسے ہم خون بہا کہتے ہیں۔ دیت کتنی ہے؟ اس کے لیے آپ نصاب کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا۔ میں نے اس کتاب کا ترجمہ کردیا ہے۔ حدود وتعزیرات کا اردو ترجمہ موجود ہے۔ جائیداد وغیرہ کے بھی احکام ہیں۔ میرے عزیزو! مطالعہ کی عادت ڈالو۔ سال میں صرف دو چار مجلسیں سن لینا کافی نہیں ہوتا۔ انسان مطالعہ سے مضبوط ہوتا ہے، سریں سننے سے نہیں ہوتا۔ دعا فرمائیں خداوند عالم مجھے صحت دے اور مہلت دے اور ترجمے بھی کر رہا ہوں۔

بہر حال یہ جو دیت ہے اس میں چھ چیزیں ہیں، ان میں سے جو چاہے وہ دے سکتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ آدمی کی دیت ۱۰۰ اُونٹ ہے۔ اگر وہ کسی کو سہواً قتل کرے (عمداً قتل نہ کرے)۔ اب ۱۰۰ اُونٹ وہ جن کی حرمت قیمت سمجھی جائے۔ ایک اونٹ کی قیمت اگر اس وقت کم از کم لگائیں۔ (ہم ہیں تو دیہاتی اور میرا اونٹوں سے بھی کوئی نہ کوئی تعلق رہا ہے ہم بلوچ خانوادہ سے ہیں)۔ آج کل بھی میرا اندازہ

ہے کہ کوئی اونٹ بھی پانچ ہزار سے کم نہیں ملے گا۔ سو (۱۰۰) کو پانچ ہزار سے ضرب دے دیجئے کتنی بن جائے گی ایک آدمی کی دیت؟ پانچ لاکھ ایک آدمی کی کم از کم دیت ہے جو غلطی سے کسی کو مارے۔ میں قصاص دیت میں زیادہ نہیں جانا چاہتا ورنہ وقت گذر جائے گا۔

انسان کے جو دو عضو ہیں ان کی بھی ایک دیت ہے۔ انسان کے جسم میں اگر ایک عضو ہے تو اس کے لئے پوری دیت ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی کی کوئی ناک کاٹ دے تو سو (۱۰۰) اُونٹ دیتہ ہیں۔ کیا انسان کے جسم میں ایک ہی عضو ہے؟ آنکھیں ہیں، کان ہیں، بازو ہیں، ٹانگیں ہیں۔ اندازہ فرمایئے، دیت ہی کے اعتبار سے کتنا قیمتی ہے انسان۔ لیکن ایک سفاک کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ کتنا قبیح جرم کر رہا ہے۔ اگر یہ اسلامی سزا ایک بڑے سے بڑے انسان کو بھی مل جائے تو کنگال ہو کے رہ جائے اور پھر کسی کو ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو۔

بہر کیف ایک غلطی ہوتی ہے جان بوجھ کر ایک غلطی ہوتی ہے سہواً یعنی کہ بھول کر۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ شریر ترین انسان وہ ہے کہ ایک آدمی سے غلطی ہو جاتی ہے جان بوجھ کر اور وہ آکے اس سے معافی مانگتا ہے اور یہ اسے معاف نہیں کرتا تو شریر ترین ہے وہ انسان۔ و لا یو عتی العصرا اور وہ اس کی لغزش کو معاف نہیں کرتا۔

عصرا کے لغوی معنی ہوتے ہیں پھسلنا۔ مثلاً کوئی پتھر پڑا ہوا ہے پاؤں ننگے انسان پھسل جائے۔ اسے عربی میں کہتے ہیں عصرا۔ یعنی لغزش اس نے عمداً نہ کی ہو بلکہ بھول چوک سے کی ہو۔ گھر میں ہے، بیوی سے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔ اس نے جان کے توڑا ہے کسی چیز کو یا ہمسائے سے یا نوکر سے، یا کارخانے میں کسی سے کوئی غلطی ہو گئی ہے (جان بوجھ کے نہیں)۔ وہ دلی معافی مانگتا ہے، یہ معاف نہیں کرتا۔ پیغمبرؐ فرماتے ہیں شریر ترین انسان ہے۔ اب معیار آپ مقرر کر لیجئے ماحول دیکھ کے۔ کوئی

تاجر ہے تو وہ اپنے کاروبار کے ماحول کو دیکھے۔ کوئی دوکاندار ہے تو نوکر سے جب کوئی چیز ٹوٹ گئی یا کوئی اور نقصان ہوگیا وہ تجھ سے معافی طلب کرتا ہے اسے معاف کردیجئے۔ دوکاندار ہے' کارخانے دار ہے' دفتر میں ہے' پبلک میں ہے' گھر میں ہے۔ میرے قبلہ معاف کرنے کی عادت ڈالو۔

گویا پیغمبرؐ یہ بتانا چاہتے ہیں جسے معاف کرنے کی عادت نہیں وہ قیامت کے دن خدا سے بھی معافی کی توقع نہ رکھے۔ اگر معاف کرنے کی عادت ڈالو گے تو پھر معاف کیے جانے کی بھی توقع رکھو۔ معاف کرنا بری چیز ہے؟ اب میں تفصیلی حالات میں جاؤں تو عجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكٰظِمِينَ الغيظَ
وَالعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ المُحسِنِينَ ٥

(سورہ آل عمران' آیت ۱۳۴)

غالبًا امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک لونڈی تھی ترکاری وغیرہ ایک ہانڈی میں لا رہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گرگئی۔ ہانڈی بھی خراب ہوگئی اور گرم سالن وغیرہ کسی بچے پر گرا تو وہ بھی تھوڑا سا جل گیا۔ اب وہ بیچاری کانپنے لگی۔ تفسیر مجمع البیان کے مطابق شاید وضو کروا رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ گیا۔ معصومؑ نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے عرض کیا: اس گھرانے کی کنیزیں بھی قرآن کی زبان سے بات کرتی ہیں۔ وَالكٰظِمِينَ الغَيظَ۔

جناب سجادؑ نے فرمایا:

كَظَمتُ غَيظِى ''میں نے اپنا غصہ روک لیا''۔

پھر اس کنیز نے عرض کیا:

وَالعَافِینَ عَنِ النَّاسِ

بیمار کرب و بلا نے فرمایا:

عفوَتکَ عَفَی اللّٰہُ عَنکَ

''میں نے تجھے معاف کیا اللہ بھی تجھے معاف کرے''۔

پھر اس نے عرض کیا:

اِن اللّٰہَ یُحِبُّ المُحسِنِینَ

''بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

حضرتؑ نے فرمایا:

اِذھَبِی وَانتِ حُرَّۃٌ لِوَجہِ اللّٰہِ تَعَالَی

چلی جاؤ تم خدا کی خوشنودی کے لئے میری طرف سے آزاد ہو''۔

ایسے معافی کی عادت ڈالیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا ایک اور واقعہ ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ عرض کیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک فرد حضرتؑ کو ہمیشہ نا سزا کہتا تھا۔ ایک دفعہ تو مسجد میں حد سے بڑھ گیا۔ نعوذ باللہ سارا مال کھا رہے ہیں' خمس کھا رہے ہیں' یہ ہے وہ ہے۔ ہمیں کچھ دیتے ہی نہیں۔ ایسے الفاظ اس نے استعمال کئے کہ امام کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے بھی برا محسوس کیا۔ حضرتؑ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اس کو جواب دوں۔ وہ کہنے لگے ہم تو اسی وقت چاہتے تھے کہ جواب دیا جائے۔ آپؑ نے بڑی دیر کردی ہے۔ آپ اٹھے اور وہ بھی ساتھ چلے۔ راستے میں معصومؑ یہی آیت تلاوت کرتے جاتے ہیں:

وَالکٰظِمِینَ الغَیظَ وہ سمجھ گئے' انتقام لینے نہیں جا رہے۔

اس کے گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کسی نے پوچھا: کون؟

آپ نے جواب دیا: علیؑ۔

وہ سمجھا انتقام لینے آئے ہیں۔ وہ مسلح ہو کر آیا۔ جب باہر آیا تو حضرتؑ نے پہلے اسے سلام کیا۔ سلام کرنے کے بعد فرمایا جو کچھ تو نے کہا ہے اگر وہ مجھ میں ہے تو میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اگر وہ مجھ میں نہیں ہے اور تم نے تہمت لگائی ہے تو میں اللہ سے تیرے لئے معافی مانگتا ہوں۔

میرے قبلہ! یہ ہے اسلام کی تعلیم۔ جسے معاف کرنا نہیں آتا اور جس کے سامنے جتنی اپیلیں کی جائیں کوئی معافی نہ ملے تو پھر قیامت کے دن اسے کون معاف کرے گا۔ اپنی زندگی میں معاف کرنے کی عادت ڈالو۔

ٹھیک ہے قاضی کا حکم ہے۔ میرے قبلہ! ہمارا ایک مسئلہ ہے۔ امامؑ باوجود اس کے کہ کوئی مجرم ہے۔ اس کا جرم ثابت بھی ہو چکا ہو تو چاہے تو اس کو بھی معاف کر سکتا ہے۔ اللہ نے اسے یہ بھی توفیق دی ہے۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُم اللّٰهُ وَرَسُولُهُ

''تمہارا ولی اللہ ہے اور رسول ہے''۔

عادت ڈالو۔ صرف ایک مقام پر پہنچ جانے سے غرور نہ کرو۔ کل کسی ایسے مقام پر پہنچنا ہے کہ جہاں کسی کا غرور باقی نہیں رہے گا۔ صلواۃ! ایک دفعہ پھر صلواۃ پڑھ لیں۔

امام فرماتے ہیں: بدترین انسان وہ ہے۔ میرے بھائیو! میرے دوستو! (اگر مر جاؤں تو فاتحہ میں یاد رکھنا)۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں یا علیؑ!۔ یہ تو میں نے کہا نا کہ شریر ہے۔ بدترین انسان بھی بتلاؤں کہ کون ہے؟ امیرالمومنینؑ عرض کرتے ہیں: یارسولؐ اللہ فرمایئے۔ عجیب جملہ فرمایا۔ یہ پیغمبرؐ کا کلام ہے۔ فرماتے ہیں بدترین

انسان وہ ہے لوگ جس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔ اور جس سے لوگوں کو خیر کی توقع نہ ہو۔ نہ اس کی زبان سے محفوظ' نہ اس کے قلم سے محفوظ' نہ اس کے مال سے محفوظ' نہ اس کے مقام سے محفوظ۔ یہ ایسا حیوان اور درندہ ہے جس سے کوئی بندہ خدا بھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔

آج کی اردو اصطلاح میں غنڈہ کہہ سکتے ہیں' جو غنڈہ ٹیکس وصول کرتا ہے۔ کیوں دیتے ہیں ٹیکس لوگ اسے۔ ہم اسے اس واسطے ٹیکس دیتے ہیں کہ اس کی زبان سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ آدمی جس کے شر سے کوئی محفوظ نہ ہو۔ وہ اس شریر ترین انسان سے بھی شریر ترین انسان ہے۔ اور اس سے کسی کو خیر کی یا اچھائی کی بھی توقع نہیں ہے۔ لاکھ پتی ہے تو کسی کو نہیں دیتا۔ کروڑ پتی ہے تو کسی کو فیض نہیں پہنچاتا۔ سانپ بن کے بیٹھا ہوا ہے اپنے مال پر۔ کسی مقام پر ہے تو کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔ کسی منصب' جاہ و جلال پر ہے تو کسی کا مونس نہیں۔ کسی کو اس سے فیض کی توقع نہیں ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لوگوں کے لیے ایسے بنو جیسے چشمہ پیاسوں کے لیے ہوا کرتا ہے تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔ جتنا تمہارا مقام اور درجہ ہے اتنا تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔ دنیا میں فائدہ مند عضو بن کے رہنا چاہیے۔ وہ بدترین سے بدترین انسان ہے کہ جس کے شر سے لوگ محفوظ نہ ہوں۔ ہر وقت اس کا ڈر ہے لوگ کو سلام کرتے ہیں تو ڈر کے مارے۔ کوئی دل سے اسے سلام نہیں کرتا۔ اپنے آپ کو شریر ترین بنانے کے لئے یہ معیار ہے۔ (صلواۃ)

پیغمبر علیہ السلام نے اپنے وصی سے فرمایا ہے' جسے اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنا اہم ترین امر ہے۔ اب ماپنا ہے اور تولنا ہے اپنے آپ کو ہم نے کہ ہمارا کن میں شمار ہے۔ خیر الناس میں ہیں یا کہ شر الناس میں ہیں؟

یہ تھی حدیث پیغمبرؐ۔ آج اس سے زیادہ میں توضیح نہیں کرتا۔ عقائد کے لحاظ سے ایک مسئلہ تھوڑا سا میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ خصوصاً جوانوں کے سامنے ذرا توضیح کے ساتھ آپ کو یہ زحمت اس لیے دی ہے کہ اس سے آگے ہم نتائج لینا شروع کریں۔ صلواۃ پڑھ لیں!

میں نے کل عرض کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ ہے۔ اس کے لیے دو دلیلیں ہیں۔ ایک اندرونی دلیل، ایک بیرونی دلیل۔ آدمی کبھی متوجہ نہیں ہوتا۔ خدا ہے اور متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ اس کی غفلت ہے۔ ورنہ اس کا اندر والا کہہ رہا ہے--- آج آپ نے اخبار میں پڑھا ہے نا۔ ہم تو یہی چیزیں پڑھتے ہیں۔ میکسیکو میں خدا کا منکر سجدہ کر رہا ہے۔ ہے یا نہیں؟ خدا کا منکر ہے تو پھر سجدہ کیوں کر رہا ہے؟ اندر والا کہہ رہا ہے کوئی ہے کہ جو اس سے سجدہ کروا رہا ہے۔ خدا کا منکر ہوتے ہوئے منکر نہیں ہے۔ بیچارے کی توجہ ہی نہیں تھی۔ ذرا چار زلزلے کے جھٹکے لگے۔ اب تک اس نے اللہ کی رحمت ہی رحمت دیکھی تھی، نعمت ہی نعمت دیکھی تھی، لطف و کرم ہی دیکھا تھا۔ ذرا سا اللہ نے اسے دوسرا پہلو دکھایا تو جھک گیا، مان گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان دل سے اس وقت مانتا ہے جس وقت تلوار سر پہ آ جائے۔ وہ ایمان جو تلوار والا ہے نا وہ فتح مکہ والا ایمان ہوگا۔ اس سے پہلے والا ایمان نہیں ہوسکتا ہے۔

(نعرۂ حیدری)

ایمان وہ ہے جو دلائل سے ہو۔

خود سوچ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ میں کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جا رہا ہوں؟ اور مجھے جانا کہاں ہے؟ میں نے کل عرض کیا تھا۔ ایک اندرونی جذبہ ہے اسے ہی فطرت کہتے ہیں۔ اسی لئے یہ دین دین فطرت ہے۔ یہ ماننا فطرت ہے۔ توجہ نہ ہونا دلیل نہ بنا کہ خدا نہیں ہے۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے ایک مثال دی ہے۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ہیں۔ اصل میں انسان ملتفت نہیں ہوتا۔ ذرا سی اس سے بحث کریں تو انسان کو سمجھ آجاتی ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

میں نے کل بھی عرض کیا تھا۔ تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لندن جا کر اپریشن کراتے ہیں' امریکہ جاتے ہیں اپریشن کروانے کے لیے۔ امریکی ڈاکٹر نے اپریشن کیا۔ ٹھیک ہوگیا۔ اب شکریہ ادا کر رہا ہے ڈاکٹر کا۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے ٹھیک کر دیا۔ صرف ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہے۔ لیکن کتنی چیزیں ہیں جو اس کے اپریشن میں کام میں لائی گئیں۔ ان کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ اگر میز نہ ہوتی (جس پر لٹایا گیا ہے) تو ہوجاتا آپریشن؟ کیا آپریشن کھڑے کھڑے ہوتا ہے؟ اگر وہ دوانہ ہوتی جس سے بے ہوش کیا جاتا ہے' ہوجاتا آپریشن؟ اگر سیالکوٹ کے جراحی کے اوزار نہ ہوتے تو ہوجاتا آپریشن؟ نہ ہوتے آلات' نہ ہوتا ہوائی جہاز (جس کے ذریعہ سے چھ گھنٹے میں لندن پہنچ جاتا ہے) ہوجاتا آپریشن؟

کبھی آپ نے دیکھا ہے کسی آپریشن سے ٹھیک ہوجانے والے نے کسی ہوائی کمپنی کا شکریہ ادا کیا ہو۔ کسی کارخانے کا شکریہ ادا کیا ہو۔ کسی میز بنانے والے کا نہیں۔ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کر رہا ہے؟ کیوں؟ اسی واسطے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ متوجہ ہے اس کی صحت میں دخل انداز ہو رہا ہے۔

اے انسان! کبھی تو اپنی روزی ہی کی طرف متوجہ ہو۔ اچھا گوشت مل رہا ہے۔ کڑاہی گوشت ہے' مٹھائی ہے' حلوہ ہے' دودھ ہے لیکن کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ کتنے کارخانوں سے بن کے آرہا ہے تیرے پاس؟ اگر سوچ لے---- میں نے کئی دفعہ یہاں یہ مثال دی ہے۔ بلکہ آج ایک عالم کی میں تقریر سن رہا تھا۔ ایرانی عالم تھا۔ قرآن بتا رہا ہے کہ شہد میں انسانوں کے لیے خداوند عالم نے شفاء رکھی ہے۔ یہ فرما

رہا تھا کہ فرانس کا ایک عالم تہران میں آیا۔ تقریر ہو رہی تھی (علمی بحث ہے)۔ تو اس عالم نے باقی ساری چیزوں کو چھوڑتے ہوئے قرآن کی اس آیت کو پڑھا۔ اور اس نے کہا دیکھئے جتنی مٹھاس بنتی ہے' گنے سے بنے' چقندر سے بنے' اس میں اتنی ہی خرابیاں موجود ہیں۔ وہ جو سالم ہے نصاب کے لحاظ سے ایک سے نہیں بلکہ کئی سے بنی ہوئی ہے۔ شہد ایک چیز سے نہیں بنتی اس درخت سے' اس درخت سے' اس مواد سے' اس مواد سے' پورا ایک مکسچر (Mixture) ہے۔ معجون مرکب۔

اللہ فرماتا ہے اس میں ہے شفاءٌ لِلنَّاس۔ اس نے ثابت کیا کہ اس میں کتنی شفاء ہے۔ تو ہم نے شہد تو کھالیا لیکن کبھی نہ سوچا کہ یہ شہد بنا کیسے؟ یہ کارخانہ آیا کیسے؟ کیسے شہد کے اتنے چھوٹے سے پرندے نے' پرندہ تعبیر کروں؟ آیا کیڑہ تعبیر کروں؟ اتنے سے جاندار میں کتنا بڑا کارخانہ ہے کہ جو اس جوس کو نکال رہا ہے۔ اس جوس کا تجزیہ کر رہا ہے۔ خراب مادہ علیحدہ اچھا مادہ علیحدہ۔ تصفیہ کر کے رکھ دیتا ہے ایک اور کارخانے میں۔ اور کارخانہ اتنا بڑا ہے کہ جو مزدور کام کر رہے ہیں ان کا ایک رئیس بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی نفس بھی میلے لباس میں نہ آئے مبادا کہ جراثیم ساتھ لے کر آ جائے۔ اس کا نام ہے ''یعسوب''۔ اگر کوئی نجاست والا اس کارخانے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو دولخت کر کے رکھ دیتا ہے۔

اسی لئے پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں:

یَاعَلِیُّ اَنتَ یَعسُوبُ الدِّین

''یا علیؑ! آپ میرے دین کے یعسوب ہیں''۔

اب دین اسلام میں کوئی نجس داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

جب تک علیؑ کو اپنا امیر تسلیم نہ کرے۔ (نعرۂ حیدری)

ہمیں پاگل نہ سمجھ جو ہم ہر دم یا علیؑ، یا علیؑ، یا علیؑ کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں

کہ اگر دین اسلام میں رہنا ہے تو علیؑ کو امیر و امام تسلیم کر کے ہی رہ سکتے ہیں۔

ہاں ان سے پوچھیے جو آدھی آدھی رات کھڑے ہو ہو کر اپنے پروردگار سے مناجاتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدایا! تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں۔ ایسی ایسی مناجاتیں ہیں۔ صحیفہ سجادیہ پڑھیے۔ آج الحمدللہ ہمارا جوان طبقہ پڑھا لکھا ہے۔ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہے اردو میں بھی ہے، مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ نے بہترین ترجمہ کردیا ہے۔ گذارش کروں گا اپنے مومن بھائیوں سے کہ اپنے گھر میں نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ ضرور رکھیں۔ خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے بچوں کو بھی ترغیب دیں۔ یہ ایک عظیم الشان علمی خزانہ ہے۔ آؤ دیکھو کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے خدا سے باتیں کرنے کا طریقہ کیسے بتلایا ہے؟ اسی طرح نہج البلاغہ کو دیکھیں۔

بہرحال سارا عالم پیدا ہوا ہمارے لئے۔ میں نہیں کہہ رہا، میں کہنے والا متکبر ہوتا ہے۔ آل محمدؐ نے فرمایا ہے۔ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ فِی الاَرضِ جَمِیعًا کتنی چیزیں ہیں اللہ کہتا ہے اے انسان میں نے تیرے لئے پیدا کی ہیں اور تجھے وَمَا خَلَقتُ الجنَّةَ وَالانسَ اِلَّا لِیَعبُدُونَ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر عبادت کے لیے''۔

عبادت کرنا معرفت کے لیے۔ مجھے پہچان میں کون ہوں۔ تو اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے اپنے لیے۔ ہم نے یہاں سے جانا ہے پھر اسی کی طرف۔ یہی معنی ہیں:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُونَ

''ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جائیں گے''۔

اچھا ہم جائیں گے تو جانے کے لیے کسی طریقہ کی بھی ضرورت ہے۔ کسی

نصاب کی بھی ضرورت ہے یا نہیں ہے؟ جو یہاں آئے ہیں اور اللہ نے ہمیں بھیجا ہے. آگے جانے کے لیے تو ہمارے لئے کسی نصاب زندگی کا مقرر کرنا یہ اللہ کی ذمہ داری ہے۔ معاشی نظام، اقتصادی نظام، روحی نظام ہمارے لئے اللہ نے بنایا ہے یا ہم خود بنا سکتے ہیں۔ یہ ہے فلسفے کا نظریہ۔ (صلواۃ)

فلسفے والے کہتے ہیں کہ انسان اپنی عقل سے خدا تک پہنچ سکتا ہے اور اس کی رضا اور منشاء کو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن عقل ناقص سے پتہ نہیں چلتا کہ اللہ دو رکعت نماز میں راضی ہے یا چار رکعت سے۔ یہ سمجھ جائیں گے کہ عبادت کرنی چاہیے لیکن کس مقدار سے کس کیفیت سے؟ عقل میں یہ سمجھنے کی طاقت نہیں ہے۔ وہ مہربان جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس نے ہر دور میں اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ جو نصاب لے کے آئے ہیں اور اس نصاب کو صرف پہنچایا ہی نہیں بلکہ اس پر خود عمل کر کے دکھایا ہے۔ اور پھر ہمیں کہا ہے کہ عمل کرو۔

نبوت کیا ہے؟ اس کے معنے کیا ہیں؟ یہی ہے کہ ایک نصاب ہے ایک نمونۂ عمل ہے۔ نصاب ادھر سے لیتا ہے (وحی کے ذریعے سے) اور پھر ہم تک پہنچاتا ہے۔ وحی کیا چیز ہے؟ ہم نہیں سمجھتے۔ یہ ایک خاص تعلق ہے اس بندے کا اپنے خدا سے۔ اس تعلق کی بنا پر اس پر فیضان علم ہوتا ہے۔ اس پر فیضان رحمت ہوتی ہے جو ہم تک پہنچاتا ہے۔ وحی کے متعلق میں ایک تقریر یہاں کر چکا ہوں۔ لیکن یہاں اتنا ہی عرض کروں گا۔ وحی کے ذریعہ سے اللہ سے لیتا ہے اور پبلک تک پہنچاتا ہے۔ میرے ذہن میں ابھی آ گیا ہے۔ تھوڑا وقت بھی میرے پاس ہے۔ ایک فرق بتلا دوں کہ بہت بڑے بزرگوں کے ذہن میں ایک اعتراض ہوگا وہ بھی شاید حل ہو جائے۔ (صلواۃ)

نبی، رسول اور امامؑ میں کیا فرق ہوتا ہے؟ ایک نبی ہے' ایک رسول ہے اور ایک امام ہے۔ پہلے سنیئے' آیا یہ سارے وحی کو یا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے ہیں یا نہیں

دیکھتے؟ ان میں سے کون دیکھتا ہے؟ کون نہیں دیکھتا؟ یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ پھر سب سے بڑا مسئلہ جو آج حل ہوگا۔ میرا ایک دوسرا بھائی بھی میری مجلس میں بیٹھا ہے۔ اسے بھی میں گذارش کروں گا کہ غور سے سنے۔ آپ بھی غور سے سنیں۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبرؐ نے چالیس سال کے بعد نبوت کا اعلان کیا۔ چالیس سال کی زندگی تک کس کے دین پر عمل کرتے تھے؟ یہ ایک سوال ہے جو ہر ایک کے ذہن میں آئے گا تقریباً' سوال بھی یہیں حل ہو جائے گا انشاء اللہ۔ اگر مجھے خدا نے توفیق دی اور سادہ لفظوں میں میں سمجھا سکا۔ جو میرے ذہن میں ہے۔

نبی اس کو کہتے ہیں کہ جس کی روح پر اللہ کی طرف سے اس کا الہام ہو۔ فرشتے کو نہ دیکھے۔ ایک مطلب میں الہام ہوتا ہے۔ لیکن فرشتے کو نہیں دیکھتا۔ یہ ہوتا ہے نبی۔

رسول وہ ہے جس کو وہاں پر بھی الہام ہوتا ہے۔ اس کی روح پر یا دل پر یا ذات پر بھی الہام ہوتا ہے اور فرشتے کو بھی دیکھتا ہے۔ اور خواب میں بھی کبھی الہام ہوتا ہے۔ نبی کو خواب میں الہام نہیں ہوتا۔ زندہ یعنی جاگتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک مطلب آجاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو لے آتا ہے وہ جان لیتا ہے۔ لیکن ملک (فرشتہ) کو نہیں دیکھتا یہ ہے نبی۔

رسول وہ ہے کہ جس پر الہام ہوتا ہے اور وہ ملک بھی دیکھتا ہے۔ اور کبھی خواب میں بھی اس پر الہام ہوتا ہے۔ یہ ہوتے ہیں نبی اور رسول۔ فرق یہ ہے۔ آپ نے سنا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے۔ یہ سارے کے سارے نبی تھے۔ نبی جو ہوتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ اسے تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا کہ دوسروں کو بھی بتلائے۔ اس پر الہام ہوا وہ خود عمل کرتا ہے۔ اسے حکم نہیں ہے کہ دوسروں کو بھی بتلائے۔

رسول وہ ہوتا ہے کہ جو فرشتے کو بھی دیکھتا ہے۔ اسے الہام بھی ہوتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ لوگوں کو بھی تبلیغ کرے۔ یہ جتنے پیغمبر آئے ہیں اکثر اپنی ذات کے پیغمبر تھے۔ اگر یہ ذہن مبارک میں آ گیا ہو تو پھر میں اتنا عرض کروں گا کہ رسول نبی ضرور ہوتا ہے لیکن نبی رسول نہیں ہوتا۔ چونکہ رسول کو الہام بھی ہوتا ہے۔ فرشتے کو بھی دیکھتا ہے اور آگے اسے تبلیغ کرنے کا حکم بھی ہے۔ (صلواۃ)

ہمارے پیغمبرؐ چالیس سال کے سن تک نبی تھے، رسول نہیں تھے۔ ان پر الہام ہوتا تھا۔ وہ عمل کرتے تھے، ابھی تبلیغ کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ جب چالیس سال کے سن تک پہنچے تب نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے۔ نبی کو چالیس سال سے پہلے بت پرست نہ بناؤ۔ (نعرۂ حیدری)

کیا نبی نبوت سے پہلے معصوم نہیں تھا؟ کیا گناہ کرسکتا تھا؟ عجب نبی ہے جو خود گناہ کرے پھر بعد میں آ کے دوسروں کو روکے کہ گناہ نہ کرو۔

میرے عزیزو! گناہ کا تصور ایک نبی کے لیے نہ نبوت سے پہلے ہوتا ہے اور نہ ہی بعد میں ہوتا ہے۔

کچھ کہتے ہیں کہ حضرتؐ اعلان نبوت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر عمل کرتے تھے۔ پھر تو نبی چالیس سال تک کسی کو امام مانتا رہا اور پھر آ کر خود نبی بنا اور رسول بنا۔ کچھ کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے تھے۔ کچھ کہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھے نہ اسماعیل علیہ السلام کے بلکہ پیدا ہوتے ہی انہیں نبوت کا درجہ مل گیا تھا۔ الہام ہوتا تھا انہوں نے خود عمل کرنا تھا کسی کو بتلانا نہیں تھا۔

یاد رکھو! نبی نبی ہے خواہ وہ ماں کی گود ہی میں کیوں نہ ہو اور میں یہاں تک کہوں گا کہ وہ بطن مادر میں بھی نبی ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے۔

چالیس سال کے بعد اب حکم ہوا ہے کہ اے نبی! تم ان احکام کو پہنچاؤ۔ رسول

بنتے ہیں بعثت رسالت کی ڈیوٹی اب آئی ہے۔ نبوت پہلے رسالت بعد میں۔ (صلواۃ)

اور امام کون ہوتا ہے؟ امام وہ ہوتا ہے کہ جس پر وحی نہیں ہوتی نہ خواب میں نہ بیداری میں' نہ وہ وحی کے فرشتے کو دیکھتا ہے۔ اس پر الہام ہوتا ہے' وحی نہیں ہوتی۔

وحی اور الہام میں کیا فرق ہے؟ ایک آدمی اس کی ایک ڈیوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ہیں حضرت جبرئیلؑ کو جو فرشتہ ہے۔ جو اس کے ذریعے کسی تک جائے۔ وہ وحی ہوتی ہے اور جس تک یہ نہ جائے اللہ تعالی ڈائریکٹ یا کسی اور ذریعہ سے اُس کے ذہن میں مطلب ڈالے وہ الہام ہے۔ الہام تو آپ پر بھی ہوجاتا ہے۔ بیٹھے ہوتے ہیں۔ مثلاً کمرۂ امتحان میں ہیں کوئی پرچہ حل کر رہے ہیں۔ کوئی ایسا دقیق سوال ہے جس کا حل ذہن میں نہیں ہے۔ یکدم ایک روشنی پڑتی ہے نقطہ واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی کسی مشکل مسئلہ کا کوئی حل نکل آتا ہے۔ دفعتاً کسی مطلب کا واضح ہوجانا یہ معنی ہوتے ہیں الہام کے۔

امام پر الہام ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی آئے' کوئی مسئلہ ہے اور وہ نہ جانتا ہو کوئی پوچھ لے تو فوراً اللہ الہام کر دیتا ہے۔ امام کو زندگی میں یہ موقع نہیں ملتا کہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ بلکہ کائنات دیکھتی ہے کہ منبر پر بیٹھا ہوا تاسف کر رہا ہے کہ مجھ سے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔ سلونی سلونی کا یہی مطلب ہے۔ (نعرۂ حیدری)

امامؑ یہ کہے کہ مجھے نہیں آتا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ میں امامؑ اس کو کہہ رہا ہوں جو نبی کا جانشین ہے۔ لوگوں کے بتائے ہوئے امام نہیں۔ لفظ امام کے معنی میں نے کل عرض کئے تھے۔ لغوی معنی رہبر کے ہیں۔ اور اسے اللہ مقرر کرتا ہے اور نبی اعلان کر دیتا ہے۔ نبی امام بنا نہیں سکتا۔ اور جو از خود امام بن بیٹھتے ہی وہ کہتے ہوئے

نظر آتے ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو چکا ہوتا۔

بزرگوارو! اگر آپ کو سمجھ آ گئی کہ اللہ کا ایک وظیفہ یہ بھی ہے۔ جب ہمیں پیدا کیا ہے اپنے لئے تو ہمیں بتلائے کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟ اگر وہ نہ بتلائے تو پھر جنت اور دوزخ کا تصور غلط۔ اطاعت اور نافرمانی کا تصور غلط۔ اطاعت اور عدم اطاعت کا تصور ہی غلط ہے۔ قانون ہی نہ ہو تو پھر کیسے کہیں گے کہ یہ موافق قانون ہے یا مخالف قانون ہے۔ پھر اللہ کا وظیفہ ہوگا کہ وہ ہمیں قانون دے۔ اور یہ بھی وظیفہ ہوگا کہ ایسے کے ہاتھ سے دے کہ جیسے وہ خود محتاج نہیں ہے ایسے وہ بھی محتاج نہ ہو۔ اگر اس سے کوئی مانگے تو پہنچائے نہ مانگے تو پہنچائے۔ ایسے کو دے کہ دنیا اعتماد کر سکے کہ ہاں یہ اس قابل ہے کہ اس سے قانون لیا جائے۔ اور پھر جس کو دیتا ہے تو ساتھ دلیل بھی دے دے کہ ایسے سے لو۔ یہ شاید میں کل عرض کروں گا۔ میں آج یہی بتلاتا ہوں۔ کہ ایسے کو قانون دے کہ جس پر اسے اعتماد ہو اور جو اپنی زندگی میں معصوم ہو۔

معصوم کے معنی ہی یہ ہیں کہ جتنا لے اتنا آگے دے دے۔ اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرے۔ معصومؑ پہنچاتے ہیں۔ جتنا ہے اتنا پہنچائے۔ اور اگر خود خدا قانون نہ دے اور ہمیں پہنچانے والا بھی نہ دے اور قیامت کے روز کہے جاؤ سب کو جہنم بھیجتا۔ خدا نعوذ باللہ عادل نہیں ہوسکتا کہ آپ نے بتلایا ہی نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے۔ اور پھر کس کے ذریعے سے بتلایا تھا۔ ہر آدمی نبوت کا دعویٰ کر لے ہم اس کے پیچھے لگ جائیں گے؟ اگر کسی نے بلا دلیل ہی بننا ہے تو پھر دنیا ہر ایک کے ذہن میں جیسے تھوڑا سا تصور اسلام میں کسی نے دیا کہ نبوت کی جگہ پر ہر آدمی تو آ سکتا ہے۔

آج دیکھئے چودہ سو سال میں اسلام کے مسلک پر آنے والوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہے، حتیٰ کہ عورتیں بھی خواہش رکھتی ہیں کہ ہم بھی خلیفہ بن جائیں۔ آج سارے ممالک اسلامی میں مرض ہی ایسا ہے۔ روٹی نہیں ملتی ہے ان کو۔ یہ روٹی

کے لیے آتے ہیں۔ آ کے حکومتوں پر قبضہ کرتے ہیں۔ صرف یہی نا جناب! میرے ایک بھائی نے کہا تھا شوریٰ۔ شوریٰ سے آپ زیادہ سے زیادہ وہ قوانین بناسکتے ہیں جو جسموں پر حکومت کریں۔ اس سے آگے آپ نہیں جاسکتے۔ آپ ان قوانین کو نہیں بتلا سکتے جو پاکیزگی روح کے لیے قائم ہیں۔ میں اس سے مفصل تو بحث نہیں کرسکتا نا۔ شوریٰ سے آپ اتنے قانون بنائیں گے جس منطق میں شوریٰ بیٹھی ہے۔ جس پارٹی کی اکثریت ہے وہی اپنے مفاد کے لیے قانون بنائے گی۔ تمام کے لیے قانون نہیں بنائے گی۔ چونکہ کل جس عوام سے ووٹ لینے ہیں اسی کو کچھ دینا ہے۔ ایک پارٹی ہے اس نے کہا سارے بنک گورنمنٹ کے' سارے کارخانے گورنمنٹ کے' ساری زمینیں گورنمنٹ کی۔ دوسری آتی ہے جی واپس کرو۔ یہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اس پارٹی میں نہیں تھے۔ یہ اپنی پارٹی کے مفاد کو دیکھتے ہیں پبلک کے مفاد کو نہیں دیکھتے۔ (صلواۃ)

قانون وہ بنائے جس کا اپنا مفاد ہی نہ ہو۔ اللہ کا کوئی مفاد نہیں۔ ہم نماز پڑھیں نہ پڑھیں۔ ہم ربا کھائیں نہ کھائیں۔ اللہ مستغنی ہے وہ ہمیں قانون دے۔ سیاہ کے لیے بھی وہی ہوگا' سفید کے لیے بھی وہی ہوگا' غریب کے لیے بھی وہی ہوگا امیر کے لیے بھی وہی ہوگا۔ امیر کی' یا کسی بڑے کی کار چوری ہوجائے چور فوراً پکڑا جائے گا۔ غریب کی ہوجائے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے۔ وہاں سارے برابر ہوں گے۔ قانون کے یہی معنی ہیں نا کہ اس کا اطلاق مخالفین پر بھی ایسے ہی ہو اور حامیوں پر بھی ایسے ہی ہو۔ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہماری مملکت میں زرعی اصلاحات ہوئیں۔ میں نے کسی زمیندار کو بھوکے نہیں دیکھا۔ ویسا ہی ہے جیسے پہلے تھا۔ زمین پہلے ایک کے نام پر تھی اب دس کے نام پر ہوگئی۔

قانون وہ دے جو مستغنی ہے محتاج نہیں ہے۔ اور اس کے نزدیک ساری

پبلک ایک جیسی ہو، پھر قانون دے تو پورے عالم کے لیے۔ چونکہ پورے عالم میں انسان بستے ہیں پاکستان یا ایران یا عراق میں ہی نہیں بستے۔ یہاں کی شوریٰ یہاں کے لیے قانون بنائے گی یہ دوسرے ملک پر نہیں لاگو ہوسکتا۔ دوسرے لوگ بنائیں گے یہاں پر نہیں لاگو ہوسکتا۔ وہ قانون جو پورے عالم کے لیے ہو، سوائے ذات الٰہی کے کوئی نہیں دے سکتا۔ اور جو قانون لائے اس میں عصمت ہو۔ عصمت کے معنی یہی ہیں کہ نہ اِدھر نہ اُدھر۔ اسے اتنا اعتماد ہو قانون پر کہ میرے قبلہ! وزارت تو ایک طرف اس کے ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیں دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور اسے کہیں کہ اس قانون سے ہٹ جاؤ۔ وہ قانون سے نہ ہٹے۔ ان سب کو ٹھوکر مار کے رکھ دے۔ زہراؑ کے لیے بھی وہی قانون اور دوسری بچیوں کے لئے بھی وہی قانون کہ اگر معاذ اللہ تو بھی چوری میں گرفتار ہو تو تیرے بھی ہاتھ کٹیں گے۔

یہی ہے پیغمبرؐ علیہ السلام کی سیرت۔ ابوسفیان معمولی آدمی نہیں تھا، بعد میں مسلمانوں کا بڑا لیڈر بن گیا دنیاوی لحاظ سے۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب آپ کے بھتیجے نے حد کردی ہے۔ پہلے پہلے تو ہمیں آہستہ آہستہ کہتا تھا۔ لیکن اب تو ہمارے بتوں کو بھی برا کہتا ہے۔ اور ہمارے بڑوں کو بھی۔ اسے کہیں کہ اس تحریک سے جو کام شروع کر رکھا ہے وہ کس لیے ہے؟ مال چاہتا ہے تو میں اسے مال اکٹھا کر دیتا ہوں۔ اگر حکومت چاہتا ہے تو ہم اسے اپنا حاکم مان لیتے ہیں اور اگر چاہے تو عرب کی بہترین عورت اس کے لیے مہیا کر دیتے ہیں۔ اسے کہو یہ کام چھوڑ دے اور یہ چیزیں لے لے۔

جناب ابوطالب علیہ السلام اور ابوسفیان کے ساتھ جناب رسولؐ خدا بھی بیٹھے ہیں۔ جناب ابوطالب علیہ السلام اشارہ کرتے ہیں پیغمبرؐ خدا کی طرف کہ ان کو جواب دو۔ آنحضرتؐ نے وہاں فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج رکھ دو اور

دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دو اور کہو کہ اس موقف سے ہٹ جاؤ تو بھی میں قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ پھر اپنے چچا کو کہتے ہیں کہ چچا اگر آپ بھی گھبرا گئے ہیں اور مجھے چھوڑ جائیں گے تو تب بھی میں نہیں ہٹوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک میں ابوطالبؑ کا بڑا ہاتھ تھا۔

کسی ایسے کے ہاتھ میں قانون دو۔ روز ترمیموں والا قانون' قانون اسلام نہیں ہوسکتا۔ ۱۹۵۶ء کا آئین گیا' اگر وہ اسلامی تھا تو پھر ہم سارے بعد میں غیر مسلم ہوگئے نا۔ پھر آ گیا فلانا قانون وہ بھی گیا۔ پھر ۱۹۷۳ء کا آ گیا۔ جی منسوخ نہیں ہے۔ ہمارے یہاں پنجابی سرائیکی میں ایک مثال ہے۔ کسی کو دیکھا کہ مرا ہوا تھا۔ کہنے لگے مویا نہیں جی اکڑیا۔ (نعرۂ حیدری)

جی وہی مرا ہوا ہے۔ جی ہم نے اسے منسوخ نہیں کیا یہ معطل ہے۔ پتہ نہیں جبرئیل علیہ السلام کے پاس پڑا ہوا ہے۔ کس کے پاس ہے۔ جس قانون میں بندوں کو کھیلنے کا موقع مل جائے وہ اسلامی قانون نہیں ہوسکتا۔ خواہ ایران میں ہو یا دنیا میں جہاں بھی ہو۔ قانون وہ ہے جو قیامت تک رہے۔ قانون وہ ہے جس میں بندہ ترمیم نہ کر سکے۔

یہاں ہم نے دیکھا پہلے چالیس ہزار کا حساب دو' پھر اسی ہزار کا حساب دو' بعد میں کہا: رہنے دو کوئی ضرورت نہیں۔

صبح کو ایک قانون، ظہر کو ایک قانون، شام کو ایک قانون۔ کم از کم اتنا کہہ دو تو ہم راضی ہیں کہ میرا بتایا ہوا ہے۔ اس پر اسلام کی ٹوپی نہ پہناؤ۔ ہم اسلام نہیں ماننے والے۔ ہمیں کیا ہے تم چلاؤ کئی حکومتیں گزر گئی ہیں۔ یہاں انگریز سو سال حکومت نہیں کر گیا؟ ہم نے کہا تھا' کسی نے کہا تھا' اسلامی نہیں ہے۔ یہ تمہارا قانون ہے۔ ابھی تک یہی چل رہا ہے۔ اور اگر انصاف کے مواقع آتے ہیں تو ہم بزرگوں

سے کہتے ہیں کہ بابا! یہاں لڑائی نہ کرو، جھگڑا نہ کرو۔ دو مربعے ہیں، ایک شیعوں کا ہے ایک سنیوں کا ہے۔ ہاں دو ہوں گے۔ کہیں گے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ دو مربعوں کے دو مالک ہو جائیں؟ کیسے ہوسکتا ہے اس ملک میں دو قانون ہوں؟ فقہ حنفی بھی ہو، فقہ جعفری بھی ہو؟ چھ سال تک تو آسمان بھی نہیں گرا، زلزلے بھی نہیں آئے۔ اس ملک میں تین قانون چل رہے ہیں۔ (صلواۃ)

میرے قبلہ! قانون وہ ہے جو اللہ دے اور اللہ اسے دے کہ جو اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ کرسکے۔ یہ وہ قانون ہے جو اللہ نے دیا ہے۔ اُسے کہتے ہیں قرآن۔ وہ کیا ہے؟ کتاب اللہ۔ اور ایک اس کتاب کو سمجھنے کے لیے اپنی طرف سے آدمی دے جو کتاب اللہ کو سمجھ کر ہمیں بتلا دے۔ چونکہ کتاب اللہ کو سمجھنا جو پوری کائنات کے لیے ایک نصاب ہے اور قانون ہے قیامت تک کے لیے۔ اتنا آسان نہیں ہے۔

میرے بھائیو! اگر یہاں میں مثالیں دوں گا تو شاید تلفظ بھی غلط ہو۔ ریاضی کی کتاب اگر ایف اے میں پڑھائی جاتی ہے یا بی اے میں پڑھائی جاتی ہے تو اس کے سمجھانے کے لیے کون سا پروفیسر لیتے ہو؟ مڈل والا یا ہر وہ آدمی لے لیتے ہو جو ان کی ریاضی سمجھ سکے۔ نہیں کہتے ہو، فزکس کا ماہر مثلاً بیالوجی کا ماہر۔ اگر کوئی بی ایس سی یا ایم ایس سی میں ہے تو اس کو پڑھانے کے لیے اُس سے اوپر کی ڈگری ہوگی۔ اور اس نے پڑھانے کی کوئی ٹریننگ بھی لی ہوئی ہوگی۔ پھر اسے حق پہنچتا ہے آ کے پڑھائے۔

عجب ہے! کہ ریاضی کے لیے بھی تمہیں ایک معیار رکھنا پڑتا ہے کہ کس معیار کا آدمی آ کے اسے پڑھائے اور قرآن کے لیے کوئی معیار نہیں ہے کہ کون اس کی تفسیر بتلائے؟ کوئی معیار تو بتلاؤ؟ میں نے کل مثالیں دی ہیں۔ کہ میں خود مولوی

فاضل نہیں ہوں۔ یہاں جو سند ہے میرے پاس نہیں ہے۔ میں اگر تکبر نہ کروں تو سینکڑوں یہاں میرے شاگرد ہوں گے جنہوں نے مولوی فاضل کرلیا ہے اور ان کے پاس حکومت کی جاری کردہ سند ہے۔ آج نکلے کوئی پوسٹ کہ مڈل میں یا ہائی سکول میں اور شرط ہو کہ ہم نے مولوی فاضل لینا ہے۔ میں بھی جاؤں' میرا خیال ہے مجھے کہیں گے نہیں رکھتے۔ چونکہ میرے پاس سند نہیں ہے۔ لیکن میرا شاگرد جس کے پاس سند ہے اسے کہیں گے ہم تمہیں ملازمت دیتے ہیں۔

عجیب یہ ہے کہ آج کا کوئی حاکم یا پروفیسر مجھے رد کر رہا ہے۔ مجھے نہیں مانتا۔ مجھے کہتا ہے میں تجھے نہیں مانتا۔ میں کہتا ہوں میں عربی جانتا ہوں۔ کہتے ہیں جا ہم نہیں مانتے۔ کیوں نہیں مانتے؟ یہی کہ سند نہیں ہے۔ بے سند کو اگر تم نہ مانو تو مسلمان اور اگر ہم نہ مانیں تو کافر ہو جاتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اگر تم نے پروفیسر رکھنا ہے تو اس کی تعلیم دیکھتے ہو' سند دیکھتے ہو' تو کیا اسلام کے قانون کی تصدیق کے لیے کوئی معیار نہیں ہے؟ کون ہے جو قرآن کی تفسیر کرے گا؟ قرآن کئی وقت میں نازل ہوا۔ رات کو بھی، دن کو بھی، دوپہر کو بھی، شام کو بھی، گھر میں بھی' جنگ میں بھی' تو ایسا تو لاؤ جو پیغمبرؐ کے ساتھ ہر وقت رہا ہو۔ ہم قرآن کے ماننے میں تو کہیں گے وہ پیغمبرؐ کے فوت ہونے سے دو سال پہلے آیا تھا۔ مسلمان ہوا یہ میں نے خود پڑھا ہے اس واسطے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

''اگر مجھے تخت (مسندِ قضاوت) پر بٹھا دو اور مجھے قضاوت دے دو' تو توریت والوں سے میں تورات سے قضاوت کروں گا' انجیل والوں سے انجیل سے' اور قرآن والوں سے قرآن سے' اور خود کتابوں کو بلواؤں گا' پبلک سے نہیں بلکہ توریت سے کہلواؤں گا کہ علیؑ سچ کہہ رہا ہے؟ میں قرآن سے کہلواؤں گا کہ علیؑ سچ کہہ رہا ہے' جو

کاغذ سے بات کرا سکے وہ ہی محافظ قانون ہوسکتا ہے۔ (نعرہ حیدری)

میرے قبلہ! ہم نے عمل کرنا ہے۔ میرا مسلمان بھائی! ہم نے عبادت کرنی ہے۔ یہ کورس لے لو۔ اسلام ایک کورس لایا ہے۔ ایک نصاب لایا ہے۔ اس نصاب کو کس سے لو؟ قرآن سے لو۔ اور جو کچھ لینا ہے پیغمبرؐ سے لو۔ اس نصاب کو نصاب کے ماہر سے لے لو۔ ہر آدمی سے نصاب نہ لو۔ میں ڈاکٹر کے پاس گیا کہ میں نے آنکھ کا آپریشن کروانا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ قبلہ! آپ ایم بی بی ایس ہیں، کچھ پڑھے ہوئے ہیں، آپریشن کے آپ اسپیشلسٹ ہیں، ماہر ہیں۔ بولا، ماہر تو نہیں ہوں، کام کرسکتا ہوں۔ آنکھ کا آپریشن کرسکتا ہوں۔ ہے کوئی سمجھ دار آدمی جو اس سے آنکھ کا آپریشن کرائے؟ میں بھاگوں وہ مجھ پر فتویٰ دے کہ اچھا مجھے ڈاکٹر نہیں مانتے؟ میں کہوں گا قبلہ! میرا کیا قصور ہے۔ دیکھیں نا الزام تو ہمیں لگانا چاہیے تھا۔ کہنا تو ہمیں چاہیے تھا کہ تم اُسے مانتے ہو جس کے پاس سند نہیں ہے۔ کہتے وہ ہیں کہ اسے مانتے ہو جس کے پاس سند ہے۔ الٹی گنگا بہاتے ہیں نا۔ یہ بھی کوئی اعتراض کی چیز ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں جس کے متعلق پیغمبرؐ نے اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کی سنہری سند لکھ کر دی ہے۔ (نعرہ حیدری)

ہم اسے مانتے ہیں۔ ہم بے سند کو نہیں مانتے۔ کافر کہو تب نہیں مانیں گے، مسلمان کہو تب نہیں مانیں گے۔ انشاء اللہ ایک دن آئے گا۔ جب آپ کی تعلیم مکمل ہوجائے گی تو آپ بھی نہیں مانیں گے جب آپ کا علم بلند ہوجائے گا۔ بھائی پوچھو، ان سے کیا قصور ہے ان کا؟ کہتے ہیں جی علیؑ کو مانتے ہیں۔

علیؑ بے سند ہے؟ سند تو اس کے پاس سب سے بڑی ہے۔

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی اَھلَبَیتِی

ان کے پاس سند ہے۔ اچھا تم جو کہتے ہو کہ فلاں فلاں کو نہیں مانتے۔ ان

کے پاس کوئی سند ہے؟ جواب آئے گا علمی سند تو نہیں ہے کچھ اور ہے۔ ہمیں علم کی سند چاہیے، ہم نے علم لینا ہے۔ ہم نے قرآن پڑھنا ہے، ہم نے فقہ لینی ہے۔ فقہ کی سند ہے؟ جواب ملے گا نہیں ہے۔ اگر ایسوں کو نہ ماننا جرم ہے تو یہ جرم ہم کرتے رہے ہیں، کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی جرم نہیں ہے۔ (نعرۂ حیدری)

میرے قبلہ! یہ عاشورہ کا سارا قصہ (المیہ) اسی سبب سے ہے۔ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یزید بے سند اور حسینؑ سند والا۔ آپ کو علم ہے حسینؑ کون ہے؟ جس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا:

حُسَینُ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الحُسَینِ

اَلحَسَنُ وَالحُسَینَ سَیِّدَ اشَبَابِ اَهلِ الجَنَّةِ

فَقُل تَعَالَوا ندعُ اَبنَاءَ نَا وَاَبنَاءَ کُم (سورہ آل عمران)

پانچ سال میں ڈگری۔ اتنا قابل طالب علم۔ پیغمبرؐ اسلام سند دے رہے ہیں کہ یہ ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔ آج کی تو سند ہو سکتی ہے، آئندہ زندگی کی کوئی نہیں دیتا۔ ۹ ہجری میں مباہلے کا حکم آتا ہے۔ اس وقت امام حسنؑ کی عمر ۶ سال پوری نہیں تھی اور امام حسینؑ کی پانچ سال پوری نہیں تھی۔ پانچ سال کی عمر میں سچائی کی سند پیغمبرؐ دے کر جا رہے ہیں۔ نصاریٰ نجران کے مقابلے میں کہ یہی میری نبوت کی گواہی دے سکتا ہے۔ معمولی بات نہیں ہے۔ حسنینؑ شریفین کو دیکھتے ہیں تو نصاریٰ کا پلان ناکام ہو جاتا ہے۔ کربلا میں تو اب حسینؑ بوڑھا ہے۔ اس کی پوری زندگی مسلمانوں کے سامنے ہے۔ عیسائیوں نے تو اس کی صداقت پر یقین کیا لیکن مسلمانوں نے کیا کیا؟

تعجب ہے تیرے ذہن پر۔ یزید کا کوئی تعلق نہیں رسولؐ سے، تو اس وقت بھی

اس کی حمایت کرتا ہے' حسینؑ کی نہیں کرتا۔ صرف حکومت ہے' اس وجہ سے۔ میں نے کہا اس کے پاس حکومت بھی نہیں ہے۔ اس کے پاس تو انسانیت بھی نہیں ہے۔ کیا آج اس کے پاس حکومت ہے جو خوف زدہ ہوکر اپنی آخرت خراب کر رہا ہے؟

روایات مل جاتی ہیں اگر تاریخ کو دیکھا جائے۔ اس نے بات کرنا چاہی۔ جناب زینبؑ خاتون نے تاریخی جملہ کہا جس سے لوٹ پوٹ ہوگیا تھا۔ یاد ہے آپ کو؟ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہے؟ جب پیغمبرؐ مکہ میں گئے' مسجد الحرام میں گئے۔ تو سارے قریش مکہ متحیر تھے کہ اب ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ آٹھ ہجری کا واقعہ ہے فتح مکہ کا۔ سب کا خیال تھا کہ اب ہمیں قتل کر دیں گے۔ پیغمبرؐ نے ان سے پوچھا کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ انہوں نے کہا جو آپ چاہیں۔ تو آنحضرتؐ نے اس وقت فرمایا تھا: میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ عربی میں کہتے ہیں طلقا۔ جس طرح ہم عورت کو چھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں میں نے تمہیں طلاق دی یہ اسی سے ہے۔ سیدہ زینبؑ کو وہ وقت یاد تھا تو آپ نے فرمایا! یـا ابـنَ طلقا اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے ذلیل بچے۔ تیری یہ جرأت۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ سترہ بچے تھے' میری پھوپھیاں بھی میرے ساتھ' سب کی گردنیں ایک رسی میں بندھی ہوئی تھیں۔ وہاں پر بی بی پاک علیحدہ بیٹھ جاتی ہیں۔ کچھ لونڈیاں آپ کے گرد بیٹھ کر آپ کو چھپالیتی ہیں۔ تو یہ کہتا ہے مَـن هـٰـذهِ۔ ''یہ کون ہے'' جو علیحدہ بیٹھی ہے؟ اس وقت بی بی نے کہا: یـا ابـن الطلقا۔ طلقا کے بیٹے میرے نانا نے تجھے آزاد کیا تھا۔ تیرے باپ کو آزاد کیا تھا اور تیرے دادا کو آزاد کیا تھا۔

عجب ہے ادھر حسینؑ ہے ادھر یزید ہے۔ حسینؑ کے ماننے والوں پر اعتراض۔ یزید کے ماننے والوں کو کوئی روکنے والا نہیں۔ الحمدللہ اس ملک میں اسے

ماننے والے بہت تھوڑے خارجی لوگ ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے اس ملک میں حسینؑ کے ماننے والے کافی ہیں۔

کربلا کے میدان میں آپ کو سب سے بہترین جو وسیلہ نظر آئے گا وہ ہے چھ ماہ کا بچہ۔ دسویں کی رات جناب قاسم علیہ السلام اپنے چچا سے پوچھتے ہیں کیا میرا نام بھی شہیدوں میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کہ جب کل دن ہوگا تو سارے مارے جائیں گے۔ پھر شہزادہ پوچھتا ہے کیا میں بھی مارا جاؤں گا؟ تو آپ پوچھتے ہیں: تم موت کو کیا سمجھتے ہو؟ کَیفَ الْمَوتُ عِندَک ۔ ایسا جواب دیا کہ آج تک کسی حکیم نے نہیں دیا۔ نہ ارسطو دے سکا نہ افلاطون موت کا اعلیٰ مزا بتا سکا اور بتاتا بھی ہے تو تلخ بتاتا ہے۔

شہزادہ کہتا ہے چچا! آپ کیا پوچھ رہے ہیں؟ اَلْمَوتُ اَحلٰی مِنَ الْعَسَلِ شہد سے بھی زیادہ میٹھی۔ حضرتؑ نے فرمایا: ایک جملہ ہے۔ وہ جملہ اس مناسبت سے عرض کرر ہا ہوں۔ جناب قاسمؑ کو امامؑ فرماتے ہیں بیٹا تو بھی مارا جائے گا اور میرا چھ ماہ کا اصغرؑ بھی مارا جائے گا۔ قاسمؑ سر پیٹ لیتا ہے۔ کیونکہ جانتا تھا قاسمؑ کہ یہ چھ مہینے کا بچہ تو خیمے کے اندر ہوگا۔ اس کی غیرت برداشت نہ کرسکی۔ کہنے لگا چچا کیا دشمن خیمے کے اندر آجائیں گے۔ امامؑ نے فرمایا بیٹا نہیں۔

میں نے یہ جملہ کئی دفعہ کہا ہے اور آج بھی کہتا ہوں۔ سقراط سے پوچھا گیا کہ سب سے تلخ چیز کون سی ہے؟ سقراط بڑا فیلسوف گذرا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''سب سے کڑوی چیز کسی شریف آدمی کا کمینے سے سوال کرنا ہے۔ آخر حسینؑ کو کمینے سے سوال کرنا پڑا اور وہ بھی پانی کا۔

جس وقت سب شہید ہو جاتے ہیں تو امام تنہا رہ جاتے ہیں اس وقت آپ استغاثہ بلند کرتے ہیں:

هَل مِن نَّاصِرٍ یَنصُرُنَا ۔ دیکھتے ہیں کہ خیمے سے آواز آتی ہے اور امام واپس آتے ہیں۔

صاحب کشفُ الاسرار نے لکھا ہے کہ میں نے مکاشفے کے ذریعے سے یہ روایت نقل کی ہے: جناب اندر آتے ہیں۔ تو پوچھتے ہیں کہ بہن زینبؑ اندر سے رونے کی آواز کیوں آ رہی ہے؟

جناب زینبؑ خاتون عرض کرتی ہیں کہ بھائی جب سے آپ نے کہا ہے هَل مِن نَّاصِرٍ یَنصُرُنَا ۔ یہ گہوارہ ہلتا ہے اور ہلتے ہوئے اصغرؑ کہتا ہے بابا میں حاضر ہوں۔ اگر جناب عیسیٰ گہوارے میں کلام کر سکتے ہیں تو یہ فخر عیسیٰؑ کا بیٹا ہے۔

آخر جناب فرماتے ہیں کہ مجھے دو۔ بچے کو لے جاتے ہیں میدان میں۔ فرماتے ہیں کہ اے قوم اگر تمہارے نزدیک گنہگار ہوں تو میں' اس بچے کا تو کسی مذہب وملت میں جرم نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ایک ایسا جملہ کہا ہے کہ شریف آدمی بہت گھٹ کے یہ جملہ کہتا ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں: ایک گھونٹ پانی کا دے دو۔

''اگر تمہیں یقین نہ آئے تو اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا ہے''۔

اس کی ماں کا دودھ نہیں رہا ہے۔ لشکر میں اضطراب ہو جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ دے دو' کوئی کہتا ہے نہ دو۔

میں پوچھتا ہوں: عزادارو! میری ماؤں بہنو! بچوں والو! چھ مہینے کا بچہ کتنا دودھ پیتا ہے؟ کتنا پانی پیتا ہے۔ ایک چمچہ یا آدھ چمچہ۔

اس سے سمجھ لو کہ یہ انسان نہیں حیوان تھے بلکہ درندے تھے کہ ایک چمچ پانی کا فرزند رسول کو دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

عمر سعد کہتا ہے: حرملہ' جواب دو۔ حرملہ کہتا ہے: باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو؟

روایت میں یہی ہے۔ تو بچے رکھتے ہیں انہیں پتہ ہے۔ تین دن کا بچہ پیاسا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ننھے اصغرؑ کی آنکھیں پیاس کی وجہ سے بند تھیں۔ ایک دفعہ جب تیر کی گرمی محسوس کرتا ہے تو آنکھیں کھولتا ہے۔ اور ایسے تڑپتا ہے جیسے ذبح کرنے کے وقت پرندہ پر مارتا ہے۔ گردن ڈھلک جاتی ہے۔ مظلوم امامؑ خون کو چلو میں لیتے ہیں ارادہ کرتے ہیں کہ اسے آسمان کی طرف پھینکوں لیکن آسمان استغاثہ کرتا ہے کہ اگر یہ خون میری طرف پھینکا گیا تو قیامت تک پانی کی ایک بوند زمین پر نہ گرے گی۔ پھر زمین کی طرف پھینکنا چاہتے ہیں زمین فریاد کرتی ہے کہ یا مولاؑ اگر یہ خون مجھ پر گرا تو قیامت تک مجھ سے سبزہ نہ اُگے گا۔ بالآخر مجبور ہو کر معصومؑ اپنے چہرے پر مل لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسی طرح جاؤں گا اپنے جد کے پاس!

امامؑ مظلوم خیمے میں بچے کو نہیں لے جاتے کہ دیکھ کر ماں کی کیا کیفیت ہوگی۔

جناب مختارؒ نے جب انقلاب بپا کیا ہے تو اشقیاء کو گرفتار کر کر کے واصل جہنم کر رہے تھے۔ مومنین کربلا کے زیادہ تر حالات اسی مختار کی وجہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ ایک شخص جاتا ہے مدینہ میں بیمار کربلاؑ کی زیارت کے لیے اور مختار کے حالات بتاتا ہے۔ تو معصومؑ ایک ہی سوال کرتے ہیں۔ حرملہ ابھی تک زندہ ہے؟ یہ شخص واپس آ کر مختار کو بتاتا ہے کہ تیرے اور میرا امامؑ حرملہ کے متعلق پوچھتے ہیں۔ حرملہ ابھی تک زندہ ہے؟ دیکھتے ہیں کہ اتنی دیر میں سپاہی اس لعین کو گرفتار کر کے لا رہے ہیں۔ مختار اسے دیکھ کر دیر تک سر پکڑ کے روتا رہا۔ جب گریہ تھما تو پوچھتا ہے۔ اے حرملہ تو نے اتنا ظلم کیا۔ آیا کبھی تیرا دل بھی لرزا ہے؟

کہتا ہے مختار اگر سچ مانے تو ایک دفعہ میرا دل بھی لرز گیا۔ کہتا ہے کہ جب میں نے حسینؑ کے بچے کو پانی پلا دیا۔ امامؑ چاہتے تھے کہ اسے خیمے کے اندر لے

جائیں۔ ماں کھڑی تھی دروازے پر انتظار کر رہی ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر مختار میرا دل بھی لرزا۔ لاچار خیمے کو چھوڑ کے میدان کا رخ کرتے ہیں۔ ٹیلے میں ایک چھوٹی سی مزار ڈھونڈتے ہیں اور علی اصغرؑ کو دفن کر دیتے ہیں۔ میر انیس نے کہا تھا ؎

ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

اصغر کو دفن کر چکنے کے بعد بڑی یاس کے عالم میں میرے مظلوم امام کہتے ہیں یا اللہ یا رحمٰن!

اَلا لَعنَۃُ اللہ عَلیٰ القَومِ الظَّالِمِینَ وَسَیعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا
اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر ونشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

مجلس سوئم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَم یَلِدْ ۝ وَلَم یُولَد ۝ وَلَم یَکُن لَّہٗ کُفُواً اَحَدٌ ۝ (سورہ اخلاص)

''تم کہو کہ وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا والد ہے اور نہ (وہ خود) کسی سے پیدا ہوا' اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے''۔

معزز سامعین! یہ مجالس جن صاحب کے ایصال ثواب کی ہو رہی ہیں ان کے لئے سورۂ فاتحہ۔ (صلواۃ بآواز بلند)

میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے مسلمانوں میں ایک فرقہ موجود ہے۔ یا یہ فکر موجود ہے کہ فلاں گروہ بڑا مواحد ہے۔ آج ان کی ایک خطے پر حکومت بھی موجود ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو مواحد سمجھتے ہیں۔ اور تمام عالم کے مسلمانوں کو سوائے اپنے گروہ کے مشرک سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ملا بالخصوص شیعیان محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو سب سے بڑا مشرک سمجھتے ہیں۔ (اگرچہ اب وہاں کی حکومت میں یہ جرأت تو نہیں

ہے) لیکن بہرحال وہ اس ادّعا پر آج بھی قائم ہیں۔ اگر آپ عربی زبان جانتے ہوں اور کبھی ریڈیو کھولیں تو تقریباً جہاں اردو کا بی بی سی لگتا ہے اس سے پہلے دس منٹ کا ایک دینی پروگرام آتا ہے۔ جو وہاں کے ریڈیو سے نشر ہوتا ہے۔ اور وہاں سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں تو کچھ سوالات وہ خود بنا لیتے ہیں اور کچھ مختلف لوگوں کے سوالات ہوتے ہیں۔ پھر ان کے چند ایک علماء ان کا جواب دیتے ہیں۔ میں نے یہ پروگرام کئی دفعہ سنا ہے۔ کبھی تو اس لئے کہ یہ معلوم کروں کہ ان کے فتووں میں کیا کیا فتویٰ ہے؟ اور کبھی ویسے ہی۔ تو وہ اپنے آپ کو مواحدین بلکہ رئیس المواحدین ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے گروہ کے علاوہ جیسے میں نے عرض کیا ہے۔ (یہ اسی کا ردعمل ہے کہ جو آج آپ دیکھ رہے ہیں' کانفرنسیں ہو رہی ہیں) وہ ہر آدمی کو مشرک سمجھتے ہیں۔ مثلاً کسی ضریح کو ہاتھ لگالیں' کسی جگہ کو چھو لیں۔ حتیٰ کہ خدا کو کسی امام کا واسطہ دے دیں تو شرک' شرک کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اس گروہ کا بانی محمد ابن الوہاب ایک مشہور آدمی ہے۔ اسی کے نام پر وہابی مذہب بھی مشہور ہوا۔ یہ ۱۱۱۴ھ میں نجد کے علاقہ میں غربیہ نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر مصر قاہرہ میں درس پڑھتا ہے۔ بڑی مدت تک یہ حنبلی آراء اور عقائد کو اپناتا ہے۔ اور ابن تیمیہ جو اس سے مقدم ہے اس کی آراء کو اور پھر ابن قیم جو ابن تیمیہ کا شاگرد ہے یہ اس کے عقائد کو اپناتا ہے اور اپنا مذہب حنبلی بتلاتا ہے۔ پھر یہ وطن واپس آجاتا ہے۔ بعدازاں بغداد جاتا ہے اور وہاں بھی حنابلہ علماء سے درس پڑھتا ہے اور پھر مذہبی لحاظ سے تکمیل کرنے کے بعد پھر واپس سعودی عرب آتا ہے۔ اس وقت محمدؐ ابن مسعود ایک آدمی تھا جو ریاض کے نزدیک نجد میں رہتا تھا۔

یہ وہاں کے دو قبیلوں کا سردار تھا' یہ اسے اپنے حنبلی مذہب کو اختیار کرنے کی

دعوت دیتا ہے۔ وہ اس کی دعوت کو قبول کرتا ہے اور یوں یہ اس کا روحانی رہنما بن جاتا ہے۔ اسی سردار کے پاس قبائل کے جو تھوڑے سے آدمی تھے ان سے انہوں نے مسلمانوں کے دیہاتوں پر حملے شروع کر دئے۔ اور انہیں اپنے مذہب میں لانے کے لیے ان کا قتل عام کیا۔ حتیٰ کہ ۱۱۱۶ھ میں بعض نے ۱۱۱۵ھ لکھا ہے ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۶ھ بھی لکھا ہے' اس شخص نے عراق پر حملہ کر دیا ہے۔ اور کربلا چونکہ شیعت کا مرکز تھا۔ تاریخ کی یہ چیزیں جوان طبقے کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پڑھا کریں کہ پس منظر کیا ہے۔ چنانچہ ۱۲۱۵ھ یا ۱۲۱۵ھ میں اس نے کربلا میں قتل عام کرایا۔ جب حملہ کیا گیا تو اتفاق سے وہ عیدِ غدیر کا دن تھا۔ اور آپ اگر کتابوں میں دیکھیں تو ہمارے ہاں غدیر کے دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی مخصوص زیارت ہے۔ عراق میں اس کے لیے بہت بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کربلا کے اکثر لوگ نجف اشرف گئے ہوئے تھے۔ اس وقت لوگ پیدل جایا کرتے تھے۔ کربلا اور نجف اشرف کے درمیان سیدھا راستہ اختیار کریں تو تقریباً پچاس میل کا فاصلہ ہے۔ اس نے تین چار دن تک کربلا کو محاصرہ میں رکھا اور شیعوں کا قتل عام کیا۔ اور امام حسینؑ کی ضریح اور جو کچھ خزانہ اس میں تھا لوٹ لیا گیا بلکہ ضریح کو اکھاڑا اور اسے جلا کر چائے یا قہوہ بنا کر پیا۔

یہ ہے وہابی مذہب کا بانی اور اس کی مختصر تاریخ جو میں آپ کو بتلا رہا ہوں۔ پھر اس نے مدینہ پر حملہ کیا۔ اس وقت مکہ پر اور مدینہ پر آل شریف کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ اس نے انہیں بھی تہہ تیغ کیا اور مکہ اور مدینہ پر قابض ہو گیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس مذہب کی بنیادیں استوار کرنے کے لیے جو گارا بنایا گیا اس کے لیے پانی کی بجائے بالعموم مسلمانوں اور بالخصوص شیعوں کا خون استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا ان کی موجودہ حرکتوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

ایران کا اس وقت بادشاہ فتح علی شاہ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا اور عراق

والوں نے اس سے بدلہ لینے کی درخواست کی تو انہوں نے اس کا جواب دینے کے لیے بہت بڑی تقریباً ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل فوج بنائی۔

تاریخی لحاظ سے آپ دیکھیں تو اسی وقت روس کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے فتح علی شاہ کی فوج ادھر نہیں پہنچ سکتی۔ ان کو چونکہ انگریزوں کی پشت پناہی حاصل تھی اور انہوں نے اپنی دولت سے ان کی مدد کی تھی تاکہ مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں سے تباہ کیا جا سکے۔ مسلمانوں نے اسے بُرے طریقہ سے محسوس کیا اور مسلمان علماء نے' بالخصوص علمائے دمشق اور علمائے بغداد نے ان کے خلاف کفر کے فتوے دیئے۔

آج بھی ہمارے مسلمان بھائیوں کا ایک طبقہ جو کہ احمد رضا خان بریلوی کا مقلد ہے اور اسی سبب سے بریلوی کہلاتا ہے۔ ان میں سے کئی لوگ اپنے نام کے ساتھ رضوی بھی لکھتے ہیں (جبکہ سادات عظام جو امام رضا علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں)۔ بریلوی حضرات کے اکثر علماء ان وہابیوں کو مسلمان تک بھی نہیں سمجھتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ امام کعبہ پاکستان آیا تھا تو بریلویوں نے کہا تھا کہ جس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے اسے چاہیے کہ دوبارہ نماز پڑھے۔ (صلواۃ)

بہرحال میں نے تھوڑا سا وہابی پس منظر بیان کیا ہے۔ ان کا کام ہی قتل و غارت گری تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ دوبارہ بھی کربلا پر اور عراق پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ چونکہ عراق میں شیعوں کی اکثریت تھی۔ میں پوری تاریخ نہیں پڑھنا چاہتا۔ میں اس کا اثر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ہر چیز کو شرک کہیں گے۔ حتیٰ کہ انہوں نے جنت البقیع کے تمام مزارات بھی ڈھا دیئے۔ جن میں امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقر علیہ السلام اور بقول بعض ہماری کتابوں کے جناب فاطمۃ الزہراءؑ کا روضہ

بھی شامل تھا۔

وہ لوگ جو حج پر گئے ہیں وہ دیکھ چکے ہیں کہ کتنی مخدوش حالت ہے جنت البقیع کی۔ میں تو یہ کہوں گا کہ یزید نے تو اولادِ رسولؐ کے زندوں کو قتل کروایا لیکن انہوں نے، جو قبروں میں دفن تھے انہیں بھی اذیت پہنچائی۔ قبروں تک کو اکھاڑ دیا۔ یہاں تک کہ جناب رسولؐ اقدس کا روضہ اطہر بھی ڈھانے کا پروگرام بنایا۔ لیکن اس وقت مسعود نے کہا کہ پہلے تو ہمارا مقابلہ صرف شیعوں سے تھا چونکہ یہ ان کے آئمہؑ اور معصومین علیہم السلام کے روضے ہیں اور اگر تم نے پیغمبرؐ اسلام کا روضہ ڈھایا تو تمہیں پورے عالم اسلام سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کام کی ہم میں طاقت نہیں۔ یہ اب بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کے روضہ کو نعوذ باللہ اصنام الاکبر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یعنی سب سے بڑا بت۔ نعوذ باللہ۔

بہرحال میں نے یہ مختصر تاریخ (جو تھوڑا سا وقت مل سکا) آپ کے گوش گزار کی ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

آج میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ پیغمبر علیہ السلام کے آنے سے پہلے اس عالم میں، اس دنیا میں جو نظریات موجود تھے، وہ مختلف تھے۔ ایک دفعہ میں نے یہاں توحید کے متعلق عرض کیا تھا تو مختلف نظریات بھی بتائے تھے۔ اب ان کا مختصر خلاصہ میں اس لئے بتلانا چاہتا ہوں کہ آپ کے ذہن مبارک میں وہ نتیجہ جو میں دوں گا سما سکے۔ خصوصاً پڑھے لکھے حضرات کے لیے جو میری مجلس میں موجود ہیں۔

پیغمبرؐ اسلام کے زمانے سے پہلے کچھ عرب تھے اور کچھ ایرانی تھے اور ہندوستانی تھے، اور عیسائی وغیرہ تھے۔ یوں پورے عالم کی اگر آپ مختصر سی تقسیم کریں تو اس طرح بن جاتی ہے۔ ایران میں اور دوسری جگہوں پر مختلف فرقوں اور نظریات کے لوگ مذہباً موجود تھے۔ ایک بحث مشترک تھی کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے یا

نہیں؟ اس عالم کو کسی نے پیدا کیا ہے یا نہیں؟ ایک فرقہ تو ان میں دہریہ تھے جن کے بارے میں میں نے یہاں کئی دفعہ عرض کیا ہے۔ جو کہتے ہیں عالم کو کوئی پیدا کرنے والا نہیں بلکہ یہ عالم خود بخود وجود میں آ گیا ہے۔ عالم سے میری مراد دنیا ہے۔ یہی سارا نظام جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اسے ہم نظام شمسی سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ زمین و آسمان بھی کہہ لیجئے۔ یہی دنیا یا جہاں۔ آیا اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے یا کہ نہیں ہے؟ وہ کہتے تھے کہ خود بخود یہ چیزیں بن گئی ہیں۔ یہ ان کی تطبیق تھی۔ آج یہ ہمارا جوان طبقہ تھوڑی سی حرکت یا غیر حرکت کو دیکھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ شاید لینن کا' کارل مارکس کا کوئی نیا نظریہ ہے کہ اس نے کمال کر دیا ہے۔ کیسا عظیم الشان نظریہ پیش کیا ہے؟ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہزار ہا سال پہلے پیغمبر علیہ السلام اور اسلام سے پہلے بھی یہ نظریہ موجود تھا۔ کہ اس عالم کو کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی اس کا خالق نہیں ہے۔ یہ خود بخود وجود میں آ گیا ہے۔ (صلواۃ)

ایک نظریہ یہ تھا۔ کچھ نظریئے مجوسیوں کے تھے۔ ان میں سے بھی کافی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر آپ مفصل ان چیزوں کو دیکھنا چاہیں تو مجھے یاد پڑتا ہے ایک کتاب ہے ''الملل والنحل'' اس کا اردو ترجمہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب شہرستانی کی ہے۔ جس میں مذہب اور اس کی تاریخ اور ان تمام چیزوں کا تذکرہ موجود ہے۔ عربی میں کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ ظاہراً شاید کراچی والوں نے کرایا ہے۔ میں حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال اس کی تحقیق کریں گے کہ آیا اس کا ترجمہ ہو چکا ہے یا نہیں۔ اس کو دیکھنے سے ساری چیزیں مفصل اپ کو مل جائیں گی۔ حوالہ میں نے اس واسطے دیا ہے کہ جو تحقیق کے درپے ہیں وہ جا کے دیکھ لیں۔

تو بہر حال ایک نظریہ تو یہ تھا۔ وجود کے نظریے مختلف تھے۔ ان میں بعض کا نظریہ یہ تھا کہ اس عالم کے پیدا کرنے والے دو ہیں۔ ایک نور ہے جسے وہ یزدان

سے تعبیر کرتے تھے اور ایک ظلمت جسے اہرمن سے تعبیر کرتے تھے۔ یہ مذہب ایران وغیرہ میں موجود تھا۔ وہ اب کون سا قدیم ہے یزدان یا اھرمن؟ میں اس مسئلے میں نہیں جانا چاہتا۔ بہرحال وہ دو خالق مانتے تھے۔ ایک خالق ہے اچھائیوں کا۔ یعنی جو اچھی چیزیں ہیں ان کا پیدا کرنے والا نور ہے۔ اور جو بری چیزیں ہیں' برے حیوانات جنہیں وہ برا سمجھتے تھے ان کو پیدا کرنے والی ظلمت ہے۔ نور کے مقابلہ میں تاریکی ہے جس کا نام اہرمن یا اہرما بہرحال تلفظ جو بھی ہو نام رکھا ہوا تھا انہوں نے۔ اور انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ سب کا خالق ایک ماننا درست نہیں ہے کہ کتے کو بھی وہی پیدا کرے' خنزیر کو بھی وہی پیدا کرے' گائے کو بھی وہی پیدا کرے' یہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ایسی چیزیں جو ان کی نگاہ میں بری تھیں ان کا ایک خالق بنا رکھا تھا اور جو اچھی چیزیں تھیں ان کا ایک اور خالق بنا رکھا تھا۔ وہ نور کو بھی خالق سمجھتے تھے اور ظلمت کو بھی خالق سمجھتے تھے۔ یہیں سے توجہ فرمائیے گا۔

یوں خالق نہیں ہے کہ جیسے ہم سمجھتے ہیں خالق سموات والارض۔ میں اس کی تشریح جوان طبقے کے لیے کروں گا۔ یوں سمجھئے کہ دونوں با اختیار تھے۔ دونوں مستقیم تھے۔ نہ یہ اس کے تابع تھا نہ وہ اس کے تابع تھا اور اگر دنیاوی مثال لینا چاہیں تو یوں ہوگی کہ دو ضلعوں کے دو ڈپٹی کمشنر۔ یہ مستقل اس کا عہدہ ہے۔ یہ اپنے ضلع کا ذمہ دار ہے اور وہ مستقل اس کا عہدہ ہے جو اپنے ضلع کا ذمہ دار ہے۔ وہ یوں سمجھتے تھے دو خالق یوں تھے۔ کہ یہ اپنا کام کررہا تھا۔ دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنا کام کررہا تھا اور اس کے کام میں مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ نظریہ دنیائے اسلام سے پہلے کا تھا۔ ایک دہریت کا کہ کوئی خالق نہیں۔ ایک یہ کہ دو خالق ہیں۔ (صلواۃ)

قرآن مجید میں ہے (نتیجہ بعد میں عرض کروں گا)۔ بعض یہ کہتے ہیں نا خالق

تو ہے۔ وہ حادث ہے، قدیم نہیں ہے۔ عرب ان کو قدیم مانتے تھے۔ اس قسم کے نظریات کی اگر تفصیل میں جائیں تو بہت کافی وقت لگے گا۔ یہ قبل از اسلام اس کرہ ارض پر موجود تھے۔ اس روئے زمین پر اور یہ تو تھے خالق کے وجود کے بارے میں۔ اور جو انہیں خالق مانتے تھے ان کی پرستش کے پھر مختلف نظریات تھے۔ عبادت کرنے میں ان کے مختلف نظریات تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا تو بہت بڑا بزرگ ہے۔ اس تک تو ہماری رسائی نہیں ہے۔ لہذا ہمیں کوئی نہ کوئی واسطہ اپنانا چاہیے اس تک پہنچنے کے لیے۔ اس واسطے کی ہمیں پرستش کرنی چاہیے۔ جب وہ راضی ہو جائے گا۔ تو وہ ہمارے لیے آگے خدا تک تقرب کا بھی موجب بن جائے گا۔ آگے کافی فروعات ہیں، نظریات ہیں۔ جتنے آپ کو ستارے نظر آرہے ہیں نا وہ اس زمانے میں انہیں زندہ سمجھتے تھے جیسے ہم زندہ ہیں۔ وہ زندہ سمجھتے تھے ستاروں کو اور ستاروں میں ایک روح کے قائل تھے۔ جنہیں ارواح مجردہ سے تعبیر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ارواح مجردہ چھوٹے ہیں۔ لہٰذا ہم اگر ان ستاروں کی پرستش کریں گے۔ تو جو ان میں ارواح مجردہ ہیں وہ ہمیں خدا تک لے جائیں گے۔ اور یوں یہ ذریعہ تقرب بنیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ستاروں کی سورج اور چاند کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ (صلواۃ ایک بار پڑھ لیں)

بعض نے یہ کہا کہ سورج یا چاند یا ستارے غروب ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات نظر آتے ہیں بعض اوقات نظر نہیں آتے۔ لہٰذا ہمیں کسی ایسی چیز کی پرستس کرنی چاہیے جو انہی کی طاقت کی ہو اور ہمارے سامنے ہر وقت ہو۔ تو انہوں نے نو جہات صورتیں بنا لی تھیں۔ مثلاً زحل ایک ستارہ کا نام ہے جس کو آسمان کا سپاہی کہتے ہیں۔ مریخ ایک ستارہ ہے جو جلاد فلک سے موسوم ہے اور اسے منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ان کی ایک قسم کی تصویریں بنالیں اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ لہٰذا

جب وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے تو پھر ہم خدا تک پہنچ جائیں گے۔ اس قسم کی پرستش کو پرستشِ اشخاص کہتے ہیں۔ یہ عالم تھا پورے عالم میں۔

عربوں میں۔ توجہ فرمائیے گا۔ عرب کی زمین میں بھی یہی مذہب تھا۔ دہریے بھی تھے۔ خدا کو نہیں مانتے تھے۔ دو خداؤں کے قائل بھی تھے۔ کئی خداؤں کے قائل بھی موجود تھے۔ بعض ایسے تھے جو کہتے کہ خدا ایک نہیں ہے۔ اور ایک خدا تک پہنچے کے لیے ہمیں کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں، معاد کی ضرورت نہیں۔ ہماری عقل کافی ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے۔ تقریباً یہی فلاسفہ ایران کا بھی تصور تھا۔ وہ عقل کو کافی سمجھتے تھے خدا تک رسائی کے لیے۔ کچھ لوگ ایسے تھے کہ خدا بھی مانتے تھے۔ معاد یعنی قیامت کو بھی مانتے تھے لیکن پیغمبروں کا انکار کرتے تھے کہ خدا نے ہمارے لئے کوئی پیغمبر یا رسول نہیں بھیجا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے کہ جو بت پرستی کرتے تھے۔ اور انہوں نے خدا تک پہنچنے کے لیے ان بتوں کو اپنا وسیلہ بنایا ہوا تھا۔ (صلواۃ)

ایک دفعہ میں نے یہاں ذکر بھی کیا تھا کہ سب سے پہلے عربوں میں جو بت پرستی آئی وہ عمرا بن وحی جو ایک قبیلے کا بہت بڑا سردار تھا اور مکے پر اس کا قبضہ تھا کے ذریعے آئی۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ یہ بیمار ہوا اور شام میں اپنا علاج کرانے کے لیے گیا۔ شام میں اس نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ پتھروں کے سامنے خاص نذر و نیاز کرتے ہیں، ان کے سامنے کچھ چیزیں رکھ کے۔ جانور ذبح کر کے ان کے سامنے رکھ کر خاص دعا مانگتے ہیں یا انہیں کچھ اور پیش کرتے ہیں۔ اس نے شامیوں سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں اور ہم ان کی ستائش و پرستش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اسے بڑا پسند آیا۔ یہ وہاں سے ایک بت لے آیا جس کا نام ہبل تھا۔ یہ ہبل نامی بت شام سے لا کر (مکے میں) خانہ کعبہ میں رکھ دیتا ہے۔ چونکہ یہ بہت بڑا سردار تھا۔ پھر تمام قبائل

کو بزور شمشیر کہا کہ اس کی عبادت کرو۔ پہلے ایک بت آیا' پھر کافی بت ہو گئے مثلاً لات ومنات وعزیٰ۔ یہ سارے بتوں کے نام ہیں جو مختلف قبیلوں کے تھے۔

اب آپ کے ذہن میں تھوڑی سی تمہید آ جانے کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ قرآن مجید کا سب سے زیادہ زور انہی چیزوں کی رد پر ہے جو پہلے سے موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذات احدیت نے اپنے کلام مجید میں سب سے زیادہ زور توحید پر دیا ہے۔ وہاں کے چودھری کہتے تھے:

وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوتُ وَنَحيَا وَمَا يُهلِكُنَا اِلَّا الدَّهرُ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِن عِلمٍ اِن هُم اِلَّا يَظُنُّونَ ٥

(سورۃ الجاثیہ' آیت ۲۴)

''کہ یہی زندگی ہے اور ہم اسی میں جیئیں گے اور پھر ختم ہو جائیں گے۔ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ زمانہ ہے جو ختم کر رہا ہے۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہونا''۔ یہ ان کا کہنا تھا۔

قرآن کہہ رہا ہے:

وَاِذَا تُتلٰی عَلَيهِم اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُم اِلَّا اَن قَالُوا ائتُو بِاٰبَآئِنَا اِن كُنتُم صٰدِقِينَ ٥ (سورۃ الجاثیہ' آیت ۲۵)

''اور جب ہماری کھلی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کی حجت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ''۔

اب پھر وہ واحد القہار آواز دیتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحيِيكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يَجمَعُكُم اِلٰى يَومِ القِيٰمَةِ الخ — (الجاثیہ' آیت ۲۶)

''تم یہ کہہ دو کہ اللہ ہی نے تم کو حیات دی ہے پھر وہی تم کو
موت دے گا پھر قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں یہ تم
سب کو جمع کرلے گا''۔

ان کو یہ گمان ہے کہ کچھ نہیں ہے۔ نہ کہے ایک خالق جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ قرآن میں ظاہری طور پر ان کا رد آتا ہے۔ یا وہ لوگ جو نور اور ظلمت کو دو خدا مانتے تھے' خداوند عالم ان کا رد کرتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَسـئَـل مَـن اَرسَلنَا مِن قَبلِکَ مِن رُّسُلِنَا اَجعَلنَا مِن دُونِ
الرَّحمٰنِ اٰلِهَةً یُّعبَدُونَ ٥ (سورہ الزخرف، آیت ۴۵)

''اور جو رسول ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے ان سے پوچھ لو کہ آیا
ہم نے سوائے (خدائے) رحمٰن کے کچھ اور خدا مقرر کردیئے
تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی''۔

لفظی ترجمہ میں نے عرض کردیا ہے۔ کہ اگر اس روئے زمین کے دو خدا ہوں تو پھر ایک فاسد ہو جائے گا اور یہ عالم کبھی باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ اور اب یہ خداؤں کے قائل۔ میں ابھی آپ کو ایک چیز بتاؤں گا تو آپ تعجب کریں گے کہ عبادت کے جتنے طریقے مشرکین نے اختیار کرر کھے ہیں ان کی تردید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے جو قرآن کریم کی تفسیر میں موجود ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ستارے خدا ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے انہیں منوانے کے لیے کہہ دیا ستارا خدا ہے؟۔ وہی گفتگو خداوند کریم نے قرآن میں نقل کی ہے۔

فَلَـمَّا جَنَّ عَلَیهِ الَّیلُ رَاٰ کَوکَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّی فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ
لَا اُحِبُّ الاٰفِلِینَ ٥ (سورہ الانعام، آیت ۷۶)

''پھر جب رات ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا(

تو اپنی قوم سے) پوچھا کیا میرا پروردگار یہی ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

پھر جب چاند نکلا تو کہا کہ یہی خدا ہے؟ اور جب چاند بھی غروب ہو گیا۔ تو پھر کہا کہ یہ غروب کرنے والا اور مر جانے والا ہے۔ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جانے والا جسم ہے۔ اور جسم خدا نہیں ہو سکتا۔ اور جب سورج نکلا تو پھر کہا کہ یہ بہت بڑا ہے۔ خدا ہی ہو گا؟ کہ جس کو تم کہتے ہو خدا ہے۔ جب وہ بھی چلا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دلیلوں سے سورج پرستوں کا' چاند پرستوں کا' ستارہ پرستوں کا' رد کیا جیسا کہ قرآن نے اسے نقل کیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ اس چیز پر زیادہ زور دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ جو ایسا مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ دوسرا قرآن اس پر زور دیتا ہے کہ جو اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ عبادت صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی ہے اور کسی کی نہیں ہے۔ (صلواۃ)

عبادت صرف اللہ کی اور یہ جو بت ہیں لات' منات' عزیٰ وغیرہ اِن کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن تم مشرک کہتے ہو کہ یہ ہماری شفاعت کریں گے۔ یہ شفیع کیسے ہو سکتے ہیں؟ نہ ہلتے ہیں نہ جلتے ہیں' نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں' نہ چلتے ہیں نہ پھرتے ہیں' نہ بولتے ہیں نہ چاہتے ہیں یہ کیسے تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید یعنی اسلام زور دیتا ہے کہ بناوٹی خدا کی عبادت غلط ہے۔ اور بناوٹی خدا بنانا بھی غلط ہے۔

اور پڑھے لکھے حضرات تعجب کریں گے کہ جتنے لوگوں نے خدا مانے یا جتنے لوگوں نے کسی غیر خدا کی عبادت کی ان میں عرفان کا فقدان ہے۔ یہ کوئی معجزے

والی چیز سمجھیں۔ یا پتھر ہیں یا حیوان ہیں یا ستارے ہیں یا نور ہے یا ظلمت ہے۔ کسی انسان کو کہیں کہ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ بھئی کوئی بتائے کہ آج تک کوئی انسان کو خدا مانتا ہو۔ نہ اس عالم میں تھے اسلام سے پہلے اور نہ اسلام کے بعد۔ اگر کوئی پیدا ہوا ہے انسان کو خدا ماننے والا تو پوری کائنات میں شاید وہ صرف نصیری ہیں۔ اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ آپ پوری تاریخ اٹھا کے دیکھیں۔ صرف نصیری ہیں جو ہمارے علماء کے نزدیک ملحد اور کافر ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کو جو خدا مانتا ہو وہ کافر ہے۔

ایک باحمیت انسان وہ ہے جو دوسرے انسان کے سامنے نہ جھکے۔ آج کل جو بڑی طاقتیں ہیں ترقی یافتہ کہلاتی ہیں۔ علیؑ سے مدد مانگنے میں بڑا تردد ہے تجھے۔ علیؑ اگر تمہارے نزدیک اور کچھ نہیں ہے تو کم از کم مسلمان تو ہے۔ لیکن جب معمولی سی مصیبت آتی ہے پھر تو تم کافر سے بھی مدد مانگنے میں حجاب نہیں کرتے۔ آقائے خامنائی جب لاہور میں آئے تھے تو عجیب جملہ کہا تھا ڈاکٹر اقبال کے حوالہ سے اور یہ روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء میں شائع بھی ہوا کہ انسان بصیرت اور سوجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کا غلام بن جاتا ہے اور اپنا سر دوسروں کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ اس وقت انسان کتے سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔ کہ میں نے کبھی کسی کتے کو کسی کتے کے سامنے جھکتے نہیں دیکھا'۔ تو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اپنے مرتبہ کو پہچان......!

بہرحال دوسرا یہ ہے کہ پتھر کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ سورج کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ چاند کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ کسی انسان کے سامنے پوری کائنات میں کسی انسان کو عبادت کے طور پر جھکا ہوا نہیں دیکھا۔ نہ تاریخ قدیم بتلاتی ہے نہ تاریخ جدید بتلاتی ہے۔ اور نہ یہ ہمارے قرآن میں ذکر آتا ہے کہ انہوں نے

کسی انسان کی عبادت کی ہو۔

میں کہتا ہوں جس چیز کا وجود ہی نہیں تھا۔ اُس کا ذکر کیسا؟ ان لوگوں میں سے کوئی ہمیں یہ کہہ دے کہ یہ امامؑ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ احمقوں کی دنیا میں رہتا ہے۔ یہ ایسی دنیا میں بستا ہے کہ جس کا وجود بھی نہیں ہے۔ اب پھر جب زندہ تھے تو کوئی عبادت نہیں کرتا تھا۔ اور جب اس دنیا سے اٹھ جائیں تو پھر عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امام کی عبادت کرتا تو زندگی میں کرتا۔ زندگی میں تو کرتا نہیں ہے اور جب زندگی گزار کر جائیں تو کہتے ہیں: جناب! شیعہ اپنے امامؑ کو معبود سمجھتے ہیں۔ تو احمق ہے۔ کسی کو زندگی میں زیادہ سمجھنا چاہیے یا مرنے کے بعد سمجھنا چاہیے۔

پھر توجہ فرمایئے۔ شیعہ بلا امام اس وقت بھی نہیں ہیں۔ دنیا کے پاس کوئی امام نہیں ہے۔ آپ خیال ہی سمجھئے۔ آپ فرض ہی کیجیے۔ مگر پورے مسلمانوں میں ایک ہی فرقہ ہے جو اس وقت بھی قائل ہے کہ ہمارا امامؑ اس وقت بھی موجود ہے۔ اگر شیعہ امام کی عبادت کرتا ہوتا تو وہ اپنے موجودہ امام کی عبادت کرتا نہ کہ ان اماموں کی عبادت کرتا جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ (صلواۃ پڑھ لیں)

بہر حال یہ ہے میرے قبلہ! توحید کا تصور۔ خدا ایک ہے عالم میں یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ پورے عالم کا کائنات کا خالق کیا ہے؟ ایک ہے۔ اب آتے ہیں کہ عبادت صرف اسی خدا کی کرنی ہے اور کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِین ہم فقط تیری عبادت کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ سورج کی عبادت کرتے تھے' اور چیزوں کی عبادت کرتے تھے۔ ذات احدیت قرآن کریم میں ان کی رد میں ارشاد فرماتی ہے کہ عبادت صرف میری ہی ذات کی ہونی چاہیے۔ اور کسی کی نہیں ہونی چاہیے اور یہی ہے نظریہ اسلام۔

یہاں تک میں پہنچا۔ اب اس امر کو جاننے کی ضرورت ہے کہ عبادت کیسے

کہتے ہیں؟ آیا ہر چیز کا نام عبادت ہے یا عبادت کے معنی کوئی خاص ہیں؟ توجہ فرمایئے!

یہ الفاظ ہیں ان کے معانی ہیں۔ اگر آپ نے عبادت کے صحیح معنی نہ سمجھے مثلاً کسی نے تعظیم کو عبادت سمجھا اور یہیں سے اسے اشتباہ ہوگیا۔ تعظیم اور چیز ہے اور عبادت ایک اور چیز ہے۔ عبادت کے معنی کیا ہیں؟ اس خالق واحد کے سامنے جھکنا۔ اس کے سامنے جھکنے کے معنی یہ ہیں کہ جیسے اس نے کہا ہے کہ میرے سامنے یوں جھکو۔ ویسے ہی جھکنا عبادت ہے۔ اسے پرستش کہتے ہیں۔

عبادت کے معنی پرستش کے ہیں یا معبود بنانے کے ہیں۔ اللہ کی عبادت کے معنی کیا ہیں؟ یعنی صرف تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور کسی کے سامنے ہم نہیں جھکتے۔ جھکنے کے معنی سجدہ ہیں بلکہ ہم تیرے سوا اور کسی کا امر نہیں مانتے اور کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ اور کوئی ہمارا حاکم نہیں ہے۔ حاکم اگر ہے تو تو تیرا حکم مانیں گے اور کسی کا نہیں مانیں گے۔ یہ معنی ہیں عبادت کے۔

احترام کے کیا معنی ہیں؟ دنیا میں احترام نہیں ہے؟ دنیا میں آج پورے عالم میں مختلف ملکوں میں مختلف قسم کا احترام موجود ہے۔ مختلف قسم کی تعظیم موجود ہے۔ توجہ فرمائیں!

ہر چھوٹا بڑے کا احترام کرتا ہے۔ اور ہر جگہ علیحدہ علیحدہ رواج موجود ہیں۔ ہمارے ملک میں علیحدہ ہے۔ دوسرے ملکوں میں علیحدہ ہے۔ تعظیم اگر عبادت ہوتی۔ توجہ فرمایئے گا! تو خدا تعظیم کے لفظ کی تعظیم نہ کرتا۔ تعظیم کے لفظ کو اچھا نہ سمجھتا۔ تعظیم کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اگر یہ لفظ عبادت ہوتا۔ چونکہ خدا کسی کی عبادت تو کراتا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس کا شریک بن جائے گا۔ لیکن اگر تعظیم کو ہم عبادت سمجھیں تو پھر لازم ہے کہ خدا کہیں اس لفظ کی عظمت بیان نہ کرے۔ اس لفظ کی تعریف نہ کرے۔

اس لفظ کا کسی کو حکم نہ دے۔ حالانکہ قرآن مجید میں آتا ہے:

ذٰلِکَ وَمَن یُّعَظِّم شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِن تقوَی القُلُوبِ ○

(سورۃ الحج، آیت ۳۲)

''کہ جو اللہ کے شعائر کی عظمت (عزت) کرتا ہے اس کا احترام کرتا ہے وہ متقی انسان ہے''۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی عظمت (عزت) بجالانا' کسی کا احترام کرنا یہ عبادت نہیں ہے۔ اللہ نے عظمت کرنے والے کو متقی کہا ہے۔ آپ پورے عالم میں چلے جائیں۔ پورے عالم کا احترام شامل ہے۔ ہمارے ملک میں۔ مثلاً ہماری سرائیکی میں رواج ہے گلے ملیں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ سعودی عرب میں ایک دوسرے کو چومتے ہیں۔ ہندوستان میں دونوں ہاتھ جوڑ کر نیچے اوپر کرتے ہیں۔ یہ پورے عالم میں عظمت موجود ہے۔ اور جتنی عظمت کرتا ہے اتنا ہی لوگ اسے اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا با ادب ہے۔ اس نے بڑی تعظیم کی ہے۔ والدین کی عظمت کر رہا ہے استاد کی عظمت کرتا ہے۔ اگر عظمت (عزت) عالم میں عبادت ہو جائے' شرک ہو جائے تو پھر اس دنیا میں کوئی انسان نہیں ہے جو شرک سے بچ رہا ہو۔ پھر تو سارے مشرک ہو گئے۔

عظمت کرنا اور ہے' عبادت کرنا اور ہے۔ عظمت کو عبادت سمجھنا حماقت ہے۔

جو نجد کے بیابان میں رہتا ہے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ عظمت کیا چیز ہے؟ اور عبادت کیا چیز ہے؟ عظمت یہ ہے جیسے میں آپ سرو قد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ کہیں گے ہم لفظ عظمت کو اسلام سے لے لیں۔ تب تو میں کہوں گا ہر وہ چیز جسے عرف میں' ہر قبیلے میں' ہر ملک میں' احترام کے قابل سمجھا جائے تو یہ اس کی تعظیم ہوگی' عبادت نہیں ہوگی۔ تو پھر احترام کیا ہے؟ احترام کے جتنے وسائل جتنے اسباب ہیں جو

جو افعال اور کردار ہیں جس جس ملک میں سمجھے جائیں۔ جب تک شریعت ان سے منع نہ کرے وہ شرعاً جائز ہوں گے چونکہ عظمت خود پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہو تو ساری کی ساری ناجائز۔ شریعت کے بیان کرنے کی وجہ سے ہو تو ہم کہیں گے یہ عظمت و تعظیم جائز ہے؟ توجہ فرمایئے!

اب میں اصل حقائق کی طرف جا رہا ہوں۔ دیکھیں نا۔ جو رواج اسلام کے زمانے میں موجود پایا جائے اور ہو غلط' تو خدا پر لازم ہے' نبی پر لازم ہے کہ غلط کو واضح کرے۔ پورے عالم انسانیت میں احترام کے لوگ قائل تھے اور احترام کے مختلف طریقے موجود تھے۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ لفظوں میں کرتے تھے عمل میں کرتے تھے اور چیزوں سے جو جو چیزیں احترام کے عالم میں پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی چیز ممنوع ہو گئی تو ہم کہیں گے جائز نہیں ہے۔ اور اگر ممنوع نہ ہوئی تو ہم کہیں گے کہ اسلام میں جائز ہے۔ چونکہ یہ اسلام کے سامنے ہو رہی تھی اور اسلام نے اسے منع نہیں کیا۔ یہی اس کا جواز ہے کہ ایک چیز پیغمبر علیہ السلام اور خدا کے سامنے پورے عالم میں ہو رہی ہے اور خدا منع نہ کرے تو وہ جائز ہی ہوا کرتی ہے۔ چونکہ خدا تو تقیہ نہیں کرتا۔ وہ تو کسی سے نہیں ڈرتا۔ نبی پر لازم ہے کہ وہ بیان کرے۔

توجہ فرمائیں! اگر عظمت بھی ممنوع ہوتی --- یہ دنیا میں موجودہ عظمتوں کے جتنے طریقے ہیں۔ جن جن کو اسلام منع کرتا ہے ہم کہیں گے جائز نہیں ہیں۔ جن سے اسلام منع نہیں کرتا ہم کہیں گے جائز ہیں۔ اگر آپ کا باپ آ گیا آپ اس کے گھٹنے کو بھی ہاتھ لگائیں گے یہ جائز ہے۔ چونکہ اسلام نے اس چیز سے ہمیں منع نہیں کیا ہے۔ اسلام کو معلوم تھا یہ چیز عالم میں مروج کی جاتی ہے۔ احکام آ جاتے ہیں۔ جس سے شریعت نے منع نہیں کیا ہے' وہ احترام تو ہو جاتا ہے جائز۔ جو احترام ہو عظمت کا (فرض کر لیجئے) منع نہیں کیا وہ جائز ہے۔ وہ عقل کے بھی موافق ہے۔ اب اگر کسی

جاہل اونٹ کو خود سمجھ نہیں آتی تو اس کا اسلام پر کوئی دوش نہیں ہے۔ وہ اپنی عقل کا جا کے علاج کروائے۔ توجہ فرمائیں!

میں اس کا تطابق وضاحت کے ساتھ کروں گا۔ ہماری شریعت اسلام کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں سمجھتی۔ آج کی اسلامی شریعت۔ لیکن اسلام سے پہلے سجدہ کرنا کسی کو تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ عبادت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تعظیم کا ایک فرض یا فرد سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی کو سجدہ کرنا عبادت ہوتا تو خدا کبھی بھی ملائکہ کو آدمؑ کے سجدے کا حکم نہ دیتا۔ کیونکہ یہ شرک کا حکم ہو جاتا۔ لیکن ذات کبریا خود حکم دے رہی ہے ملائکہ کو:

وَاِذ قُلنَا لِلمَلٰئِکَۃِ اسجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبلِیسَ ۝

(سورہ البقرہ، آیت ۳۴)

''اور جس وقت ہم نے کل فرشتوں کو حکم دیا آدمؑ کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سبھی نے سجدہ کیا''۔

اللہ کہتا ہے کہ ملائکہ جاؤ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ یہ آدمؑ کا سجدہ عبادت ہے۔ اگر عبادت ہے تو اللہ خود عبادت کا حکم دے رہا ہے جبکہ غیر کی عبادت کرنا تو ہے شرک۔ اگر یہ شرک ہوتا تو وہ خود سارے ملائکہ کو مشرک بنا رہا ہے کہ آدم کا سجدہ کرو اور پھر تو شیطان ہی رہ گیا ہے۔ خدا کو شیطان کی تو مدح کرنی چاہیے؟ پھر تو کہتا میرا اچھا بندہ ہے جو مشرک نہیں بنا کہ اس نے آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ چونکہ سجدہ کرنا تھا شرک۔ اور وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرنا چاہتا۔ سجدہ کرنا کسی کو عبادت نہیں ہوتا بلکہ ایک تعظیم کا فرد ہوتا تھا جسے اسلام نے منع کیا ہے۔ اس سے پہلے مروج تھا لوگ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے۔ بڑا چھوٹے کو چھوٹا بڑے کو سجدہ کرتا تھا۔ اس واسطے کہ یہ تعظیم کا فرد سمجھا جاتا تھا۔ اسے عبادت قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ قبلہ! اگر سمجھنے کی کوشش کریں۔

اگر یہ سجدہ کرنا کسی کو عبادت ہوتا تو کیا اللہ حکم دے گا اپنے غیروں کی عبادت

کا؟ اپنے غیروں کی عبادت کا امر کرنا تو شرک کی دعوت دینا ہے۔ شرک کا خدا بھی حکم نہیں کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ محالات میں سے ہے کہ خدا اپنا دوسرا خدا نہیں بنا سکتا۔ خدا کسی کو کہیں خدا بنا دے تو یہ عقلاً محال ہے۔ اس لئے شرک کا امر کرنا اللہ کے لیے محالات میں سے ہے۔ غیر اللہ کے لیے حکم ہے کہ اس کی عبادت کر جبکہ کہتا ہے کہ صرف میری عبادت ہونی چاہیے۔ یہ محالات میں سے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔

توجہ فرمایئے!

سجدہ کرنا اسلام سے پہلے تعظیم سمجھی جاتی تھی اسی واسطے۔

آپ توجہ فرمائیں!

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا قصہ جو احسن القصص کہلاتا ہے۔ یہ قرآن میں موجود ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام نے بڑے مصائب میں سے گذرنے کے بعد اور غلّہ اپنے بھائیوں میں تقسیم کرنے کے بعد اپنی قمیص دی۔ جناب یعقوبؑ کی آنکھیں سفید ہوچکی تھیں۔ یہ قمیص آنکھوں پر رکھی گئی تو آپ بینا ہو گئے۔ اور پھر اپنے بیٹوں کے ہمراہ جب مصر میں پہنچے تو جناب یوسف علیہ السلام نے کیا کیا؟

وَرَفَعَ اَبَوَيهِ عَلَى العَرشِ وَلَهُ سُجَّدًا ۝

(سورہ یوسف، آیت ۱۰۰)

''اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے''۔

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے باوجود اس کے کہ وہ نبی تھے یوسف علیہ

السلام کو سجدہ کیوں کیا تھا؟ فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کا سجدہ یوسفؑ کو تعظیم کے لیے تھا اور خدا کی اطاعت ظاہر کرنے کے لیے تھا جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ جس میں خدا کے حکم کی اطاعت منظور تھی اور آدمؑ کے لیے تعظیم۔ اگر سجدے کے معنی صرف یہی ہیں کہ یہ کسی کی عبادت ہے۔ تو پھر نعوذ باللہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور اس کے گیارہ فرزند جناب یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیوں کر رہے ہیں؟ یہ سجدہ تعظیم کا سمجھا جاتا تھا اُس دور میں جس دور میں اسلام نہیں آیا تھا۔ جب اسلام آیا ہے تو اسلام نے کہا کہ یہ تعظیم کرنا اسلام میں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ چونکہ غیر اللہ کی عبادت کسی زمانے میں بھی جائز نہیں ہوا کرتی۔ نہ پہلے زمانے میں، نہ آج۔ اسلام میں ہم صرف باپ ہی کو سجدہ نہیں کر سکتے بلکہ امام کو بھی سجدہ نہیں کر سکتے۔ نبی کو بھی سجدہ نہیں کر سکتے۔ کسی کو سجدہ نہیں کر سکتے چونکہ ممنوع ہے یہ تعظیم۔ (صلواۃ)

باقی تعظیمیں ساری جائز ہیں۔ امامؑ کو کہیں اَلسَّلامُ عَلَیکَ یَا اِمَامَ المُتَّقِینَ۔ تعظیم ہے، سلام ہے۔ تعظیم کرنا کسی امامؑ کی یا کسی نبی کی، یہ عبادت کا فرد نہیں بنتا۔ یہ تعظیم کا فرد ہے۔ تو وہ جو ہے شرک۔ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے نہ کہ کسی کی تعظیم کرنا شرک ہے۔ کیونکہ اگر تعظیم کرنا کسی کی شرک ہو جائے تو دنیا میں میرا خیال ہے موحد کوئی بھی نہیں ہے سوائے ذاتِ خدا کے۔

آپ نے نہیں پڑھا؟ عام روایات ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام جب آتی تھیں مسجد میں تو پیغمبر علیہ السلام کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تعظیم نہیں کر رہے ہوتے تھے پیغمبر؟ یہ کھڑے ہو جانا اس زمانے میں تعظیم سمجھا جا رہا تھا۔ اپنی جگہ بٹھا دینا۔ حتیٰ کہ بعض دوسرے لوگوں کو پیغمبر علیہ السلام نے اپنی جگہ بٹھایا تو یہ کیا ہو رہا

تھا؟ یہ تعظیم تھی۔

غیر اللہ کی تعظیم کرنا محبوب ہے۔ تعظیم کو اگر کوئی عبادت سمجھتا ہے تو یہ اس کے فہم اور اس کے ذہن کی سختی ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ تعظیم کرنا عبادت ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مانگنا شرک ہے۔ صرف اللہ سے مانگا جائے۔ تعظیم بے شک کی جائے۔ مگر غیر خدا سے کوئی چیز مانگنا شرک ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر غیر خدا سے کوئی چیز مانگنا شرک ہوتا تو دنیا میں کوئی اپنے غیر سے نہ مانگتا۔ یوں ہی بیٹی جا کے اپنے باپ سے کہہ رہی ہے کہ میرنے لئے فروٹ لے آنا۔ یہ نہیں مانگ رہی؟ باپ بیٹے سے کہہ رہا ہے پانی دے دینا۔ یہ نہیں مانگ رہا؟ یہی بادشاہ جو اپنے آپ کو مواحد کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کام کر دینا۔ کیا یہ نہیں مانگ رہے؟ دنیا کا ایک دوسرے سے مانگنا تو ایک فطرت ہے، معاشرت ہے۔ معاشرہ چل ہی نہیں سکتا اگر ایک دوسرے سے نہ مانگیں تو۔ صرف مانگنا اگر شرک بن جائے تو اس دنیا میں شرک ہی شرک ہوگا۔ پھر توحید تو یہاں نظر ہی نہیں آئے گی۔ وہ کہتا ہے بابا یہ نہیں ہے۔ ہر چیز مانگنا شرک نہیں ہے بلکہ وہ چیز مانگنا شرک ہے جسے کرنا خدا کا کام ہے۔

پڑھے لکھے حضرات! توجہ فرمایئے!!

جو خدا کے کام ہیں نا وہ غیر خدا سے مانگے جائیں تو یہ شرک ہے۔ ہر کام شرک نہیں ہے۔ تو اب پہلے ہمیں خدا کے کاموں کی فہرست معلوم کرنا پڑے گی۔ خدا کے کون کون سے کام ہیں۔ جو ہم ایک دوسرے سے مانگیں تو شرک ہو جائے گا۔

توجہ فرمائیں گے! خدا کے کام کون سے ہوتے ہیں اور کون سے نہیں ہوتے۔ یہاں توحید اور شرک کا نقطہ واضح ہو جائے گا۔ خدا کا کام وہ ہے جس میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو، خود انجام دے۔ جیسا کہ مجھے نہیں پتہ یہ کس کا کام ہے؟ یہ کون انجام دے؟ خدا کا کام جب ہم کہیں گے نا۔ خدا کا کام وہ ہے کہ مستقل ہو۔ خود انجام

دے۔ کام انجام دینے میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ وہ خدا کا کام ہے۔ ہم دنیا میں جتنے کام کررہے ہیں۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو' طویل ہو یا عریض ہو' حاضر ہو یا غیر حاضر ہو۔ اگر ہم ایک دوسرے کو سمجھیں کہ یہ کام کرنے میں مستقل ہیں کسی کے محتاج نہیں ہیں تو یہ خدا سے شرک بن جائے گا۔ ایک معمول کا کام پانی اور روٹی وغیرہ دینا لینا' بازار سے سودا سلف لانا' سگریٹ دینا' ماچس دینا یہ معمول کے کام ہیں۔ خلافِ معمول کاموں میں اگر ہم کہیں کہ انسان ان میں خود مستقل ہے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہی خدا ہے۔ آپ جس سے مانگیں۔ جس صنم سے کہ یہی مستقل انجام دیتا ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے تو یہ شرک ہے۔ اگر آپ خدا سے مانگیں کہ خدایا تو رزق دے۔ یعنی تو ہی دے سکتا ہے۔ رزق دینے میں تو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ خدا کا کام ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔ اگر آپ بیوی سے کہیں پانی دے دو اور یہ سمجھ کے کہیں۔ تو ہی دے سکتی ہے تو کسی کی محتاج نہیں ہے تو یہ شرک ہے۔ کیونکہ میری بیوی کا پانی دینا ہاتھ سے ہے۔ ہاتھ کی حرکت خون سے چلے گی۔ خون دل سے چلے گا۔ دل میں حیات ہے۔ زندگی دینے والا کون ہے۔ یہ جب تک زندہ نہیں ہوگی مجھے کچھ نہیں دے سکے گی۔ زندگی اس کے اختیار میں نہیں ہے کسی اور کے اختیار میں ہے۔ گویا یہ محتاج ہے۔ اگر محتاج سمجھ کے آپ مانگیں تو یہ شرک نہیں ہے۔ یہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔ ہاں اگر مستغنی سمجھ کے مانگیں۔ اور مستغنی سمجھ کے آپ کہیں گے جناب ظاہر ہے آپ ہی جو ہیں نا۔ مستغنی سمجھ کے نہ مانگیں تب شرک ہے۔ غیر عادی کے معنی یعنی بڑا اہم سا ہو۔ اگر غیر عادی مستغنی سمجھ کے نہ مانگے محتاج سمجھ کے مانگے کوئی شرک نہیں ہے۔ ورنہ شرک لازم آئے گا۔ (صلواۃ پڑھیں)

جناب سلیمان علیہ السلام نے اپنے ارکان دولت سے تختِ بلقیس جو کوسوں دُور تھا کو جلد از جلد لانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ قرآن کریم اس واقعہ کو اس طرح

بیان کرتا ہے:

قَالَ یَا اَیُّھَا المَلَؤُ اَیُّکُم یَا تِینِی بِعَرشِھَا قَبلَ اَن یَّاتُونِی مُسلِمِینَ ٥ (سورہ نحل، آیت ۳۸)

ایک جن نے کہا قبل اس کے کہ حضور اپنے مقام سے اٹھیں میں اسے لاسکتا ہوں۔

جن کہہ رہا ہے بلقیس کا ہزاروں میل دور تخت پڑا ہوا ہے۔ کیا جناب سلیمان خود عاری ہیں، اسے وہاں سے لانے سے۔ اس کے پاس کرنٹ ہے لے آئے گا۔ جن کہتا ہے کہ قبل اس کے کہ آپ اٹھیں میں اسے لے کر آ سکتا ہوں۔ لیکن ایک اور شخص بول پڑتا ہے کہ اس نے تو بہت زیادہ وقت مانگا ہے۔ قرآن اس کے قول کو نقل کرتا ہے:

قَالَ الَّذِی عِندَہٗ عِلمٌ مِّنَ الکِتٰبِ اَنَا اٰتِیکَ بِہٖ قَبلَ اَن یَّرتَدَّ اِلَیکَ طَرفُکَ ٥ (سورہ النحل، آیت ۴۰)

''اور اس شخص نے جس کے پاس علم کتاب کا ایک ادنیٰ جز تھا یہ عرض کیا کہ قبل اس کے کہ آپ کی پلک بھی جھپکے میں اسے لائے دیتا ہوں''۔

ابھی سلیمان علیہ السلام نے آنکھ نہیں جھپکی تھی کہ تخت سامنے حاضر تھا۔ اس کا وہاں سے تخت یہاں لانا اور جناب سلیمانؑ کا اس شخص کے ماننے میں شرک ہے۔ اگر سلیمانؑ نے یہ سمجھ کے مانگا ہے کہ یہ لاسکتا ہے اور لانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے تو یہ شرک ہے۔ لیکن یہ سمجھے کہ یہ لاسکتا ہے اور لانے کی اللہ نے اسے قدرت دی ہے کہ یہ ہزاروں میل سے آنکھ جھپکنے سے پہلے لاسکتا ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ اب مجھے بتلاؤ میرے بھائیو! وقت نہیں رہا ہے۔

کون شیعہ ہے جو یہ سمجھ کے امامؑ سے مانگتا ہو یا امام کے ذریعے سے خدا سے مانگتا ہو کہ امام دے سکتا ہے اور دینے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ کوئی ہے شیعہ ایسا۔ کوئی ملتا ہے؟ نہیں ہے۔ وہ کہے گا جناب جس علیؑ سے میں مانگ رہا ہوں کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس کو پروردگار نے کتنی قدرت دی ہے۔ ادنیٰ جز تھا علم کتاب کا جس کے پاس وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آیا تھا تخت۔ اب اس کے متعلق قرآن کیا کہہ رہا ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلاً قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○

(سورۃ الرعد، آیت ۴۳)

''اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ یہ کہتے ہیں کہ تم کسی کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ تم یہ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو ایک تو اللہ کافی ہے (دوسرے) وہ جن کے پاس اس پوری کتاب کا علم ہے''۔

دیکھا آپ نے میرے امام کے پاس تو پوری کتاب کا علم ہے۔ صرف ایک ہی نہیں بلکہ بارہ کے بارہ پوری کتاب کا علم رکھتے ہیں۔ ان کو اللہ نے طاقت دی ہے۔ یہ دینے پر قادر ہیں۔ یہ خود نہیں دیتے دلواتے ہیں۔ اللہ انہیں دے دیتا ہے ہمیں یہ دے دیتے ہیں۔ تو یہ شرک نہیں ہوگا۔ (نعرۂ حیدری)

میں ایک دن سرگودھا میں بہت سارے مولوی صاحبان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جو بڑے موحد واحد بھی ہیں۔ ایک دیہاتی بالکل سادہ سامنے آیا۔ میں نے کہا کہ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ یہ مشرک ہے یا مواحد ہے۔ میرے قریب آیا میں نے کہا مولا علیؑ آپ کو اولاد دے دے، آپ کو مال دے دے۔ وہ کہتا ہے جناب مولانا صاحب

! مولا علیؑ میرے امامؑ ہیں، دیتے نہیں دلوا سکتے ہیں۔ اگر دے گا تو وہ کسی اور کی طاقت سے دے گا۔ یہی جاہل سے جاہل شیعہ کا ماسوائے شیخیوں کے کوئی عام شیعہ کسی کے تصور میں ہے کہ یہ علیؑ خدا سے مستغنی ہو کے دے دے۔ جیسے دو ڈپٹی کمشنر ہوتے ہیں ایک ایک ضلع کا دوسرا دوسرے ضلع کا۔ خدا کچھ کرتا علیؑ کچھ کرتا۔ یہ اس کے محتاج ہیں۔ کوئی ہے ایسا انسان۔ نہیں قبلہ! جب نہیں ہے تو ایک دفعہ مانگو ساری چیزیں مانگو علیؑ سے امام سمجھ کے مانگو یہ کوئی شرک نہیں ہے۔ (صلواۃ)

اب وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ یہ وہ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کوئی ہرج نہیں دنیا میں ہو تو مانگتے رہو۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی مانگا۔ جنگ خندق کے موقع پر جب عمرو ابن عبدود خندق کو پھلانگ کے آ گیا تھا۔ نیزہ خیمہٴ اقدس میں مارا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے پکارا کوئی ہے جو اس کتے کو جواب دے؟ پیغمبر علیہ السلام نے مدد نہیں مانگی تھی؟ زندگی میں مانگ لے کوئی حرج نہیں۔ مرنے کے بعد جماد ہو جاتا ہے انسان۔ اب ہے ہی نہیں ختم ہو گیا مر گیا۔ اب اس میں طاقت ہی نہیں رہی۔ میں نے یہاں ایک پورا عشرہ پڑھا ہے کہ مرنے کے بعد جسم جماد ہوتا ہے روح باقی رہتی ہے۔ روح زندہ ہے ایک عالم میں۔ یہ اس پنجرے سے آزاد ہو کر آزاد ہو گئی ہے۔ اب یہ بتلا جن کو امام ہی نہیں ملے۔ کیا یہ ہمارا قصور ہے؟ تو نے ایسوں کو مانا کہ جو نہ دنیا میں دلا سکتے ہیں نہ مرنے کے بعد۔ وہ جماد ہو گئے ہیں نہیں دلا سکتے ہیں۔ البتہ ذات احدیت نے ان کی کیفیت کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

اِذ تَبَرَّاَ الَّذِینَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِینَ اتَّبَعُوا وَرَاَوُا العَذَابَ وَتَقَطَّعَت بِھِمُ الاَسبَابُ ٥ (سورہ البقرہ، آیت ۱۶۵)

''(وہ وقت یاد کرو) جبکہ وہ لوگ جن کی (دنیا میں) پیروی کی گئی ہو، ان سے بےزاری کریں گے جنہوں نے پیروی کی ہوگی،

اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تمام تعلقات قطع ہو جائیں گے"۔

اس وقت کو یاد کر جبکہ پیر اپنے مریدوں سے تبرا کریں گے اور عذاب کو سب دیکھیں گے اور ان کی نجات کے کل اسباب قطع ہو جائیں گے۔ اب جس کی جیب ہی میں کچھ نہیں ہے وہ کیا دے گا آپ کو۔ لہذا اسے مان جس کی جیب میں چار پیسے تو ہوں۔ (صلواۃ)

مرنے کے بعد انسان زندہ ہے مرتا نہیں ہے۔ روح زندہ ہے اللہ بھی کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشتَرٰی مِنَ المُومِنِینَ اَنفُسَھُم وَاَموَالَھُم بِاَنَّ لَھُمُ الجَنَّۃَ ۝ (سورہ التوبہ، آیت ۱۱۱)

"بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے"۔

ایک اور مقام پر سورہ التوبہ ہی میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَھَاجَرُوا وَجٰھَدُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ بِاَموَالِھِم وَاَنفُسِھِم اَعظَمُ دَرَجَۃً عِندَ اللّٰہِ ۝ (آیت ۲۰)

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور اپنے مالوں سے اور جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک درجے میں سب سے بڑھ کر ہیں"۔

اور شہدائے راہ خدا کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو مردہ نہ کہو کہ جو راہ خدا میں شہید ہو گئے ہیں وہ تو زندہ ہیں اور اپنے اللہ سے رزق پاتے ہیں۔ رزق کس سے کھاتے ہیں؟ کسی جسم سے کھاتے ہوں گے نا؟ وہ جسم مثال ہے ہمارے

آئمہؑ جو چلے گئے ہیں' انبیاءؑ جو چلے گئے ہیں' سارے مسلمان جو چلے گئے ہیں' سارے کافر جو چلے گئے ہیں جب تک قیامت نہیں آتی سارے زندہ ہیں۔ ہم کسی مردہ سے نہیں مانگ رہے۔ ہم اس سے مانگتے ہیں جو اب اللہ کے نزدیک زیادہ تقریب حاصل کر چکا ہے۔ چونکہ ایک امتحان دے کے گیا ہے اور اللہ دیکھ چکا ہے کہ جو امانت میں نے سپرد کی تھی اس میں کامیاب ہو کے آیا ہے۔ کامیاب طالب علم کو تو ہر ایک ایوارڈ دیتا ہے۔ اللہ نے ایوارڈ دے رکھے ہیں لوگ تم سے مانگیں' تم ہم سے مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے تمہیں۔ (صلواۃ)

لیکن یہی عرض کیا ہے کہ یہ کہہ کر مانگے۔ میں نے وہاں کہا تھا۔ لوگوں نے کہا اختر عباس کہتا ہے امیر المومنینؑ سے مانگنا بدعت ہے۔ امیر المومنینؑ کو امام مان کے جو شیعہ نہیں مانگتا میں اسے حلال زادہ ہی نہیں سمجھتا۔ ہمارا کام ہی یہی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام مجید میں اپنے اور اپنے بندے کے درمیان وسیلہ کی ہدایت یوں فرما رہا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابتَغُوا اِلَیہِ الوَسِیلَۃَ
وَجَاھِدُوا فِی سَبِیلِہٖ لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ ٥

(سورہ المائدہ، آیت ۳۵)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے حضور میں مقررہ وسیلہ بہم پہنچاؤ اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

وقت بہت تھوڑا ہے۔ میں نے اس آیہ مجیدہ کے لفظی معنی عرض کیے ہیں۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ کئی دن چاہئیں اس کی وضاحت کے لیے۔ صرف اتنا عرض کروں گا۔

عیون اخبار الرضا میں جناب رسول خداؐ سے منقول ہے کہ آئمہ اور اولاد امام حسینؑ میں جس نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی طاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی وہ دین کی مضبوط رسی اور خدا تک پہنچانے کا یکتا وسیلہ ہیں۔

یہ ہمارا وسیلہ ہیں، ہم نے ان تک پہنچنا ہے، یہ ہمیں آگے خدا تک پہنچائیں گے۔ وہ سفہا غلط ہیں جنہوں نے وصی بھی خود بنایا۔

ہم کوزہ و ہم کوزہ گر۔

ان کو شفیع ہم نے نہیں بنایا۔ ان کو شفیع میدان غدیر میں اللہ نے بنایا اپنے رسول کو حکم دیا:

یَااَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَّبِّکَ

(سورہ المائدہ، آیت ٦٧)

''اے رسول! جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا اسے پہنچا دے''۔

ذرا سا قرآن کا بھی مطالعہ کرلیا کرو۔ مَن کُنتُ مَولاہ۔

یہ فرمان اتنا مختصر نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا جس طرح اللہ میرا مولا ہے اسی طرح میں تمہارا مولا ہوں اور جس طرح میں تمہارا مولا ہوں اسی طرح یہ علیؑ تمہارا مولا ہے۔ اب لفظ مولا میں اگر کوئی کیڑے نکالنا شروع کرے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہم اب زیادہ سر نہیں کھپا سکتے۔ اللہ نے انہیں ہمارا شفیع بنایا ہے ہم ان سے امام برحق سمجھ کے مانگتے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

ہم کہتے ہیں کہ مولاؑ آپ ہمیں دلوائیں۔ اولاد بھی دلوایئے کوئی حرج نہیں، رزق بھی دلوایئے کوئی حرج نہیں۔ اب وہ کیسے دلواتے ہیں، وہ جانیں اور دینے والا

جانے۔ ہمیں اس سے کیا سروکار کہ وہ کیسے دلواتے ہیں۔ کبھی نماز پڑھ کے مانگتے ہیں دعا۔ کبھی بغیر نماز پڑھے ہوئے۔

ایک عورت میدان منیٰ میں ہے۔ اس کی گائے تھی وہ اس کے دودھ سے اپنی روزی کماتی۔ بیچاری کی گائے مرگئی۔ اب وہ پریشان ہے کہ کیا کرے۔ امام محمدؑ باقر علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ معصومؑ فرماتے ہیں: تیرا دل چاہتا ہے کہ گائے زندہ ہوجائے۔ وہ کہتی ہے آپ کون ہیں جو میری گائے کو زندہ کرسکتے ہیں؟ حضرت نے اپنے پائے اقدس سے مردہ گائے کو چھوا اور زبان اطہر سے فرمایا: قُم بِاذنِ اللّٰہِ۔ گائے زندہ ہوتی ہے۔ وہ ڈھونڈتی ہے کہ کیا عیسیٰؑ آگئے ہیں جو مردہ زندہ کرتے ہیں۔ یہ اس کی تقدیر تھی جو آج مردوں کو زندہ کررہے ہیں امام علیہ السلام۔ اب یہ یہودیوں کا قصور ہے۔ محمد ابن الوہاب کو جو امام مانا جو دنیا میں تمہیں نہیں دے سکتا تھا وہ آخرت میں کیا دلائے گا؟ وہ تو یہاں بھی تہی دست تھا۔ اس سے مانگتا ہے جس میں ہمت ہی نہیں ہے۔ چونکہ مانگو اس سے جو کچھ دے سکتا ہو۔ اب ان تمام ہمارے بھائیوں کا قصور بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی چالیس سال بعد مسلمان ہوتا ہے، کوئی پچاس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب یہ بیچارے کیا دیں گے کہ ایک داغ تو پڑ گیا ہے نا۔ تاریخ میں جو آگیا ہے ایمان لایا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ پہلے ایمان والا نہیں تھا اب اگر جنتی ہی کہیں۔ ہر جنتی سے بھی نہیں مانگا جاتا۔ سَیّدَ اشَبابِ اَھلِ الجَنَّۃِ سے مانگا جاتا ہے۔ (صلواۃ)

اب مختصر سی تفصیل پھر عرض کروں گا۔ خداوند عالم آپ کو زندہ رکھے۔ مانگتا ہے تو پھر وسائل بھی تو ہیں نا میرے قبلہ! کچھ آداب بھی تو ہیں نا۔ آپ کسی رئیس کے پاس جاتے ہیں، کسی بڑے افسر کے پاس جاتے ہیں تو اس کی خوشنودی کے لیے کوئی تحفہ کوئی تھوڑا سا ہدیہ کوئی اور چیزیں لے کے جاتے ہیں نا۔ ہم نے زبان سے مانگنا

ہے۔ یونہی صرف زبان سے۔ کچھ ان کے لئے بھی تو کر کے جا۔ اب یہ کہتے ہیں نماز پڑھ۔ اب تو نماز پڑھ۔ روزہ کا حکم دیتے ہیں روزہ رکھ پھر یہ طبیبوں کے بہانے نہ بنا۔ حج کر، خمس ادا کر، اہل بیتؑ کا حق ہے تجھ پر۔ جھوٹ نہ بول، سارے نیک کام کر۔ اب ہم کہیں گے مولاؑ جو کچھ آپ نے کہا ہم نے کیا۔ ہم نے سارے حکم جہاں تک ہماری ہمت تھی آپ کے مانے ہیں۔ اب ہم گدا ہیں تیرے دروازے کے اب جو تیری مرضی۔ نمازوں سے جنت میں نہیں جانا۔ یہ انجام وظیفہ ہے۔ وظیفے کی ادائیگی پر انسان کو جنت نہیں ملتی۔ جنت ملے گی ان کے طفیل سے۔ ہاں ان کی فضیلت سے، نہ کہ ان کا نام آئے تو ماتھے پر بل پڑ جائیں خواہ سجدے کا محراب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہوں گے حوضِ کوثر پر دنیا تشنہ ہو گی۔

دور سے دیکھیں گی جناب زہراؑ آنے دو اسے۔ ملائکہ اسے آنے دو۔ جب دنیا میرے بیٹے کو رونا حرام سمجھتی تھی تب یہ اپنے جوانوں کو بھول گیا تھا۔ اپنے سارے مصائب بھول گیا تھا۔ بازاروں میں سر پر خاک ڈال کے پھرتا تھا۔ فہمیدہ ہے پاؤں سے ننگا ہے۔ تا کہ دنیا سمجھ لے کہ ایک زہراؑ کا بیٹا تھا۔ جس کا نام حسینؑ تھا۔ آج کہیں سینہ جلتا، دل جلتا اگر مسلمان کا یہ کردار نہ ہوتا۔

ایک زہراؑ کی بیٹی تھی جس کا نام زینبؑ ہے۔ یہ کوئی معمولی بی بی تھی؟ میں نے کئی دفعہ پڑھا ہے کہ نانے کی قبر پر جاتی تھی اپنے بابا سے اجازت لیتی تھی۔ جناب امیرؑ جناب زہراؑ کو رات کو دفنا رہے ہیں۔

صاحب ریاض القدس نے لکھا ہے۔ رات کو جنازہ لے جا رہے ہیں آپ۔ آپ نے مڑ کے دیکھا کہ ایک چھوٹی بچی جنازے کے ساتھ آ رہی ہے۔ جناب حسنؑ سے کہا یہ کون آ رہی ہے؟ کہنے لگے: بابا! زینب خاتونؑ ہے۔ کہا: ماں کا جنازہ رکھ دو پہلے جاؤ بہن کو گھر چھوڑ کے آؤ۔ میرے ہوتے ہوئے یہ باہر نہ آئے۔

مسلمانو! ہم کیوں نہ روئیں؟ ہم پر ظلم اس لئے کرتے ہو کہ ہم اس کی بیٹی پر رو رہے ہیں جو قیامت کے روز شفیعہ ہوگی؟ وہ قیامت کے روز شفاعت کرنے والی ہے۔ میں نے یہ روایت پڑھی تھی:

کہ جب جناب زہراءؑ دروازۂ جنت پر آئیں گی تو رک جائیں گی۔ حکم ہوگا اے زہراءؑ **اُدخُلِی الجَنَّۃَ**۔ زہراءؑ جنت میں داخل ہو جا۔ جناب زہراءؑ کھڑی ہو جائیں گی۔ خدا کا حکم ہوگا زہراؑ کیا دیکھتی ہے؟

جناب زہراءؑ عرض کریں گی۔ خدایا! میں کیسے جاؤں؟ جبکہ وہ لوگ میرے ساتھ نہیں ہیں جو میرے بیٹے کو رویا کرتے تھے۔ اس کے احکام بجالایا کرتے تھے۔ اس کے مصائب پر عزاداری کرتے تھے۔ خدا کا حکم ہوگا زہراءؑ جا جس جس کی شفاعت کرے گی میں اسے جنت میں بھیجوں گا۔

امامؑ فرماتے ہیں وہ کوئی شقی شیعہ ہوگا جو اس دن زہراءؑ کی شفاعت پر نہ بخشا جائے۔ ایسے چن لے گی جیسے مرغ ریت سے دانہ چن لیتا ہے۔

اَلا لَعنَۃُ اللّٰہ عَلٰی القَومِ الظّٰالِمینَ وَسَیعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر ونشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

مجلس چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَلَّا بَل تُحِبُّونَ العَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الاٰخِرَةَ ۝

(سورہ القیامہ' آیہ ۲۰-۲۱)۔

''ہرگز نہیں (عذر بیکار ہے) بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کو پسند کرتے ہو' اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو''۔

قبل اس کے کہ میں اس آیت کے متعلق عرض کروں' وہ مومنین و مومنات جو اِس جہان سے اس جہان کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔ پچھلے سال وہ انہی مجالس میں ہمارے ساتھ تھے لیکن اب نہیں ہیں ان کا بھی ہم پر کچھ حق ہے۔ لہٰذا ان کی ارواح کے لئے ایک سورہ فاتحہ۔

یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ خداوند عالم کی ذات نے اس میں اس دنیا کے لوگوں کی کیفیت بیان کی ہے' کہ یہ انسان فطرت میں کیسا ہے؟ تُحِبُّونَ العَاجِلَةَ ۔ دنیا کو عاجلہ کہا گیا ہے۔ عاجل کے معنی ہوتے ہیں جلدی کے جس طرح سورہ بنی اسرائیل آیت گیارہ کا آخری جملہ ہے:

وَكَانَ الْاِنسَانُ عَجُولًا ٥

''اور انسان جلد باز ہے''۔

یہاں بھی عجل ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس وقت خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اپنی مخلوق (روح) ان میں پھونکی قبل اس کے کہ ان کی خلقت پوری ہو' کھڑے ہونے کی نیت سے اچھل پڑے اور گرے' اسی پر خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَانَ الْاِنسَانُ عَجُولًا ٥

''اور انسان جلد باز ہے''۔

اسی لئے حق مہر میں بھی یہی ایک لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دو قسم کے حق مہر ہوتے ہیں' معجّل اور غیر معجّل۔ لفظ عجل اردو میں بھی عجلت کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فلاں عجلت کر رہا ہے' جلدی کر رہا ہے' حاضر ہے۔ وہی عجل اگر الف کے ساتھ ہو جائے یعنی 'اجل' تو عربی میں اس کے معنی مدت کے ہوتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے کہ یہ جو چیز انسانوں کے پاس حاضر ہے۔ یہ موجود ہے۔ اس دنیا کے انسانوں کے پاس اسے بڑا دوست رکھتے تھے۔ یعنی بہت زیادہ اسے پسند کرتے ہیں۔ یہ جو حاضر ہے اس دنیا کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں:

وَيَذَرُونَ الْآخِرَةَ اور اس دن کو جو اس کے بعد آنے والا ہے۔ جس کا یقین اتنا زیادہ ہے کہ ذات کبریا نے فرمایا:

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ٥ (سورہ القیامہ' آیت ۱)

''میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی''۔

اب اس سے بڑھ کر بھی یقین کی کوئی اور منزل ہو سکتی ہے کہ اس دن کا خالق قسم کھا کے کہہ رہا ہے۔ یعنی اس عالم کے بعد جو عالم آنے والا ہے تو بہت زیادہ سخت

دن ہے۔

اَیَحسَبُ اِلانسَانُ اَن اَلَنَّ نَجمَعَ عِظَامَہٗ (القیامہ' آیت ۲)

''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟''

بہت سخت دن ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں اور ماحضر کو پسند کرتے ہیں جو موجود ہے۔ اور جو دن آخرت کا آنے والا ہے۔ وہ سخت دن ہے۔ اسے چھوڑتے ہیں یعنی اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

میرے پاس ایک مومن کا رقعہ آیا ہے جس میں علم غیب کا مسئلہ دریافت کیا گیا ہے۔ (میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس وقت سے فائدہ اٹھاؤں کہ شاید کسی کی زندگی بدل جائے اور ممکن ہے کہ وہ میری بخشش کا سبب بن جائے)۔

علم غیب کا مسئلہ کیا ہے؟ دراصل لوگوں کو پتہ نہیں ہوتا اور وہ اس پر بحث شروع کر دیتے ہیں۔ روایات میں یہ مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ میں نے محرم کی مجالس میں یونہی عرض کیا تھا۔ ایک علم ہوتا ہے جو انسان کسی سے لیتا ہے۔ اور ایک علم وہ ہے جو انسان کسی سے حاصل نہیں کرتا۔ دنیا میں جتنے علوم ہیں خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی ہوں' یہ بہر حال ذات الٰہی کے لئے علوم غیب نہیں ہوتے۔ اور انسانوں کی پیدائش کے وقت ان میں نہیں ہوتے۔ انسان پیدائش کے وقت کچھ نہیں جانتا تھا۔

وَاللّٰہُ اَخرَجَکُم مِّن بُطُونِ اُمَّھٰتِکُم لَا تَعلَمُونَ شَیئًا ۝

(سورۃ النمل' آیت ۷۸)

''اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس طرح نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے''۔

پنجابی میں جس طرح کہہ دیتے ہیں کہ تم لکھ بھی نہ جانتے تھے۔ اور بعد میں خواہ وہ دنیاوی علوم ہوں، مدارس میں جائے گا، کالجوں میں جائے گا، پڑھے گا۔ اور ہم جنہیں دینی علوم کہتے ہیں، عربی مدارس میں جائے گا۔ جتنے پیغمبر ہیں؟ یا دنیا میں جتنے لوگ ہیں ان کا علم ذاتی نہیں ہے۔ ان کا علم اللہ کی طرف سے ہے۔

اب اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک ہے، کسبی علم یعنی وہ کہ جنہیں انسان حاصل کرے گا تو آئیں گے۔ اگر حاصل نہیں کرے گا تو نہیں آئیں گے۔ پڑھے گا تو آئیں گے۔ نہیں پڑھے گا تو نہیں آئیں گے۔ اس کے اصل معنی یہی ہیں کہ انسان مدارس میں جا کے حاصل کرتا ہے، کسب کرتا ہے اور بعض علوم وہبی ہوتے ہیں اور وہ بغیر پڑھے پڑھائے ملتے ہیں، بغیر پڑھے پڑھائے کے جو علم ہے نا وہ صرف انبیاء کو اور ان کے جانشینوں کو ملتا ہے۔ وہ کسی مدرسے میں نہیں جاتے، درس نہیں پڑھتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ایک خاص ذریعہ سے (جسے ہم وحی کہتے ہیں) ملک کے ساتھ، فرشتے کے ساتھ (وہی ذات بہتر جانتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے) کبھی بغیر واسطے کے، جسے کہتے ہیں غیب۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یا ذہن میں اتار دیتا ہے۔ اور وہ صرف انبیاءؑ یا معصومینؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کئے ہوئے ہیں۔

بعض اوقات بعض لوگوں کا وہم دور کرنے کے لیے یہ سمجھایا جاتا ہے کہ ہمارا علم ذاتی نہیں ہے۔ انبیاء فرما دیتے ہیں کہ اگر ہمیں اللہ دے تو ہم جانتے ہیں اور اگر نہ دے تو ہمیں بھی پتہ نہیں ہوتا۔ یا جیسے بعض انبیاء نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے گھر میں کیا چیز پکائی گئی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ تم گھروں میں کیا کھاتے ہو ہم جانتے ہیں۔ بعض اوقات کہتے ہیں کہ اگر اللہ ہمیں علم نہ دے تو ہم نہیں جانتے۔

جیسے آئمہ علیہم السلام کے زمانے میں لوگ ان سے مختلف قسم کے سوالات

کرتے تھے۔ جیسے کہ یہ چیز مسلم ہے کہ انبیاءؑ اور معصومینؑ سے کسی علم کے متعلق سوال کیا جائے (خواہ وہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے متعلق) یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کہیں کہ میں نہیں جانتا۔ اگر نہیں بھی ہوتا تو اللہ اسی وقت اپنے ولی کو علم عنایت فرما دیتا ہے اور کبھی ایسا موقع نہیں آتا کہ وہ شرمندہ ہو' چونکہ اللہ کا نمائندہ ہے۔

یہ روایتیں جو آپ لوگوں نے کہیں دیکھی ہیں یا کتابوں میں ہیں کہ معصومؑ فرما دیتے ہیں کہ میں تو گھر کی چیزیں بھی نہیں جانتا جب تک کہ اللہ مجھے علم نہ دے۔ یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت بتلانا مقصود ہوتی ہے اور اپنی احتیاج بتلانا ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے محتاج ہیں۔ علم ہمارا ذاتی نہیں ہے۔ جو اللہ کا علم ہے ویسا ہمارا علم نہیں ہے۔ جو یہ گمان کرلے تو یہ روایتیں ان چیزوں سے معمور ہوتی ہیں۔ ہمارے علماء جو ہیں نا وہ تو انہیں کو یاد کرتے ہیں۔ ورنہ اگر میں اسی میں بحث کرنے لگ جاؤں تو بہت لمبا وقت لگ جائے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لاؤ' میرے دو گھوڑے پتہ ہی نہیں کہاں ہیں' کہاں نہیں ہیں۔ یہ بھی یہی ہے کہ ہم علم میں اللہ کے محتاج ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام اپنی بیٹی کے گھر جاتے ہیں۔ حسنینؑ شریفین گھر میں موجود نہیں' کہیں باہر چلے گئے ہیں' معلوم ہی نہیں کدھر گئے ہیں۔ آنحضرتؐ انہیں ڈھونڈنے کے لیے نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیج کے بتلایا فلاں جگہ ہیں۔ یہ چیزیں اس لئے ہوتی ہیں کہ لوگوں کے ذہن میں یہ نہ بیٹھ جائے کہ ہم ہی خدا ہیں۔ اور یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارا علم ایسے ہے جیسے خدا کا علم ہے۔ یہ نفی کرنے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اشتباہات کو جو جا کے لوگ پوجتے ہیں' یہ مراد ہوتی ہے ان روایات سے۔ (صلواۃ پڑھ لیں)

بہرحال قیامت کے متعلق پھر میں اسی موضوع کے متعلق عرض کروں گا۔ قیامت جیسے کہ میں نے کل عرض کیا تھا۔ اگر آپ بھی قرآن مجید پڑھیں اور آیات کا

ترجمہ بھی پڑھیں تو بھی انسان کے لیے کافی مواد مل جاتا ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جس دن (یوں جانیں) افراتفری کا عالم ہوگا۔ قرآن میں آیا ہے باپ بیٹے کو نہیں پوچھے گا۔ بیٹا باپ کو نہیں پوچھے گا۔ ماں بیٹی سے نہیں واقف ہوگی۔ بیٹی ماں کو نہیں پہچانے گی۔ ہر آدمی اپنے اپنے اعمال ہی کی فکر میں غرق ہوگا' جو کچھ انسان کر چکا ہے۔ نیک علیحدہ ہوں گے بد علیحدہ ہونگے۔ اور وہاں پر ہر آدمی کو اپنا حساب دینا ہوگا۔ یہ ایک ایسا عالم ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے ہم قیامت کہتے ہیں۔

قیامت ''قیام'' سے مشتق ہے۔ قیام کے معنی کھڑا ہونا یعنی برپا ہونا ہے۔ ایک ایسا دن۔ دن سے بھی جو تعبیر کرتے ہیں یہ دراصل لفظوں کی کوتاہی ہوتی ہے۔ دن یا رات وہاں ہے ہی نہیں۔ جیسے میں نے عرض کیا ہے۔ وہاں نہ سورج ہوگا نہ چاند ہوگا' وہاں تو نور ہی نور ہوگا۔ وہاں عالم ہی ایک اور ہوگا۔ ان شاء اللہ اگر وقت ملا تو عرض کروں گا۔ ہاں تو ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ کیا پچاس ہزار سال کے بعد رات آجائے گی؟ نہیں' وہاں رات تو آنی ہی نہیں ہے۔ ایک اندازہ انسان کو بتلانا ہے۔ یہاں کی دنیا کے لحاظ سے' جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں۔ اس دنیا کو تم دن رات چوبیس گھنٹے کو کہتے ہو۔ اسی چوبیس گھنٹے کے لحاظ سے آپ جب دیکھیں گے تو پچاس ہزار سال کا دن۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ انتہائی سخت دن ہوگا۔ ثقیل کے معنی سخت کے ہیں۔ ایسا سخت دن ہوگا جس کو دنیا میں انسان بھولا ہوا ہے۔ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لوگ۔ ہم نے ان کو بھیجا تھا اس دنیا میں تاکہ کمال حاصل کریں۔ ہمارے احکام کی' اور ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں اور ان کے احکام پر عمل کریں تاکہ یہ عمل ان کو اس دن کے لیے کام آئے جس دن انہوں نے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ جس زندگی میں موت نہیں ہے۔ جہاں زندگی ہی زندگی ہے۔ برے قسم کے لوگوں کی بری زندگی۔ حسینؑ بھی رہے گا اور یزید بھی رہے گا۔

اچھوں کی اچھی زندگی۔ وہاں موت ختم ہوگئی ہے۔ موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ وہ دن جو اتنا ثقیل ہوگا۔

ذات کبریا نے سورۃ الاعلیٰ میں انسان کی توجہ آخرت کی طرف دلاتی ہے:

بَل تُوثِرُونَ الحَیٰوۃَ الدُّنیَا ○ وَالاٰخِرَۃُ خَیرٌ وَّاَبقٰی ○

''لیکن تم زندگانی دنیا کو مقدم رکھتے ہو''۔ حالانکہ آخرت زیادہ اچھی اور زیادہ باقی رہنے والی ہے''۔ (آیت ۱۶-۱۷)

ایک اور مقام پر انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الحَیٰوۃُ الدُّنیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُم بِاللّٰہِ الغَرُورُ ○ (سورہ الفاطر' آیت ۵)

''اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے' پس زندگانی دنیا تم کو فریب نہ دے۔ اور کوئی دغاباز اللہ کے بارے میں تم کو دغا نہ دے''۔

مطلب یہ ہے کہ انسان نے آخرت کو بھلا دیا ہے اور دنیا کو اپنا مطمع نظر اور مقصد قرار دے رکھا ہے''۔

میرے پاس وقت ہے ایک دو دن اپنے سننے والوں اور دوستوں کے لیے' قیامت کے متعلق ہی عرض کروں گا تاکہ مومنین کی معلومات میں اضافہ ہو۔ خود لفظ قیامت بحث طلب ہے۔ اس دن یا اس عالم کے لئے کئی لفظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس عالم کے ان ناموں سے دراصل ان کیفیات کا پتہ چلتا ہے جو اس عالم کی ہوں گی' جو کہ اس دن انسان کے سامنے آئے گی۔ آپ روزانہ کئی بار سورۃ الحمد پڑھتے ہیں نمازوں میں۔ کسی کا انتقال ہو جائے تو فاتحہ خوانی کے طور پر اس میں ایک لفظ آتا ہے۔ مٰلِکِ یَومِ الدِّین ۔ یوم کے معنی دن یعنی دین کے دن کا مالک۔ معلوم ہوا کہ قیامت کا ایک نام دین بھی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ مالک ارض۔ بلکہ کہا

مٰلِکَ یَومِ الدِّین ۔اب دین کے متعلق۔ دین سے مراد احکام۔ یہ جزا کا دن ہے' وہاں پاداش کا دن ہے۔ وہاں انسان کو حاصل عمر مل جائے گی۔ وہاں حاصل کا دن ہے۔ وہاں ثمرہ اٹھانے کا دن ہے۔ یہ لفظ مٰلِکَ یَومِ الدِّینِ سے۔ دین کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

اس دن کو یوم الحساب کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ جو عالم ہوگا' حساب کا عالم ہوگا۔ جیسے روایات میں ہے کہ اس دنیا میں عمل ہے۔ جو مرضی ہے تمہیں اختیار دے دیا گیا اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ جو مرضی ہے کرو۔ اَلیَومَ عَمَلٌ وَلاَ حِسَابٌ ۔اس دن پوچھے گا' حساب تم سے کوئی نہیں لے گا۔ غَداً حِسَابٌ وَلا عَمَلٌ ۔کل والا دن کل یعنی کہ قیامت کو حساب ہوگا' عمل نہیں ہوگا۔ آج اگر تم اپنے عمل کا تدارک کرنا چاہو تو یہاں کر سکتے ہو لیکن اگر وہاں چاہو کہ اپنے عمل کا تدارک کرو کہ ہم خدا سے کہیں کہ جناب مجھے تھوڑی سی مہلت دو میں اپنے آپ کو ٹھیک کر لیتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے وہاں یہ نہیں ہوگا۔ مثلاً میں نے فلاں کا قرض دینا ہے اب اجازت دے دیجئے تا کہ ادا کرسکوں۔ وہاں پر یہ گنجائش نہیں ہے کہ اس کا تدارک کرسکو اور کفارہ کرسکو' وہاں صرف حساب ہوگا۔

اس دن لوگ کہیں گے کہ کاش آج ہم مٹی ہوتے' انسان نہ ہوتے۔ اس دن بعض خواہش کریں گے خدایا ہمیں اس دنیا میں واپس بھیج دے۔ اب کے ہم گئے تو ساری عمر اطاعت ہی اطاعت کریں گے۔ نافرمانی نہیں کریں گے۔

خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ ان کی خواہش ہے' یہ ان کی تمنا ہے۔ یعنی یہ مجھ خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم انہیں واپس بھیج دیں گے تو یہ اطاعت کریں گے۔ اگر ہم انہیں واپس بھیج دیں تو بھی یہ وہی کام کریں گے' جو اب کر کے آئے ہیں۔ پھر بھی وہاں یہی کریں گے۔ صلواۃ

اب وہاں لوگ شروع کر لیں گے کہ کاش ہمیں دوبارہ اس دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم عمل صالح کریں، ہم اطاعت کریں گے۔ ہم نے اس دنیا میں دیکھا ہے، آپ نے بھی اندازہ لگایا ہوگا۔ اپنے نفس کو بھی دیکھ لیں، یہ کہ انسان پر مختلف دور آتے ہیں۔ مثلاً کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، کسی مرض میں گرفتار ہو جائے تو اس وقت بڑا گڑگڑا کے دعائیں مانگتا ہے۔ خدایا مجھے اس سے چھٹکارا دے، پھر تیری اطاعت ہی اطاعت ہوگی۔ ہاں جب چھٹکارا ہو جاتا ہے تو ایک دو دن تو تائب رہتا ہے پھر وہی کام شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب کسی انسان پر موت وارد ہوتی ہے۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کرتے ہیں تو میت کو کاندھوں پر اٹھاتے ہیں اور قبرستان تک لے جاتے ہیں۔ قبر میں اتار دیتے ہیں تو اس وقت تھوڑا سا موت کا خوف ذہنوں پر چھا جاتا ہے۔ لیکن پھر ایک دو دن کے بعد وہی پہلے والی حرکتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

خداوند عالم کی ذات نے ایک مثال کے ذریعے اسی مطلب کو اپنی کتاب میں بتلایا ہے کہ جب یہ سمندر میں کشتی پر سوار ہوتے ہیں اور وہ گرداب میں ڈانواں ڈول ہو جاتی ہے تو پھر خدا یاد آ جاتا ہے۔ خدا، خدا شروع کر دیتے ہیں اور جب کشتی کنارے لگ جاتی ہے اور یہ اتر کر خشکی پر آ جاتے ہیں۔ پھر سارے کام بھول جاتے ہیں، جو انہوں نے کئے تھے۔ اسی طرح سے انسان مال کی بڑی تمنا کرتا ہے۔ (خداوند عالم آپ کی اچھی تمنائیں پوری کرے)۔ یہی آدمی بچپن میں تھوڑا سا مال مل جائے تو کہتا ہے اگر اللہ مجھے اتنا مال دے دے تو بہترین مسجد بنواؤں گا۔ عالیشان امام باڑہ بنواؤں گا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب مال مل جائے تو وہ کام بجائے خود رہے، انسان حق دار کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ مال کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ اس قیامت کا ایک نام ''یوم الحساب'' ہے، ''یوم الدین''

ہے۔ میں نے آج آپ کے سامنے دو تین مطلب عرض کرنے ہیں۔

ایک ان میں سے قیامت کے الفاظ میں ''یوم الحق'' ہے۔ یعنی وہ حق کا دن ہوگا۔ یہ لفظ حق عربی کے لحاظ سے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی میں نے کل عرض کیا تھا کہ عربی اتنی وسیع زبان ہے کہ ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ استعمال کی مناسبت سے جو صاحب زبان ہوتا ہے سمجھ جاتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ تو یوم الحق، حق کے کئی معنی ہیں۔ ایک تو حق کے معنی ہیں جھوٹ کے مقابلے میں حق۔ یہ مطلب ناحق بات کا ہوگا، یعنی جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ میں حق کہہ رہا ہوں، یعنی سچ کہہ رہا ہوں۔ حق کبھی سچ کو کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں جھوٹ ہوتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے: قیامت سچ ہے جھوٹ نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبروں میں جتنے آئے ہیں ہر ایک نے یہی بتلایا کہ قیامت آئے گی، قیامت آئے گی، قیامت آئے گی۔ یہ کہتے رہے اور تم اسے سچ نہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم ان کے کہنے کو یوں نقل کرتا ہے:

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ

(سورہ المطففین آیت ۱۳)

''جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہیں''۔

قال اساطیر الاولین ۔ کہتے تھے یعنی ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو یہی بتلایا گیا تھا کہ قیامت آئے گی۔ لیکن ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک قصہ ہے، یہ ایک کہانی ہے۔ نہ ہونے والا مطلب ہے۔ اللہ فرماتا ہے یہ ہونے والا مطلب ہے۔ یہ سچ ہے۔ جب کوئی حقیقت واقعہ کے مطابق ہو جائے تو اسے کہتے ہیں حق۔ میں فکر کے

لیے مثال دے رہا ہوں فرض کر لیجئے کہ بازار میں کوئی قتل ہوگیا ہے' یا خدانخواستہ کوئی تصادم ہوگیا ہے' کوئی ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے' اگر کوئی آ کر بتلائے۔ اور وہی ہو جو بتلانے والے نے آ کر بتلایا ہے' اسے کہتے ہیں حق یعنی واقعہ کے مطابق ہے اور اگر وہاں کچھ ہوا ہو اور یہ آ کے کچھ بتلائے تو اسے کہا جاتا ہے جھوٹ یعنی واقعہ کے مطابق نہیں ہو رہی بات۔ تو خدا یہ فرماتا ہے جو کچھ میرے انبیاء نے کہا ہے اور جو کچھ انہوں نے بتلایا ہے اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے جو کچھ قرآن کہتا ہے کہ قیامت میں تمہارا حساب ہوگا۔ یہ قیامت کا آنا حق ہے۔ اسے تم جھوٹ نہ سمجھنا۔ اسے واقعہ سمجھنا۔ اسے خلاف واقعہ نہ سمجھنا۔ حق ہے یہ جھوٹ نہیں ہے۔ ایک جگہ تو حق اس معاملے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور قیامت میں بھی جائیں گے تو مراد یوم الحق صحیح ہے غلط نہیں ہے۔ واقعہ ہے جھوٹ نہیں ہے۔ پیغمبروں کو جھوٹا نہ سمجھنا جو کچھ انہوں نے کہا ہے یہ سچ ہے۔ تمہارا علم اسے درک کر سکے یا نہ کر سکے۔ تمہاری سائنس اسے ثابت کر سکے یا نہ کر سکے۔ یہ حقیقت ہے' واقعہ ہے' یہ حقیقت کے خلاف نہیں ہے۔ حق کے معنی ایک تو یہ ہوتے ہیں۔

اور ایک حق کے معنی ہیں عدالت کے۔ اگر انسان کسی چیز میں کسی کے ساتھ انصاف کرتا ہے تو اسے بھی حق کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہوتا ہے ظلم۔ یعنی جس کا جتنا حق بنتا ہے اگر اسے دے دیا جائے تو عدالت' اگر اسے نہ دیا جائے تو ظلم۔ اللہ فرماتا ہے یہ یوم الحق ہے' وہاں پر جو ہوگا عدالت ہی عدالت ہے' ظلم کا شائبہ تک نہیں ہے کہ کسی ایسے آدمی کو ایسی سزا دی جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو۔ یا کسی آدمی کو ایسا فائدہ دیا جائے' جزا دی جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

ذَالِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیدِیکُم وَاَنَّ اللّٰهَ لَیسَ بِظَلَّامٍ لِّلعَبِیدِ ○

(سورہ آل عمران، آیت ۱۸۲)

''تمہارے ہاتھوں جو کچھ ہو چکا یہ اسی کا بدلہ ہے اور یقیناً اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے''۔

یہ اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے۔ تیرا اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ حق ہے یعنی ظلم نہیں ہے۔ وہاں پر عدل ہی عدل اور انصاف ہی انصاف ہوگا ظلم نہیں ہے۔ اسی واسطے ہمارے آئمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے:

اَللّٰھُمَّ عَامِلنَا بِفَضلِکَ وَلَا تُعَامِلنَا بِعَدلِکَ

''دعا مانگا کرو۔ اے میرے اللہ! میرے ساتھ قیامت کے روز فضل اور کرم کا معاملہ کرنا۔ مجھ پر اپنا کرم اور عنایت کرنا عدالت نہ کرنا''۔

چونکہ عدالت اگر کرے گا تو دنیا میں سوائے معصوم کے کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو، جس نے کوئی ایسی معصیت نہ کی ہو۔ اگر عدالت پہ آ گیا تو کوئی انسان نہیں بچ سکے گا۔ لہذا امام علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلانے کے لیے فرمایا کہ اللہ سے اپنے رحم اور فضل کی دعا مانگا کرو، عدل کی دعا نہ مانگا کرو چونکہ ظلم تو وہاں ہے ہی نہیں۔ (صلواۃ پڑھ لیں)

ایک تو حق کے معنی عدالت کے ہیں۔ عدالت ابھی عرض کروں گا۔ عدالت آپ یوں نہ سمجھئے کہ عدالت کے معنی کسی کو چھوڑ دینا ہیں۔ اس عالم میں یہ قیاس عدالت ہے۔ عدالت کے معنی یہ نہیں کہ کسی کو نامناسب طریقے سے سزا دینا۔ یہ عدالت کے خلاف ہے۔ یعنی اللہ کسی کو عذاب دے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو۔ یہ عدالت کے خلاف ہے۔ لیکن کسی پر ترس سے رحم کر دے تو یہ عدالت کے خلاف نہیں

ہے۔ چونکہ جس کی ہم نے معصیت کی ہے اس ذات کے لیے یہ بات کرم اور فضل ہے، اگر ہمیں وہ معاف کردے۔ حق کا دینا ضروری ہے۔ یعنی حق کا لینا جو ہے نا یعنی جو حق مانگے گا اس کا لینا صحیح ہے لیکن اگر بخش دے تو بخش دینا عدالت کے خلاف نہیں ہے۔ عفو و کرم اللہ کا عدالت کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن جسے سزا دے گا وہ اس کا مستحق ہوگا۔ غیر مستحق کو کبھی بھی سزا نہیں دیتا۔ چونکہ حق کے معنی عدل اور انصاف کے ہیں۔ قیامت یَومُ الحَقّ ہے۔ عدل اور انصاف کا دن۔ وہاں بقول کسی کے ظلم نہیں ہوگا۔ غیر مستحق کو سزا ملے یہ نہیں ہوگا۔ یہ دو معنی آپ کے ذہن مبارک میں آئے؟

اب انہی دو معنوں کے لحاظ سے پیغمبر علیہ السلام کی اس حدیث کو دیکھیں کہ جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

اَلحقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ

''علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے''

اس حدیث مبارکہ سے آپ سمجھ لیں۔ حق کے ایک معنی ہیں سچ اور واقعہ کے مطابق ہونا۔ علیؑ کی گفتار، علیؑ کا کردار، دنیا کا ہر کام سچا ہے کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے کسی شعبۂ زندگی میں جھوٹ نہیں ہے۔ خلاف واقعہ ہو یہ کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔ جو بھی کرتے ہیں واقعہ کے مطابق۔ کسی پر تلوار چلاتے ہیں تو وہ سزاوار ہے کہ اس پر تلوار چلائی جائے۔ اگر کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو وہ سزاوار ہے کہ اُس پر ناراض ہوا جائے۔ اور اگر کسی سے راضی ہوتے ہیں تو وہ مستحق ہے راضی ہونے کا۔ علیؑ معیار ہے سچائی کا، صداقت کا۔ اگر واقعہ تک پہنچنا ہو تم نے بھی تو علیؑ کے کردار کو سامنے رکھو۔ یہ تو تمہاری اپنی سوچ ہے کہ علیؑ سے لڑنے والا بھی حق پر اور علیؑ سے جو لڑ رہے ہیں وہ بھی حق پر۔ انہوں نے علیؑ کو ہم جیسا سمجھا ہے۔ جیسے ہم ناجائز کبھی لڑ پڑتے ہیں۔ علیؑ کا ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں نہیں لڑنا ہوتا تئیس

(۲۳) سال تک بیٹھے رہتے ہیں۔ لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ علیؑ فلاں اور فلاں کے ساتھ نہیں لڑے۔ آیا لڑنا علیؑ کا اپنے اختیار میں تھا۔ اپنی قدرت میں تھا جو چاہتے کرتے۔ اگر حکم الٰہی ہوا ہے کہ لڑو۔ تو ایسے لڑے کہ دنیا نے دیکھ لیا اور اگر حکم الٰہی ہے کہ بیٹھ جاؤ تو ایسے بیٹھے کہ دنیا دنگ رہ گئی کہ ایسا شجاع انسان، ایسا بہادر انسان اور کسی کو کچھ بھی نہیں کہتا ہے۔

میرے قبلہ! لوگوں نے امیرالمومنینؑ کو پیغمبر علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ دنیاوی معیار پر دیکھنا شروع کیا ہے۔ تب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ معاملہ ہو اللہ کا اور یہ کام کرے اللہ کی مرضی کے خلاف؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ محال ہے۔ لہٰذا وہاں لڑے جہاں لڑنے والوں کے حوصلے ختم ہو گئے تھے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ خندق کے واقعہ میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج بیٹھی ہوئی تھی اور ایک آدمی کے مقابلے کے لیے جانے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اس وقت کی تصویر ذاتِ کبریا نے یوں کھینچی ہے:

اِذ جَآءُ وکُم مِّن فَوقِکُم وَمِن اَسفَلَ مِنکُم وَاِذ زَاغَتِ الاَبصَارُ وَبَلَغَتِ القُلُوبُ الحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَاo

(الاحزاب، آیت ۱۰)

"(اس وقت کو یاد کرو) جبکہ تم پر بلندی کی طرف سے بھی آئے اور پستی کی طرف سے بھی اور جب مارے ڈر کے تمہاری آنکھیں کج ہو گئیں اور تمہارے کلیجے منہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے"۔

ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ہے کوئی جو میرے مقابلے میں آئے۔ اور مسلمانوں کی فوج جو کم از کم تین ہزار بتلائی گئی ہے۔ پھر خصوصاً تاریخیں بھی انہی کے ہاتھ میں

تھیں جن کے ہاتھ میں حکومت۔ اور وہ ہوں بھی ان کے اور انہی کو پسند کرتے تھے۔ اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جاتا تو تاریخ ضرور لکھ دیتی۔ وہاں علیؑ کی عمر ۲۲، ۲۴، ۲۵ سال کی بنتی ہے۔ اور رسولؐ اقدس کے انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً چون (۵۴) سال ہو جاتی ہے۔ اور وہ لوگ جن کی آنکھیں خندق کے میدان میں کج ہو گئی تھیں وہ آج علیؑ کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ اس دن کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور آج بڑی شجاعت دکھا رہے ہیں اقتدار کی ہوس میں۔ اس وقت علیؑ عالم شباب میں تھا لیکن اب گھر میں خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ کیا بدنی کمزوری سد راہ ہے؟ ہرگز نہیں، چونکہ ۳۵ ھ میں آپ کو ظاہری اقتدار ملتا ہے اور سنہ ۴۰ھ میں آپ کی شہادت ہو جاتی ہے، تو اب پھر علیؑ لڑ رہے ہیں۔ جیسے کئی دفعہ میں نے پڑھا ہے کہ حنین کے مقام پر سب نے مل کر ایک میٹنگ کی کہ سارے مل کر ہم اگر صرف علیؑ کو ختم کر دیں تو جنگ ختم ہو جائے گی۔ جیسے آج بھی دنیا بولتی ہے اگر خمینیؒ ختم ہو جائے تو جنگ ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ انہیں یہ وہم ہے یہ علیؑ کا فرزند ہے، حسینؑ کا فرزند ہے مل کر حملہ کرتے ہیں۔

میں نے کتابوں میں دیکھا ہے حالانکہ دوسروں نے لکھا ہے کہ تیس یا چالیس ہزار کی فوج یکدم حملہ کرتی ہے حضرت علی علیہ السلام پر۔ علیؑ شمشیر بکف ہوتے ہیں۔ مقابلے کے لیے نکلتے ہیں۔ حملے کی صورت یہ ہے کہ آپ میمنہ کو میسرہ پر پھینکتے ہیں۔ میسرہ کو میمنہ پر پھینکتے ہیں اور قلب لشکر میں چکی کی طرح ان کو چکر دیتے ہیں اور سارے کے سارے تقریباً اپنے مقام سے بھاگ جاتے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

آج وہی ہاتھ ہے، وہی تلوار ہے، جو چھبیس سال کی عمر میں تھی۔ لیکن تیئس سال کا عرصہ پورا گزر جاتا ہے۔ علیؑ کائنات میں کسی کے ساتھ نہیں لڑتے۔ چونکہ حکم یہی تھا کہ اس دور میں لڑائی کا --- عمرو ابن عبدود کا قتل کا نتیجہ جو ہے نا وہ ختم ہو جائے گا۔

میرے بھائیو! اس واسطے کہ ابھی اسلام ابتدائی مراحل میں تھا۔ کہیں اسلام ہی ختم نہ ہو جائے۔ چونکہ علیؑ اور اسلام نے قیامت تک چلنا ہے۔ اور قیامت تک اسلام کی حفاظت اسی میں ہے کہ علیؑ وہاں چپ رہیں۔ اور ہمارے بھائی بعض اوقات نہیں سمجھتے کہ پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد لکھا ہے سارے لوگ مرتد ہو گئے مگر تین یا چار رہ گئے۔ انہوں نے مرتد کے معنی سمجھے ہیں کہ کافر ہو گئے۔ وہ ایسا سمجھتے ہیں اور پھر شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ارتداد کے معنی ہوتے ہیں ہٹ جانا۔ دین سے ہٹے گا تو کافر اور اگر جنگ سے ہٹے گا تو وہ بھی کافر۔ یہ بات غلط ہے۔ ارتداد کے معنی ہوتے ہیں پیچھے ہو جانا۔ وہاں ارتداد الناس سے مراد یہ ہے کہ غدیر کے دن جتنے لوگوں نے علیؑ کی بیعت کی تھی۔ پیغمبر علیہ السلام کے بعد سارے اس بیعت سے پھر گئے۔ صرف چار آدمی باقی رہ گئے۔ ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ سارے نہیں پھرے تھے۔ کسی نے علیؑ کی بیعت کی پیغمبر علیہ السلام کے بعد کسی نے نہیں کی۔ صرف چار آدمی علیؑ کے ساتھ رہ گئے تھے۔

بہر حال علیؑ حق ہے اس معنی کے لحاظ سے کہ جو کچھ کرتا ہے واقعہ کے مطابق کرتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ ہے۔ یعنی علیؑ عادل ہے جو بھی فیصلہ کرے گا عدالت کے مطابق کریگا۔ علیؑ کی قلم میں، زبان میں، ہاتھ میں، ظلم ہے ہی نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے عدل ہی عدل کرتا ہے۔ انصاف ہی انصاف کرتا ہے۔ ظلم کا وہاں تصور ہی نہیں ہے۔ یہ ہیں معنی:

عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ وَالحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ.

''علیؑ حق کے پیچھے ہے حق علیؑ کے پیچھے ہے''۔

یعنی کہ اس کا وجود مجسم عدل ہے، نہ اس میں ظلم ہے اور نہ اس میں جھوٹ ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے واقعہ کے مطابق کرتا اور کہتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

میرے قبلہ!

اس سے بڑی گارنٹی کیا ہوسکتی ہے؟ اس سے بڑی کسی کی زندگی کی بلندی کیا ہوسکتی ہے؟ کہ پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ وَالحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ.

اگر صفین میں ہے تو بھی حق علیؑ کے ساتھ اور اگر گھر میں بیٹھا ہے تو بھی حق علیؑ کے ساتھ۔ اگر حق دیکھنا ہے تو اسؑ کے پیچھے آؤ۔ یعنی روایت میں ہے کہ تم علیؑ کے پیچھے چلو' آگے چلنے کی کوشش نہ کرو۔ چونکہ اگر آگے چلو گے تو تجاوز کر جاؤ گے۔ لٰہذا علیؑ کے پیچھے چلو۔

ایک قیامت کے معنی ہیں یوم الحق۔ اور حق جب آئے گا وہاں پر۔ اور میں یہ آپ کو بتلادوں ہماری روایات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔ کہتے ہیں رزق کیا خود دیتا ہے؟ اسؑ نے زمین پیدا کی ہے۔ رزق کے اسباب بنائے ہیں۔ اللہ فیصلہ کرے گا۔ کیا اللہ خود فیصلہ کرے گا؟ علی علیہ السلام نے خود فرمایا ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے بھی فرمایا: جتنے فیصلے ہوتے ہیں وہاں پر فیصلے کرنے والی یہی ذات مقدس ہوگی' جو ان کے نمائندے ہیں۔ یہی ذات ہوگی چونکہ حق ہے۔ یہاں بھی حق ہے اس زمین پر بھی وہاں اس جگہ پر بھی حق ہے۔ اللہ کہے گا کہ علیؑ ہم نے تمہیں وہاں بھی قاضی بنایا تھا لوگوں کے درمیان حق کا۔ یہاں بھی بیٹھ کر فیصلہ کرو۔ میں انشاء اللہ روایت پڑھوں گا۔ یہ آیت ہے قرآن مجید کی کہ جناب امیر علیہ السلام کیسے فیصلے کریں گے؟ آئمہ علیہم السلام کیسے فیصلے کریں گے؟

بہرحال ایک نام ہے قیامت کا یوم الحق۔ قیامت حق ہے ایمان لاؤ اور پیغمبروں کو کبھی یہ نہ کہو کہ انہوں نے جو ہمیں وعدہ دیا ہے قیامت کا وہ خلاف واقعہ ہے۔ اسی واسطے آتا ہے قرآن مجید میں:

وَيَومَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَومَئِذٍ يَّتفرَّقُونَ ٥ فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُم فِى رَوضَةٍ يُّحبَرُونَ ٥

(سورہ روم' آیت ۱۴-۱۵)

''اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن سب الگ الگ ہو جائیں گے۔ بس وہ لوگ جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے ان کا تو (باغ) بہشت میں اعزاز و اکرام اور احترام کیا جائے گا''۔

ہم بھی پوچھتے ہیں جب کسی مومن کو قبر میں اتار دیتے ہیں تو اس کی تلقین کے لیے پڑھتے ہیں: اے منتقل ہونے والے سن اور سمجھ قیامت حق' منکر' نکیر حق' یوم القیامت کیا ہے؟ حق ہے۔ حساب کتاب کیا ہے؟ حق ہے۔ یعنی یہ واقعہ ہے۔ اب مرنے والے کو تو بتلانا پھر تلقین ہی کرانا ہے۔ وہ تو دیکھ رہا ہے اب حق ہی حق ہے۔ یہاں زندہ کو اصل میں بتلانا ہے کہ یہ حق ہے کبھی اس کے متعلق تردد نہ کرنا۔

دوسری چیز دوسرا نام قیامت کا۔ توجہ فرمائے گا! ارشاد رب العزت ہے:

یوم تبلے الرسم آئر ٥ (سورہ الطلاق 'آیت ۹)

''جس دن پوشیدہ باتیں جانچی جائیں گی''۔

قرآن مجید میں قیامت کا ایک نام تبل السرائر ہے۔ سِر کہتے ہیں راز کو۔ اندرونی چیز جو انسان کے اندر ہے اسے کہتے ہیں سِر۔ اس کے مقابلے میں ہے ظاہر۔ باطن سر اندر والی چیز ہے۔ قیامت میں ہوگا کہ سارے کے سارے راز باہر نکل آئیں گے۔ ظاہر ہو جائیں گے۔ ساری چیزیں سامنے آجائیں گی۔ جیسے میں نے کل عرض کیا تھا سارے کے سارے آج کل یہاں ایک دوسرے کے متعلق جو کچھ سوچتے رہو۔ یہاں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ وہاں انسان جب جائے گا۔ وہاں سارے

کے سارے راز انسان کے سامنے آ جائیں گے۔ میں سمجھ جاؤں گا آپ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ آپ سمجھ جائیں گے کہ میں آپ سے منافقت کرتا تھا۔ سامنے آ جائے گا۔ اب وہاں پر یہ مخفی نہیں رہے گا کہ سلام کرتے تھے ہم محبت اور پیار سے یا اندر کچھ اور تھا اور زبان پر کچھ اور۔ سر وہاں واضح ہو جائیں گے۔

امام علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سر واضح ہو جائیں گے کے معنی کیا ہیں؟ معصومؑ نے فرمایا: کسی نے جو نیک کام کیا ہے اس کی وجہ سے چہرے پر اس کے ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ ایک خاص نور پیدا ہو جائے گا کہ جو چمک کر بتلائے گا کہ یہ جو شخص ہے نا یہ اہل خیر ہے۔ اور باطن میں جو چھپایا ہوا ہے میرے لوگوں نے جو کام کرتے ہیں۔ کل میں نے عرض کیا تھا۔ ہر کام شکل میں آ جائے گا وہاں اس کے چہرے سے معلوم ہو جائے گا۔ قرآن مجید بھی کہتا ہے:

يَّومَ تَبيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسوَدُّ وُجُوهٌ فَاَمَّا الَّذِينَ اسوَدَّت وُجُوهُهُم اَكَفَرتَم بَعدَ اِيمَانِكُم فَذُوقُوا العَذَابَ بِمَا كُنتُم تَكفُرُونَ ۝ وَاَمَّا الَّذِينَ ابيَضَّت وُجُوهُهُم فَفِي رَحمَةِ اللّٰهِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ (آل عمران' آیت ۱۰۶-۱۰۷)

''اس دن کہ جب کچھ چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے' ارے! تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ اچھا تو اب عذاب کا مزہ چکھو اس کی سزا میں کہ تم نے کفر اختیار کیا اور جن کے چہرے نورانی ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

ایک غزوہ میں رسول خداؐ کے دانت بھی شہید ہوئے' سب ساتھ چھوڑ گئے' صرف علیؑ تھے جو آپ کی حفاظت بھی کر رہے تھے۔ اور کفار کا مقابلہ بھی کر رہے تھے۔

پیغمبر علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا: جب سب بھاگ گئے ہیں تو تم کیوں نہیں چلے گئے؟ عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کرلیتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے رسولؐ کو چھوڑنا جس طرح کفر اختیار کرنا ہے اسی طرح جس کے متعلق پیغمبرؐ فرما گئے:

یَاعَلِیُّ اَنتَ مِنّی بِمَنزَلَۃِ الرَّاسِ مِنَ الجَسَدِی

''اے علیؑ! تمھاری میرے ساتھ وہی نسبت ہے کہ جو سر کی جسم کے ساتھ ہے''۔

اس کے گلے میں رسی ڈالنا اور اسے وصی تسلیم نہ کرنا کفر کو اختیار کرنا ہے۔ وہاں چہرے سفید ہوں گے۔ چہرے سفید کن کے ہوں گے؟ اہل خیر کے۔ نیک لوگوں کے، اور چہرے سیاہ کن کے ہوں گے؟ وہ لوگ جو کفر بعد از ایمان لے آئے۔ (نعرۂ حیدری!)

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ وہ باطل فرقے ہیں۔ وہ غلط فرقے ہیں جو اپنی آراء اپنی اہواء کے لحاظ سے، خواہش کے مطابق فرقہ بنالیتے ہیں۔ اپنا اسلام بنالیتے ہیں۔ میرے قبلہ! اب ان لوگوں کو جب پتہ نہیں ہے۔ یہ جتنے قوانین بنیں گے اسلام کے خلاف یہ سیاہ کرنے والے چہرے ہیں۔ یہ جان کر چہرے سیاہ کریں گے۔ اور امام علیہ السلام بیٹھے ہوں گے اپنی کرسی قضاوت پر۔ یوں ہی تو نہیں لکھ دیں گے۔ یعنی پل سے کوئی نہیں گزرے گا مگر جسے حضرت علیؑ لکھ دیں گے۔ یہ ہماری روایت بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں نے عرض کیا تھا۔ یہ تمام مسلمانوں کے بہت بڑے اور ہمارے بھی قابل احترام ہیں ایک لحاظ سے۔ انہوں نے کہا ہے۔ علی علیہ السلام لکھ کر دیں گے۔ جو سفید چہرے ہوں گے۔ ملائکہ کو حکم دیں گے انہیں تو لے جاؤ ادھر۔ اور جو چہرے سیاہ ہوں گے انہیں لے جاؤں ادھر۔ اور پھر انسان کے اپنے ہاتھ میں

ہے۔ عجب ہے جب انسان مطالعہ کرتا ہے۔ خود اپنے ہاتھ میں نامہ اعمال آ جائے گا۔ جو کچھ کیا ہے وہ سامنے آ جائے گا۔ اور آج کا ماننا تو بڑا آسان ہے شاید سو سال پہلے ماننا بڑا مشکل تھا۔ ایک معمولی سی چیز ہے ایک گھنٹہ ہم تقریر یہاں کر جاتے ہیں۔ ساری کی ساری وہاں ضبط ہے (ٹیپ ریکارڈر)۔ اب تو شکل بھی ساتھ ضبط ہو جاتی ہے (ٹیلی ویژن)۔ اس میں چہرہ بھی نظر آ جاتا ہے اور قول بھی نظر آ جاتا ہے بولنا بھی۔ بعض علماء نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک حصہ ایسا رکھا ہوا ہے، جو وہ کرتا ہے اور جو سوچتا ہے وہاں جا کے نقش ہو جاتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا وہ سامنے نقش آ جائے گا۔ اس نقش کو پڑھنے والا امام ہوگا۔ جیسا اسے ادھر لے جاؤ اور اسے ادھر لے جاؤ۔ وہاں فیصلے میں اتنی آسانی ہوگی کہ ہر ایک کی فائل اپنے ہاتھ میں ہوگی۔ (نعرۂ حیدری)

اب ذات احدیت ارشاد فرماتی ہے:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝ وَمَا اَدرٰكَ مَا سِجِّينٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرقُومٌ ۝ (المطففین، آیت ۷، ۸، ۹)

''حق یہ ہے کہ یقیناً بدکاروں کا توشہ سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر ہے کہ سجین کیا ہے؟ وہ ایک لکھا ہوا نوشتہ ہے''۔

نیکوں کی فائل ان کے ہاتھ میں ہوگی، بروں کی کتاب ان کے ہاتھ میں ہوگی۔

یہاں پر حکومتیں بھی لوگوں کی فائلیں بناتی ہیں۔ گو ان کی نیت اور ہوتی ہے۔ ایک ہو گئے فجار اور ان کے مقابلے میں ایک طبقہ ہے ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الاَبرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝ وَمَآ اَدرٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝ كِتٰبٌ مَّرقُومٌ ۝ يَّشهَدُهُ المُقَرَّبُونَ ۝

(سورہ المطففین' آیت ۱۸-۲۱)

''حق یہ ہے کہ بیشک نیک لوگوں کا توشہ علیین میں ہوگا۔ اور تم کو کیا خبر ہے کہ علیون کیا ہے؟ وہ لکھا ہوا نوشتہ ہے۔ جس کو مقربانِ الٰہی دیکھتے رہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّكُنتُم اَزوَاجًا ثَلٰثَةً ○ فَاَصحٰبُ المَيمَنَةِ مَا اَصحٰبُ المَيمَنَةِ ○ وَاَصحٰبُ المَشئَمَةِ ○ مَا اَصحٰبُ المَشئَمَةِ ○ وَالسّٰبِقُونَ السّٰبِقُونَ ○ اُولٰئِكَ المُقَرَّبُونَ ○

(سورۃ الواقعہ' آیات ۷ تا ۱۱)

''اور تم تین گروہ ہو جاؤ گے۔ پس دائیں طرف والے کیا کہنے دائیں طرف والوں کے۔ اور بائیں طرف والے پھوٹ گئے نصیب ان کے بائیں طرف والوں کے۔ اور آگے بڑھنے والے وہ تو آگے ہی بڑھنے والے ہیں۔ مقرب بارگاہ تو وہی ہیں''۔

کچھ اصحابِ نار ہیں اور کچھ اصحابِ جنت ہیں۔ کچھ مقرب لوگ ہیں جو گواہی دیں گے ان کے متعلق یہ اچھے تھے ہماری بات مانتے تھے۔ اور وہ گواہی دیں گے کہ یہ ہماری بات نہیں مانتے تھے۔ معصومؑ سے پوچھا گیا کہ مقرب کون ہیں؟ تو امام نے فرمایا: تمام انبیاء اور معصومینؑ جو اللہ نے بھیجے ہیں۔ ان کی کتاب میں نہ کوئی نقص ہے اور نہ ان کی کتاب میں وہ عمل ہیں جو نیک لوگ کرتے ہیں وہ اس سے بھی بالاتر عمل ہیں' جو مقربین الٰہی کے ہیں۔ مقرب وہی ہیں جو انبیاء اور معصومینؑ ہیں۔

اگر کسی کی زندگی میں جھوٹ ہوگیا میرے قبلہ! معاف فرمایئے گا۔ کہنا بڑا

آسان ہے۔ سوچنا چاہیے اگر کسی نبی کی زندگی میں جھوٹ ہے اور میری زندگی میں بھی جھوٹ ہے تو نامہ اعمال تو اس کے بھی ہاتھ میں ہوگا۔ میرے ہاتھ میں بھی ہوگا۔ کیا نبی کو قیامت میں شرم نہیں آئے گی کہ اپنی امت کے سامنے میرا جھوٹ کھل گیا ہے؟ اس کی زندگی میں بھی جھوٹ ہے اور میری زندگی میں بھی جھوٹ ہے۔ اس نے بھی اگر حکم الٰہی کی مخالفت کی ہے اور میں نے بھی حکم الٰہی کی مخالفت کی ہے۔

جو اللہ نے ہدایت مخلوق کے لیے لوگ بھیجے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی بری پاکیزہ ہے۔ یہ مقرب لوگ ہیں کہ جن کی زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی ہے۔ یہ ہوں گے وہ لوگ ---- بلکہ روایت میں آتا ہے۔ میں اب روایت مفصل نہیں پڑھتا۔ نور کا منبر لگایا جائے۔ پیغمبر علیہ السلام سب سے آخری سیڑھی پر ہوں گے۔

یہ سب تصورات ہیں بتلانے کے لیے۔ زمین پر بیٹھیں گے۔ اس کے بعد دوسرا لگایا جائے گا پہلی میں حضرت علیؑ ہوں گے۔ ہر نامہ عمل بنائے گا یہ جہنمی ہے' یہ جنتی ہے۔ وہاں ملائکہ جو ان کے نوکر ہوں گے مثلاً سپاہی کے کھڑے ہوں گے۔ انہیں کہیں گے اسے لے جاؤ جنت میں اور اسے لے جاؤ جہنم میں۔ یہ ہے یوم قَبلَ السرائر۔

ایک نام انشاء اللہ --- گھبرا جائیں گے تو گھبراتے ہی رہیں۔ اب تو میں نے چھوڑنا بھی نہیں ہے۔ جو آ گئے ہیں وہ تو اب جاتے نہیں چونکہ یہ بھاگنے والے نہیں ہیں اور جو نہیں آئے انہوں نے اپنا نقصان کیا ہے۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اور مجھے بہت زیادہ تعداد اچھی بھی نہیں لگتی کہ مجمع بہت زیادہ ہو۔ جتنا ہو سمجھ دار ہو کہ جو چیز بیان کی جائے اس کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اس کی تدریس بھی کرے۔

قیامت کا ایک نام ہے ''یوم الفصل''۔ فصل کے معنی ہیں جدائی۔ وہاں ہر ایک علیحدہ علیحدہ کرایا جائے گا۔ اچھا علیحدہ بُرا علیحدہ۔ فصل کے معنی ہی جدا کے

ہوتے ہیں۔ میں مختصر عرض کروں گا۔

انسان اس دنیا میں دو زندگیاں رکھتا ہے۔ ایک زندگی انفرادی ہے۔ ایک اجتماعی ہے۔ جیسے آج بھی ہمارے لوگ کہہ رہے ہیں پرسنل یعنی ذاتی خاص اور ایک گورنمنٹ کی لائف۔ اسلام میں کوئی ایسی تقسیم نہیں ہے۔ مجھے افسوس تو ان علماء پر ہوتا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ملا ہیں۔ ہم مذہب کے اہل علم ہیں اور پھر وہ دو تقسیمیں کرتے ہیں۔ دو تقسیمیں ہیں ہی نہیں۔ جو بھی حکم ہیں وہ کچھ اجتماعی اور کچھ انفرادی ہیں۔

حج آپ کا انفرادی حکم ہے۔ روزہ آپ کے لیے انفرادی حکم ہے۔ نماز آپ کے لیے انفرادی حکم ہے۔ جھوٹ نہ بولنا صرف آپ کا انفرادی کام ہے۔ حکم نہیں ہے۔ انفرادی، انفرادی، یعنی اکیلے اکیلے یعنی تنہا تنہا کچھ احکام ہیں انسان کے لیے۔ نکاح کریں گے تو دو آدمی انفرادی کام ہے ان کا ایک حکم ہے۔ اجتماعی حکم نہیں ہے۔ یہ انفرادی احکام ہیں قیامت کے دن علیحدہ حکم ہے۔ یہ تو انہوں نے اچھے کام کئے ہیں انفرادی اور دنیا میں بھی یہ دو اجتماعی کام ہیں۔ یہ دنیا یہ عالم انفرادی نہیں ہے اجتماعی دنیا ہے۔ ہر آدمی دوسرے آدمی کا محتاج ہے۔ یہاں جتنے ملک ہیں ہر حکومت دوسری حکومت کی محتاج ہے۔ یہاں احتیاج ہے ایک دوسرے کی۔ امام علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے۔ ہمارا اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ کہ انسان آپس کی نسبت کے لحاظ سے جسد الواحد ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر ایک عضو کو درد ہو تو دوسرے کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جیسا کہ جسم کے ایک حصے میں درد ہو جائے تو جسم کے دوسرے حصے بھی محسوس کرتے ہیں اور کچھ اجتماعی معاشرے کے مجموعی لحاظ سے اسلام نے جو غلط امور ٹھیک کرنے کے لئے آنا ہے۔ اگر اس معاشرے میں عدالت ہو، انصاف ہو، جھوٹ نہ ہو، سچ ہو اور امانت ہو۔ دیانت کے سارے اصول موجود ہوں تو پھر معاشرہ

ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ اور وہ معاشرہ ہمیشہ سرخرو رہتا ہے۔ اور اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ دنیا پر حکومت کر سکے۔ اور جس معاشرے میں جھوٹ ہو' دغا بازی ہو' جس معاشرے میں انسانیت بلک رہی ہو' محتاج تو انسان ان کا بھی ہے۔ لیکن وہ معاشرہ اتنا خراب ہے کہ وہ اجتماعی طور پر انسانوں کی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ (صلواۃ)

لہٰذا ایک شخص امامؑ کی خدمت میں آ کر بیٹھ کے یہ دعا کرتا ہے۔ کہ اے میرے اللہ! اَغنِنَا عَن جَمِیعِ الخَلِقه ۔ ''کہ اے میرے اللہ! ہمیں آ کر تمام مخلوق سے مستغنی کر دے''۔

امامؑ فرمانے لگے: یہ دعا نہ کرو۔ تمہاری دعا تو ٹھیک ہی نہیں۔ یہ تو غلط ہے۔ آپ یوں دعا کریں۔

معصومؑ فرماتے ہیں:

اَغنِنَا عَن شَرَارِ خَلِقه

''اپنی بری مخلوق سے مجھے محفوظ رکھ''۔

ہر آدمی دوسرے انسان کا محتاج ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آدمی ہو اور اسے احتیاج نہ ہو۔

اور روایت میں بھی ہے کہ امامؑ کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے کہ یا مولاؑ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں مخلوق کا محتاج نہ رہوں۔

امامؑ فرماتے ہیں یہ دعا نہیں مانگوں گا۔ دعا تو یوں مانگنی چاہیے۔ چونکہ اللہ نے رزق تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہے' دوسرے کا تیسرے کے ہاتھ میں۔ ہر آدمی ایک دوسرے کے وسائل سے ملتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے۔ یہ اس نے نظام بنایا ہے۔ اپنی مصلحت کے ماتحت۔ البتہ یہ دعا مانگو اگر تو محتاج ہو تو ایسے لئیم کے محتاج نہ ہو جو پست فطرت انسان ہو۔ یہ دعا مانگا کر کہ خدایا اگر

میری کوئی ضرورت ہے بھی تو میری ضرورت ایسے سے پوری نہ ہو جو پست فطرت انسان ہو اور لئیم انسان ہو۔ (صلواۃ)

یہ معاشرہ محتاج ہے۔ اور ہماری شرعی تکلیف ایک یہ بھی ہے کہ معاشرے کو ٹھیک کیا جائے۔ اگر معاشرہ غلط ہوگا تو اس کا کیا اثر ہوگا۔ وہ تباہی کے گڑھے پر پہنچ جاتا ہے۔ معاشرہ انسانیت سے گر جائے' اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ ایسا معاشرہ تشکیل کرو جس میں عدالت ہو' انصاف ہو' لوگوں کے لیے امن ہی امن ہو۔ لوگ وہاں بے امنی کی زندگی نہ گذاریں اور پھر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگے رہیں۔ اگر یہ کہیں ہمیں کیا تو آپ دیکھ لیں گے معاشرہ فساد کا شکار ہو جائے گا اور جس معاشرے میں فساد آ جائے وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

آپ یوں نہ سمجھئے۔ معاف فرمایئے گا۔ آپ میں سے کسی نے دیکھا ہو یا نہ۔ یہ جہاں جہاں جنگیں ہو رہی ہیں یا ہونی چاہئیں۔ اگر دوسری طرف آپ دیکھیں تو وہاں ایسا معاشرہ تھا کہ انسانیت کے اصولوں پر وہاں پر بالکل عمل نہیں ہوتا تھا۔ اور اللہ کی معصیت اعلاناً کھلم کھلا ہوتی تھی۔ اس معصیت زدہ معاشرے کو ٹھیک کرنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ اگر ٹیلی ویژن غلط ہے تو سارے اُٹھ کھڑے ہوں' مل کر تو یہ ٹھیک ہوسکتا ہے۔ آپ ٹیلیویژن کی نشریات کا دورانیہ دیکھیں یہ اس حکومت کا ٹیلیویژن ہے جو اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن اسلام کی بات کو کتنا وقت دیا جاتا ہے اور لغویات کو کتنا۔ اس میں میں زیادہ نہیں جاتا۔ قرآن عورت کے پردے کا حکم دیتا ہے۔ یہ عورتیں جو ٹی وی پر دکھائی جا رہی ہیں معلوم کریں کہ آیا یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم جبکہ ہم ہیں کہ بڑے ذوق شوق سے بیٹھ کے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے اثرات دیکھنے والوں پر بھی برے ہی مرتب ہوتے ہیں۔ ریڈیو غلط ہے تو یہ ٹھیک ہوسکتا ہے۔ اگر رشوت عام ہے تو یہ صحیح ہوسکتی ہے۔ سارے لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ

معاشرے کا عضو بن کر اسے صحیح کریں۔ ورنہ اس کا اثر کیا ہوگا؟ پھر اولاد پر پڑے گا۔ اب کہتے ہیں کہ کیسے ہم رشوت نہ لیں جب سارا عملہ رشوت لیتا ہے۔ ایسا معاشرہ معاف فرمایئے گا۔

خدا نہ کرے' اللہ ہمیں یہ دن نہ دکھائے۔ اس وقت جو پاکستان کا حال دیکھ رہے ہیں مجموعی طور پر یہ ایک تباہی کے گڑھے کی طرف جا رہا ہے۔ اگر اس کی جنگ سے تباہی نہیں ہوگی تو کوئی ایسا عذاب الٰہی نازل ہوسکتا ہے کہ جس عذاب سے بچنا بہت مشکل ہوگا۔ دیکھیں تو کوئی ہے سچ بات سننے والا۔ کوئی ہے کہ اُس کے سامنے حقیقت بیان کی جائے۔ ساری کی ساری دنیا اب مادیت کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ہر ایک نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ میرا کمال ہے کہ کسی کو دھوکہ دے دوں۔ خواہ کسی سے جھوٹ بول کے اپنا کام نکال لوں۔ ہاں اب بقول کسی کے ڈھائی ڈھائی لاکھ تین تین لاکھ اچھی ملازمتوں کے لیے مانگتے ہیں۔ پتہ نہیں اس ملک کے لوٹنے والے تو بہت ہیں لیکن اس ملک کے سدھارنے والے کتنے ہیں؟ جب ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے تو ہر فرد کا کام ہے۔ اور قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تیرے سامنے یہ کام ہوتے رہے تم نے ان کو کیوں نہیں روکا تھا؟ (صلواۃ پڑھ لیں)

پیغمبر علیہ السلام کی ایک حدیث ہے کہ شعیب نبی کے زمانے میں۔ اللہ نے فرمایا: شعیبؑ! میں ایک لاکھ انسانوں کو عذاب کروں گا۔ ان میں چالیس ہزار تو برے ہیں اور ساٹھ ہزار نیک ہیں۔ حضرت شعیبؑ عرض کرتے ہیں کہ خدایا چالیس ہزار تو مستحق ہیں ساٹھ ہزار کیوں؟ تو ذاتِ کبریا اپنے نبی کو جواب دیتی ہے۔ یہ ساٹھ ہزار جو ہیں انہوں نے میری نافرمانی کو دیکھا اور ان میں میرے لئے کبھی غصہ پیدا نہیں ہوا اور انہوں نے مزاحمت سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ جو میری نافرمانی کو دیکھے اور خاموش رہے نہ ہاتھ سے نہ زبان سے اور نہ دل سے مزاحمت و

نفرت کرے وہ بھی مجرم ہے۔ لہٰذا یہ سارے مغضوب ہوں گے۔

جب بلا آتی ہے تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ نیک کون ہے اور بد کون؟؟ یہ سنت الٰہیہ ہے۔ چونکہ نہ روکنا نہی عن المنکر کے ماتحت آتا ہے۔ نہ روکنا بھی انسان کا ایک جرم ہے۔ لیکن اس کے لیے عرض ہے کہ آج کے زمانے کے لحاظ سے اس کی شرائط مشکل ہیں۔ ایک پوری دنیا لگی ہوئی ہے۔ ہمیں کیا دکھا رہے ہیں ٹیلیویژن پر۔ ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں، ہماری لڑکیوں کو، ہمارے جوان طبقے کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ اتنے ہی نواب ہیں پیسے آپ کے پاس پبلک کے ہوتے ہیں۔ پیسے ٹی وی کے نہیں ہوتے اور خراب بھی ہمیں ہی کرتے ہیں۔ بقول اس کے ایک کہہ رہا تھا --- عجیب ہے میں نے پڑھا بھی تھا ایک جگہ اخبار میں۔ ایک گانے والا بڑا مشہور ہے اس گانے والے کو سندھ میں پکڑ لیا گیا اور کار چھین لی گئی۔ ایسی حالت ہوگئی ہے حلال حرام ہوگیا ہے اور حرام حلال ہوگیا ہے۔ وہ کہتا ہے میری کار تو نہیں جائے گی چونکہ میری حلال کی کمائی ہے۔ اب یہ سینما، گانا ڈانس یہ ساری چیزیں حلال ہوگئی ہیں۔ ان کو تو اسلام حرام سمجھتا ہی نہیں۔ اب کسی ہوٹل میں بیٹھو، کسی ویگن میں بیٹھو، بیہودہ سے بیہودہ گانے لگے ہوں گے کوئی نہیں روکتا اور اگر ہم روکیں گے تو کہیں گے مولوی ہے۔ یہ مولوی صاحب کو چھوڑو لگاؤ جی لگاؤ۔ یہ مزاحمت کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اگر مجھے کوئی گالی دے تو جواب دینے کے لیے تیار اور اگر کوئی خدا کی نافرمانی کرے تو کوئی نہیں ہے جسے خدا کی نافرمانی پر غصہ آجائے۔

بہرحال میرے بھائیو! یہ معاشرے کی ایک خرابی ہے جو یوم الفصل میں معلوم ہوگی۔ وہاں جاکے یہ علیحدہ ہوجائیں گے۔ وہ مداخلت کرنے والے بھی۔ ساری نیکیاں ہیں صرف یہی بربادی کا موجب ہوجائے گا انساں کے لیے۔ اللہ کہے گا تیرے سامنے یہ نہیں ہو رہا تھا۔ تیرے سامنے یہ کام نہیں ہوتے رہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی ایک حدیث ہے۔ یہی حدیث ختم کر کے میں آپ کو زحمت نہیں دوں گا۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کشتی میں بیٹھا ہوا ہے اور لوگ بھی کشتی میں مختلف جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک آدمی رندہ لے کر یا کلہاڑی لے کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دے اور اسے کہا جائے کہ تم کشتی میں سوراخ کیوں کرر ہے ہو؟ تو وہ کہے بھائی صاحب: ''میں اپنے مقام پر بیٹھا ہوا ہوں اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہوں تمہیں کیا''۔

پیغمبرؐ فرماتے ہیں: ''اگر تم اس کا ہاتھ پکڑو گے تو وہ بھی نجات پا جائے گا اور تم بھی نجات پا جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے''۔

آج میرے قبلہ! جو ڈرتے ہیں ملا سے مولوی سے اور یہی تبلیغ ہو رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا ہاتھ پکڑو گے تو پھر ہم بھی نجات پائیں گے یہ بھی نجات پائیں گے۔ یہ ان کے لیے ہمدردی ہے۔ اگر ہم نے نہ پکڑا تو ہم بھی نجات نہیں پائیں گے۔ ہمیں کیا اگر شطرنج کھیلی جا رہی ہے؟

ارشاد رب العزت ہے:

فَاجتَنِبُوا الرِّجسَ مِنَ الاَوثَانِ وَاجتَنِبُوا قَولَ الزُّورِ ٥

(الحج' آیت ۳۰)

''پس اب تم بتوں کی گندگی سے بچو اور تمام لہو ولعب کی باتوں سے اجتناب کرو''۔

اصول کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

اَلرِّجسُ مِنَ الاَوثَانِ سے مراد ہے شطرنج اور قول الزور سے مراد ہے غنا یعنی

گانا بجانا اور تفسیر مجمع البیان میں اتنا اور زیادہ ہے کہ تمام اقسام کے کھیل جن میں ہار جیت ہو۔ اب آپ دیکھ لیں ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ شطرنج قومی کھیل قرار دیا جاچکا ہے اور گانے بجانے والوں اور والیوں کو گولڈ میڈل دئے جا رہے ہیں۔ معصیت خدا ہو رہی ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا کل اگر عذاب نازل ہوگا تو دنیاوی لحاظ سے بھی خشک وتر الگ ہو جاتا ہے۔

ایک یوم الفصل ہے وہاں جا کے اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دینا ہے۔ وہاں فصل یعنی علیحدگی اور جدائی ہو جاتی ہے۔ یہ ابرار کی نیکیوں کی خاطر یہ فجار کی برائیوں کی خاطر۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے غیرت کھاتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کے لیے بھی غیرت نہیں آتی تھی۔ اللہ کی معصیت پر کبھی انہیں غصہ نہیں آتا تھا۔ ہمارے بھائی لگے ہوئے ہیں صرف اس بات پر کہ جلوس نہ نکالو۔ بھائی جلوس میں نہ کوئی ناچ ہوتا ہے نہ کوئی گانا ہوتا ہے؟ نہ ہیروئن پی جاتی ہے، نہ کوئی اور کام ہوتے ہیں۔ تم یہ جو خرابیاں ہو رہی ہیں انہیں تو ٹھیک کرو۔ یہ معاشرے کو تباہ کر رہی ہیں۔ اس معاشرے کی تباہی کی طرف تو کسی کا دھیان نہیں ہے۔ البتہ روز نکلتے ہیں کہ جی اب ان کو مقفل کر دو۔ انہیں امام باڑے میں بند کر دو۔ کیا امام باڑے کی صدا باہر نہیں جائے گی۔ وہاں کی آواز ادھر نہیں آئے گی۔ کل تم اس پر بھی راضی نہیں ہو گے کہ ہم امام باڑے ہی میں رہیں۔ قسم ہے خدا کی اس پر بھی راضی نہیں ہوں گے۔

آپ کہتے ہیں ذکر حسینؑ کو بند کر دو۔ ذکر حسینؑ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ذکر حسین مثلِ یوم الفصل ہے۔ امام حسینؑ کے ذکر سے فصل ہو جاتا ہے۔ یزیدی ٹولہ کون ہے اور حسینی ٹولہ کون ہے۔ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون ہیں کہ جو اس کے ساتھ لڑنے والے ہیں اور کون تھے جو ان کے مقابل میں تھے۔

اصل میں یہ ہے 'فصل' یوم الفصل کا بیٹا ہے۔ یہ اس کا نمائندہ ہے۔

خداوند عالم نے اس کو بھیجا ہے تمہارے لئے ایک واضح دلیل بنا کے۔ میں کل وزیر آباد سے آرہا تھا راستے میں دیکھا کہ پانچ چھ تانگے ہیں ان پر سینما میں جو فلم لگ رہی ہے اس کے اشتہار لگے ہوئے ہیں اور وہ ڈھول بھی بجا رہے ہیں۔ میں نے کہا: انہوں نے اس کا لائسنس لیا ہے؟ جعفری صاحب میرے ساتھ تھے، میں نے کہا: اس خرافات کو روکنے کے بارے میں بھی مسلمان نہیں سوچتا۔ لیکن اگر آپ صرف حسینؑ حسینؑ کرتے جارہے ہیں تو کہیں گے کہ اسے روکو۔ کیوں؟ اس واسطے کہ اس کے پیچھے تاریخ ہے۔ یہ صرف حسینؑ کا ذکر نہیں ہے۔ وہاں بالکل جدائی ہو جاتی ہے۔ یہاں پتہ چل جاتا ہے کہ کون ہے جس نے مقابلہ کیا تھا ظالم کا۔ اس کا وظیفہ تھا کہ ظالم کا مقابلہ کرے۔ دنیا کو ناموس پیاری ہے حسینؑ کو پیاری نہیں تھی؟ میں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے۔......

امام حسینؑ علیہ السلام ......دسویں کی رات، یہ عجیب رات تھی جو اہل بیتؑ پر گزر گئی۔ فرماتے ہیں جو مرد رہ جائے گا وہ کل مارا جائے گا اور جو عورت رہ جائے گی وہ قید ہو جائے گی۔

آپ دیکھئے۔ قسم ہے خدا کی۔ میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں۔ مصائب آل محمدؐ پر اتنے گذرے ہیں کہ جس کو بھی بیان کیا جائے کم نہیں ہے۔ صرف یہی مصیبت ہی کم نہیں ہے کہ آل محمدؐ کو گرفتار کیا گیا۔

آج میں ایک بچی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ عمر میں تو صغیر تھی لیکن مصائب میں کبیر تھی۔ کربلا سے شام اگر سفر کریں نا تو دیکھیں گے کہ جابجا چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں یہ رسول خداؐ کے بچوں کی قبریں ہیں۔

جن اونٹوں پر کربلا کے اسیروں کو سوار کیا گیا تھا ان پر پالان نہیں تھے۔ ماؤں کے ہاتھ گردنوں کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ کئی بچوں نے اپنی ماؤں کے

کپڑوں کو پکڑا ہوا تھا اور کئی نے اونٹوں کے بال پکڑے ہوئے تھے۔ اشقیاء اونٹوں کو تازیانے مار مار کر بھگاتے تھے کئی بچے گر جاتے تھے لیکن قافلہ نہ رکتا تھا۔ پیچھے والے اونٹ کے پاؤں گرنے والے بچے پر پڑتے اور وہ وہاں ہی شہید ہو جاتا۔ لیکن قافلہ روانہ رہتا۔ ایک موقعہ آیا ہے کہ قافلہ رک گیا ہے۔ وہ نیزہ جس پر مظلوم کربلا کا سر تھا زمین میں گڑ گیا۔ شمر لعین کربلا کا شقی ترین کردار پوچھتا ہے اپنے سپاہیوں سے کہ قافلہ کیوں رکا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ امام حسینؑ کے سر والا نیزہ زمین میں گڑ گیا ہے۔ اس نے کہا: اکھاڑنے کی کوشش کی؟ انہوں نے کہا کوشش کی ہے لیکن ہم بے بس ہو گئے ہیں۔ یہ شقی کہتا ہے میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں اکھڑتا۔

سیدھا آتا ہے تازیانے کو لہراتے ہوئے بیمار سجادؑ کے پاس' آ کر پوچھتا ہے کہ تمہارے بابا کا نیزہ آگے کیوں نہیں بڑھتا؟ آپ کہتے ہیں میں کیا کہہ سکتا ہوں تو دیکھ رہا ہے میں تو چل رہا ہوں۔ خدا اس کو ''ویل'' میں پھینکے۔ اس نے میرے نحیف امامؑ کی کمر پر ظلم کی سطریں لکھنا شروع کی۔ جناب زینب خاتون تڑپ گئیں۔ آپ نیزہ کے پاس گئے اور سر اقدس کی طرف دیکھ کر پوچھا: بابا! آپ کیوں نہیں چل رہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں نا کہ یہ شقی مجھ پر کیسا ظلم کر رہا ہے۔ مظلوم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ فرماتے ہیں: بیٹا سجادؑ! اس سے پہلے اونٹوں سے گرنے والے بچے تھے' اب بچی گری ہے۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔

حسینؑ کی صف ماتم پر بیٹھنے والو! جانتے ہو کہ یہ گرنے والی کون ہے؟ یہ مظلومہ تین چار سال کی بچی سکینہؑ ہے۔ آخری وداع کے وقت آپؑ نے جناب فضہ سے اسی بچی کی وصیت کی تھی کہ اماں اس کا خیال رکھنا۔ جس اونٹ پر جناب فضہ تھیں اُس پر یہ بچی بھی تھی۔ چلتے چلتے انہیں تھوڑی سی اونگھ آ گئی۔ ادھر معصومہ کے ہاتھ سے اُونٹ کے بال چھوٹ گئے۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا بچی نہیں ہے۔ قافلہ رکا ہوا ہے۔

جناب زینبؑ کو آواز دی۔ زینب کبریٰ نے ناگاہ اپنے آپ کو اونٹ سے گرایا اور پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ تھوڑا بھاگتی ہیں کبھی دائیں کبھی بائیں دیکھتی بھی جاتی ہیں اور آواز بھی دیتی جاتی ہیں۔ کبھی آواز دیتی ہیں اے سکینہؑ ! تیری پھوپھی جنگل میں تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔ آواز دو کہاں ہو؟ اس قدر بے چین ہیں کہ اگر بچی نہ ملی تو بھائی کو کیا جواب دوں گی؟

ناگاہ دیکھتی ہیں کہ راستے کے ایک طرف ایک سیاہ لباس والی بی بی ہے جس نے سکینہؑ کو گود میں لے رکھا ہے' سر پر چادر ہے۔ سوچا کہ اس بی بی سے پوچھوں کہ آیا آپ نے کوئی بچی روتے ہوئے تو نہیں دیکھی؟ اس خیال سے آگے بڑھیں تو دیکھا کہ اس بی بی کی گود میں سکینہ رو رہی ہے اور وہ بی بی سکینہؑ کے آنسو پونچھ رہی ہیں۔

عزادارو! چاہیے تو یہ تھا کہ زینب کبریٰ آگے بڑھتیں اور بچی کو گود سے لے لیں لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ رو کے کہا:

بی بی تم کون ہو؟ جسے حسینؑ کی یتیم بچی پر رحم آ گیا؟ اسے سب نے طمانچے مارے۔ اسے سب نے تازیانے مارے کسی کو رحم نہیں آیا۔ بتاؤ تم کون ہو جسے اس یتیم پر رحم آ گیا۔

بس یہ سوال کرنا تھا کہ اس بی بی نے بچی کو زمین پر رکھا چہرے سے نقاب ہٹائی۔ بے تابی کے ساتھ کہا:

زینبؑ میری بچی تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں تمہاری ماں فاطمہ زہراؑ ہوں۔

بی بی نے کہا: اماں اب آئی ہو جب میرا اکبرؑ مارا گیا۔ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ میرے عباسؑ کے بازو کٹ گئے۔ میرا حسینؑ ذبح ہو گیا۔

بی بی رو کر فرماتی ہیں کیا تمہارے خیال میں تمہاری ماں آرام سے مدینہ میں

لیٹی ہوئی تھی؟ میں نے اسی دن قبر چھوڑ دی تھی جس دن تم روانہ ہوئی ہو۔ تمہارے ساتھ ساتھ سفر کیا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ اپنے بالوں کے ساتھ ان کنکریوں کو ہٹاتی رہی ہوں جہاں میرا حسینؑ گھوڑے سے گرا ہے۔

اَلَا لَعنَةُ اللّٰہ عَلٰی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر ونشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

مجلس پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظلِمُ النَّاسَ شَیئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنفُسَھُم یُظلِمُونَ ٥ (سورہ یونس، آیت ۴۴)

''بے شک اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ (خود) اپنی جانوں پر ستم ڈھاتے ہیں''۔

اصول کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے جس کا ایک جزو یہ ہے کہ پروردگار عالم' بردبار اور دانا کا غضب صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کے عطیات کو قبول نہیں کرتے اور جو اس کی رضا کو قبول نہیں کرتا وہ گمراہ ہوجاتا ہے اور توفیق کو انہیں سے باز رکھتا ہے جو اس کی ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبرؐ اسلام نے انسان کی فلاح کے لیے چند راہنما اصول اور ہلاکت سے بچنے کے لیے بھی اصول دیئے ہیں۔ جو انسانیت کی فلاح کے لیے ہیں منجیات یعنی کہ نجات دینے والے اور دوسرے مہلکات یعنی انسان کو ھلاکت میں ڈال دینے والے۔ میں ان پر تھوڑی سی روشنی ڈالوں گا۔ لیکن اس سے قبل جو

جواب کے لیے رقعہ جات ملے ہیں ان کا مختصر جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

مختلف رقعے آتے رہتے ہیں جن کا جواب میں اب تک نہیں دیتا رہا۔ وہ مناظرے بازی کی باتیں ہیں۔ مناظرے بازی سے تو آج تک ہم نے مسائل حل ہوتے دیکھے نہیں۔ نفرت ہی پھیلتی ہے۔ ہاں البتہ آپ کسی چیز کو دلائل سے ثابت کریں۔ مثلاً کوئی بزرگوار کہتے ہیں امام حسینؑ کے قاتل شیعہ تھے۔ چلو شیعہ ہی سہی۔ میرے بھائی شیعہ امام حسینؑ کے ساتھ لڑے۔ میں نے کل عرض کیا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ لڑنے والے مسلمان جب تک تلوار نہیں اٹھائی ہے مسلمان ہے۔ جب تلوار اُٹھا لی خارجی بن جاتا ہے، مرتد ہو جاتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی دعویٰ کیا ہے کہ شیعوں میں کوئی مرتد نہیں ہوتا؟ بطور استدلال ایک بات کہتا ہوں، تم کہتے ہو کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو قتل بھی خود کیا ہے اور اب روتے پیٹتے بھی خود ہی ہیں۔ اس سے ایک بات تو طے ہوگئی کہ قتل حسینؑ بری حرکت ہے۔ اب معترض کو چاہیے کہ ہم پر لعنت کرے چونکہ ہم امام کے قاتل ہیں اور خود اس غم میں بیٹھے اور روئے پیٹے چونکہ خداوند عالم نے زیادہ رونے کو پسند فرمایا ہے۔ مگر تم ہو کہ روز عاشور بھی کرکٹ کھیلتے پھرتے ہو اور ہم پر اعتراض؟

مجھے بتاؤ کہ آیا مسلمانوں میں مرتد ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ کتنے مرزائی بنے ہیں۔ کیا یہ شیعوں سے مرزائی بنے ہیں یا سنیوں سے مرزائی بنے ہیں یا یہ پیدائشی مرزائی تھے؟؟ اہل سنت مرزائی ہو جائے تو تم اسے کافر کہتے ہو۔ اسے مسجد بنانے کا حق نہیں۔ ہم کہتے ہیں اگر کوئی شیعہ امام سے لڑا ہے تو وہ کافر ہے، خارجی ہے۔ اگر ہے فرض کر لیجئے۔ تو ہم اس سے نفرت کرتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں تو ہم شیعوں کے خلاف (فرض کر لو) تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اگر آپ کے کسی آدمی کے متعلق کچھ کہہ رہے ہیں تو پھر پریشانی کی بات ہے۔ یہ چیزیں جو ہیں نا سطحی ہوتی ہیں۔ شیعہ ایسے

ہوتے ہیں شیعہ ویسے ہوتے ہیں۔ شیعہ بھی شراب پیتے ہیں سنی بھی شراب پیتے ہیں۔ شیعوں میں بھی بے نماز ہیں' سنیوں میں بھی بے نماز ہیں۔ شیعوں میں بھی چور ہیں' سنیوں میں بھی چور ہیں۔ یا تو آپ ساری گارنٹی لکھوا دیں کہ سارا اسلام آپ کے پاس ہے' ان بیماروں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو یہ اعتراض کی بات ہے۔ جی کنجر شیعہ مذہب میں ہوتے ہیں۔ کیا سارے کنجر خانے شیعوں سے بھرے ہوئے ہیں؟ تم تو ہماری دل آزاری کر رہے ہو' ہماری غیرت پر بھی حملہ کر رہے ہو۔ ہم اخلاق میں اتنے پست نہیں ہیں۔ البتہ اگر دل آزاری نہ ہو تو ایک بات کہنے کی جسارت کروں گا جواب کے طور پر کہ تمہارا مذہب تو ایسا ہے جس میں انہیں بھی عذاب ہی عذاب نظر آتا ہے۔ اس مذہب میں آ کر تو شاید انہیں اپنی بخشش کی کوئی امید نظر آتی ہوگی۔ شیعہ بھنگی ہوتے ہیں کیا سارے بھنگ کے ٹھیکیدار شیعہ ہیں؟

میرے عزیزو! یہ باتیں ہیں سطحی' یہ باتیں ہیں غیر عقلی۔ یہ باتیں ہیں جاہلانہ۔ ہم تو اپنے مذہب کو اصولوں کا مذہب بتلائیں گے اور دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ آؤ مذہب شیعہ کے کسی اصول کو ٹھکراؤ۔ شیعہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ خدا ایک جیسے کہ میں کل پرسوں سے عرض کر رہا ہوں۔ مجھے کہاں علم ہے۔ اگر علم کلام میں توحید دیکھیں تو دنگ رہ جائیں گے۔ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہم کسی کو خدا کے سوا لائق عبادت نہیں سمجھتے۔ براہِ راست اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے اور جناب محمد مصطفےٰ نبی آخر الزمان ہمارے نبی ہیں جنہیں ہم خاتم النبیین مانتے ہیں۔ ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد--- ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ اور ان شاء اللہ اپنی قابلیت کے مطابق ایک دو دن میں عرض کروں گا۔ اس نبیؐ کے بعد پوری نبوت میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والا سب سے بڑا قاضی خود نبیؐ، اللہ کے حکم سے معین کر کے گیا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

آؤ اس میں کوئی غلطی بتلاؤ۔ اس پر کوئی اعتراض کرو۔ فلاں ایک جگہ گناہ کرتا ہے۔ فلاں دوسری زمین پر گناہ کرتا ہے اس کا مذہب سے کیا تعلق ہے۔ اس کا قوانین سے کیا تعلق ہے۔ قانون بتلاؤ ایسا جو شیعہ مذہب کا ہو اور غلط قانون ہو۔ اب میں پھر عرض کرتا ہوں۔ میں مناظرے میں نہیں پڑتا۔ یہ نہ سمجھیں کہ مجھے مناظرہ نہیں آتا۔ یہ کچی پکی روٹی جتنا مجھے بھی آتا ہے۔ لیکن مناظرانہ فضا پیدا کرنا موجودہ وقت میں مصلحت کے خلاف ہے۔ ملکی حالات اس کے متقاضی نہیں۔ ہم پاکستان میں رہتے ہیں۔ پاکستان سے ہمیں سب سے زیادہ محبت ہے۔ چونکہ اس کے حاصل کرنے میں شیعی مال اور شیعی دماغ سب سے زیادہ صرف ہوا ہے۔ آپ تو یہاں ایسی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ملک میں گڑ بڑ ہو اور جنرل ضیاء سے انتقام لیں۔ ہمیں وسیلہ نہ بنائیں خود آگے آئیں۔ مجھے جنرل ضیاء سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ نہ اس نے کوئی میرا مال مارا ہے اور نہ کوئی منصب کھویا ہے۔ اور نہ کوئی اور چیز میری بگاڑی ہے۔ جہاں کوئی بات غلط ہوگی وہ جنرل صاحب پر جائے یا کسی اور کا آبگینہ ٹوٹے ہم اسے ضرور بیان کریں گے۔ ہم نے تو اپنا مسلک بیان کرنا ہے۔ اس میں میری نگاہ کسی پر نہیں ہوتی۔ اس مسلک میں تو میں شیعوں کو رگڑ جاتا ہوں بقول آپ کے۔ چونکہ یہ میرے بھائی ہیں یہ مجھے سمجھائیں گے میں انہیں سمجھاؤں گا۔ میری کسی سے ذاتی دشمنی ہے نہیں۔ مجھ میں ہزارہا نقائص ہیں۔ یہ تو آپ ظاہری طور پر دیکھتے ہیں اگر باطن میں جائیں تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔ میں ایک مذہب کی نمائندگی کرنے آتا ہوں۔ اس مذہب کی نمائندگی میں کوشش یہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی میرا دوسرا بھائی بیٹھا ہے تو رنجیدہ ہو کر نہ جائے۔ مانے یا نہ مانے اس کی مرضی۔ میری یہ کوشش ہوتی ہے ورنہ زبان ہر ایک کے منہ میں ہے۔ جس طرح چاہے وہ استعمال کرے۔ ایک دفعہ صلواۃ پڑھ لیں۔

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں: یا علیؑ تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں اور تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو نجات دیتی ہیں۔ واعظ پیغمبرؐ ہیں اور سننے والے علیؑ۔ دو معصومؑ ذاتیں ہیں۔ وہ چیزیں جو انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں وہ مہلکات کہلاتی ہیں اور وہ جو انسان کو نجات دلاتی ہیں انہیں منجیات کہا جاتا ہے۔

میرے بزرگوارو! کون سی چیزیں ہیں یہی چھ چیزیں بتلاؤں گا۔ ان میں اگر مختصر سا اضافہ ہو جائے وہ بھی سمجھانے کے لیے، بزرگوں کو نہیں بلکہ ان کو جن کو شاید واضح نہ ہوئی ہوں ان کے سمجھانے کے لیے۔

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں:

سب سے پہلی چیز جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے وہ ہے خواہشات کے پیچھے جانا۔ متباع الھویٰ اور سورۃ الاعراف پارہ ۹ میں ذات کبریا ارشاد فرماتی ہے:

وَاتَّبَعَ هَوٰئهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (آیت ۱۷۶)

''اور اپنی خواہشات نفسانی کا پیرو ہو گیا پس اس کی مثل کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے اور اسے چھوڑے رکھو تو بھی زبان نکالے''۔

خواہشات کا ہونا فطرت میں داخل ہوا ہے۔ کہہ رہے ہیں پیغمبرؐ متباع۔ متباع کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ اور یہ انسان ہو اس کے پیچھے۔ کیسی ہے خواہشات جو بتلاتی جائے اور اس کے پیچھے چلا جائے۔ سوچ کہ یہ اسلام کے مطابق ہے (خواہش) یا اسلام کے مطابق نہیں ہے۔

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک تو خواہش ہے جس کی انسان اتباع

کرے۔ جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ پیسے کی خواہش ہر انسان میں موجود ہے۔ عزت کی خواہش ہر انسان میں ہے۔ ثروت وغیرہ یہ دنیاوی جتنی خواہشیں ہیں۔ یہ کل بھی میں نے تھوڑا سا اشارہ کیا تھا کہ خواہش مذموم نہیں ہے۔ ہر خواہش کی پیروی بغیر سوچے سمجھے یہ متباع ہو جائے گی۔ جب اس کی پیروی کرے گا تو اسے ہلاک کردے گی۔ کبھی اس مقام پر خواہش لے جائے گی کہ منصب جس کا وہ اہل نہیں ہے۔ خواہش کہے گی وہ لے لو۔ میں علامہ نہیں ہوں مثلاً حجۃ الاسلام بھی نہیں ہوں۔ مجھے خواہش کہے جاتی ہے کہ اخباروں میں میرا نام علامہ ہو۔ جو خواہش ہے متباع ہلاک کردے گی۔ پرائمری کا آدمی مڈل کہلائے، مڈل کا آدمی ہائی اسکول کا بنے تو غلط بات ہے۔ جتنے درجہ کا ہے اتنے میں رہے۔ تو یہ خواہش کوئی مذموم نہیں ہے۔ ہاں متباع ایسے جیسے ہے نہیں اور بنتا ہے ویسا۔ یہ انسان کو ہلاک کردینے والی شئے ہے۔

یہ ہے پہلی چیز۔ جگہ جگہ جناب امیر علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں کہ:

سب سے زیادہ خوف جن چیزوں کا مجھے تم سے ہے وہ دو چیزیں ہیں۔

اِتبَاعُ الهَوَا وَقَولُ العَمَلِ

''خواہشات کے پیچھے جانا اور عمل سے اجتناب کرنا''۔

خواہشات کا انبار لگانا۔ میں مثال دیتا ہوں۔ ابھی بیٹوں کی شادی کرنی ہے۔ لڑکے نے ایف اے کرنا ہے۔ فلاں نے یہ کرنا ہے، فلاں نے وہ کرنا ہے۔ پھر چلے جائیں گے حج کو۔ حج کا کیا تعلق ہے شادیوں سے؟ اگر واجب ہو گیا ہے تو فوراً جاؤ اگر واجب نہیں ہوا تو ٹھیک ہے۔ بھئی یہ سال تو گزرے اگلے سال دیکھا جائے گا۔ صلح رحمی کرو۔ کسی کا مال لیا ہوا ہے واپس کردو۔ قول العمل۔ یہ بن جائے، وہ بن جائے۔ سَن فلاں میں یہ کرلیں گے، سَن فلاں میں وہ کرلیں گے۔

یہی فرماتے ہیں امیرالمومنینؑ ۔ ھوئ المتاع انسان کو ہلاک کردیتی ہے اور یہی پیغمبرؐ فرماتے ہیں۔

دوسری چیز اس میں میں ذرا جلدی سے گذرنا چاہتا ہوں۔صرف ترجمہ کررہا ہوں بے ربط ہے تو آپ سمجھیں ربط والا ہے تو آپ سمجھیں۔ حضرتؑ دوسری چیز فرماتے ہیں: شع المتاع۔شع کہتے ہیں بخل کو۔ایسا بخل جس کی انسان اطاعت کرے۔بخل ہے مال کا روکے رکھنا' علم کا روکے رکھنا۔آپ عزت و وقار میں ہیں' ایک مومن ہے آپ اُس کی قضائے حاجت کرسکتے ہیں لیکن بخل کرتے ہیں ۔ عالم ہے اس سے مسائل پوچھتے ہیں بخل کرتا ہے۔تاجر ہے' پیسہ ہے اس کے پاس لیکن بخل کرتا ہے۔بخل (پھر میں عرض کروں گا) یہ انسان میں ہے' فطرت میں ہے بخل کرنا۔ کوئی نہیں چاہتا ہے کہ اپنا مال کسی کو دے دے۔مگر وہ بخل ہلاک کرتا ہے جس بخل کی انسان اطاعت شروع کردے۔سوچ کہ یہ بخل مجھے جہنم میں لے جائے گا یا مجھے جنت میں لے جائے گا۔

جناب امیر علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلبخلُ جَامِعٌ لِمُسَاوِی العُیُوبِ وَزَمَامٌ یُقَادُبِہٖ اِلٰی کُلِّ سُوءٍ

"یعنی بخل تمام برے عیوب کا مجموعہ ہے اور ایسی مہار ہے، جس سے ہر برائی کی طرف کھینچ کر لے جایا جاسکتا ہے"۔(صلواۃ پڑھیں)

تیسری چیز جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔(یہ بزرگوار نفسیات کے ماہر ہیں) فرماتے ہیں:

عِجَابُ المَرءِ بِنَفسِہٖ

"یعنی خود پسندی انسان کو ہلاک کردیتی ہے"۔

سب کچھ اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہے۔ یہ بات انسان کو نہ ترقی کرنے دی گی نہ اسے تکامل کی طرف جانے دے گی۔ نہ آگے بڑھنے دے گی نہ کسی دوسرے کا احترام کرنے دے گی، نہ کسی کا اخبار پڑھنے سننے دے گی۔ جو کچھ ہے میں ہی ہوں۔ مجھے ابھی کہہ دیں نا کہ آپ کو زیرِ اعظم بناتے ہیں میں فوراً تیار ہو جاؤں گا۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھ میں اس کی اہلیت بھی ہے یا نہیں ہے۔ اپنے آپ سے محبت اور اتنی محبت کہ اپنے جیسا کسی کو نہ سمجھنا۔ عِجَابُ المَرءِ بِنَفسِہٖ۔ اپنے نفس سے آدمی کا اتنا عشق انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔ ریڈیو پر ٹیلیویژن پر بھی میں مثال دیتا ہوں۔ ہر جگہ میں ہوں، یہاں مجلس میں پڑھوں، وہاں مجلس میں پڑھوں۔ اس کو کیوں بلایا، یہ ساری چیزیں مثلاً مجھ جیسا جب موجود ہے تو کسی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ ہے عِجَابُ المَرءِ بِنَفسِہٖ۔ طالب علم ہے تو مجھ جیسا کوئی لائق ہی نہیں ہے لہٰذا محنت نہیں کرے گا۔ کلرک ہے تو کہے گا مجھ جیسا تو کلرک ہی نہیں ہے۔ آگے نہیں بڑھے گا۔ اسی طرح عِجَابُ المَرءِ بِنَفسِہٖ۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ انسان کے لیے مہلکات میں سے ایک ہے۔ میں نے مختصر ترجمہ کیا ہے تا کہ تھوڑا سا آگے بھی بڑھیں۔

یہ تین چیزیں انسان کو ہلاک کر دینے والی ہیں۔

اب وہ تین چیزیں جو انسان کو نجات دیتی ہیں ان کو منجیات کا نام دیتے ہیں۔ ان میں پہلی چیز ہے:

آنحضرتؐ فرماتے ہیں: یا علیؑ! جو انسان کو نجات دینے والی ہے:

العَدلُ فِی الرِّضَاءِ وَالغضبِ

''یعنی خوشی اور ناراضی کی حالتوں میں عدل سے کام لینا''۔

ہر آدمی سے انصاف کرنا یہ انسان کو نجات دیتا ہے۔ دشمن ہے تو بھی اُس

سے انصاف کرے' دوست ہے تو بھی انصاف کرے۔ سنی ہے تو بھی انصاف کرے' شیعہ ہے تو انصاف کرے۔ اس کا اطلاق سب سے زیادہ حکومت والے لوگوں پر ہوتا ہے۔ جن کے ہاتھوں میں کچھ اقتدار ہے' کچھ قانون ہے۔ ظاہری لحاظ سے کوئی منصب مل گیا ہے تو عدل کر' دوست کے ساتھ بھی' دشمن کے ساتھ بھی' غضب کی حالت میں بھی' اور امن اور رضا کی حالت میں بھی۔ اس کا دائرہ تو بہت وسیع ہوسکتا ہے۔ میں نے یونہی اشارہ کیا ہے۔ اگر بیوی ہے شوہر ہے حالت غضب میں بھی عدالت سے کام لے۔ اور اگر غضب نہیں ہے رضا ہے۔ رضا میں تو انسان ساری چیزیں برداشت کرتا ہے لیکن عمدہ ہوتا ہے غضب کی حالت میں انسان اگر انصاف کرے۔ ہمارے معاشرے کی اکثر برائیاں غضب کی حالت میں وجود میں آتی ہیں۔ ادھر غضب۔ غضب کے معنی غصہ۔ غصے کی حالت میں سب کچھ نکلتا ہے۔ بیوی کو شوہر پر غصہ آیا۔ تیری بہن ایسی' تیرا بھائی ایسا' تیرا دادا' ایسا تیرا فلاں ایسا۔ میرا بھائی ایسا میرا دادا ایسا تجھے کیا ربط اُن سے۔ اسی طرح شوہر کا معاملہ بیوی سے ہے۔ بھائی بھائی سے' تاجر تاجر سے' مولوی مولوی سے' انسان غضب کی حالت میں بھی انصاف کرے۔ ایک مثال دوں گا۔

کوفے میں ایک شخص ہے جو حضرت امیر علیہ السلام کے خلاف جنگ صفین میں لڑتا رہا ہے' جنگ کرتا رہا ہے مگر بہادر آدمی نہیں تھا۔ یہ کوفے سے بھاگ کے گیا تھا۔ میں بہت سوں کا نام بھی نہیں لیتا ہوں' اکثر میری عادت یہی ہے۔ بھاگ گیا تھا' شام چلا گیا۔ صفین میں آیا۔ اس کی بیوی کو یہ بتلایا گیا کہ تیرا شوہر مر گیا ہے۔ اس کی بیوی نے سفر کے لیے کوچ کیا (یہ میرے ذہن میں ابھی مثال آئی ہے۔ رضا اور غضب کے معاملے میں)۔ اس نے دوسرا شوہر کرلیا۔ جبکہ شوہر زندہ ہے۔

(آیئے دیکھئے مثال اور پھر جب میں کہیں کہیں کہہ دیتا ہوں تو اسلام کے

سمجھنے کی وجہ سے کچھ کہہ دیتا ہوں)۔ یہ شخص دمشق سے چلتا ہے کوفے میں آتا ہے اور اس وقت حضرت علی علیہ السلام کی حکومت ظاہری ہے۔ لہٰذا جناب امیرؑ سے آ کے عرض کرتا ہے کہ میرا یہ مسئلہ ہے میرا مکان بھی چلا گیا ہے اور میری بیوی نے اس طرح اور شوہر کرلیا ہے کیوں کہ اس کے سامنے مجھے مردہ ثابت کیا گیا۔

حضرتؑ فرماتے ہیں تو وہی تو نہیں جو صفین میں میرے خلاف لڑتا رہا اور میرے اتنے آدمی بھی مارے تھے؟ اس نے عجیب جواب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یا علیؑ کیا میرا یہ کام تجھے عدالت کرنے سے روک دے گا؟ یعنی میرا آپ کے آدمیوں کو قتل کرنا آپ کو عدالت کرنے سے روک دے گا۔ اگر علیؑ کی جگہ پر کوئی اور ہوتا اور ایسا آدمی آتا تو سلام و دعا سے پہلے ہی اس کی گردن اڑادیتا۔ اور اگر آج کا زمانہ ہوتا تو ائیرپورٹ پہ اُترتے ہی قید کروادیتا۔ (نعرۂ حیدری)

ارشاد رب العزت ہے:

وَيُحيِ الارضَ بَعدَ مَوتِهَا

سورۂ روم کی آیت ۱۹ کے جز کی تفسیر اصول کافی مین حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ زمین کو قطرات بارش سے زندہ کردیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے مرد پیدا کردیتا ہے جو عدل کو زندہ کردیں۔ اور عدل کے زندہ کردینے سے زمین زندہ ہوجاتی ہے۔ اور ظالموں اور بدکاروں کو واجبی سزائیں ملنا زمین کے حق میں چالیس روز کی بارش سے بھی زیادہ نافع ہے۔

اسلام کا یا تو دعویٰ نہ کرو۔ یا مطالعہ کرو۔ جب اسلام کی بدنامی ہوگی تو کون ہدایت کرے گا؟ وہی ہدایت کرے گا؟ جو صبح بھی کہتا ہے اسلام ٹھیک ہے، دوپہر کو بھی کہتا ہے کہ اسلام ٹھیک ہے؟ ایسے تو نہیں ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: بلاؤ اس شخص کو جس نے اس کی بیوی کے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے۔ وہ عورت حضرتؑ کے سامنے پیش ہوئی تو اسے پوچھا یہ تیرا شوہر ہے؟ اس نے کہا: یہی ہے۔ مجھے بتلایا گیا تھا کہ یہ مر گیا ہے اور گواہ بھی پیش ہوئے تو میں نے شادی کرلی۔

حضرتؑ نے فرمایا: آج کے بعد تیرا دوسرے شوہر کے پاس جانا حرام ہے۔ تم عدت پوری کرو

میرے قبلہ! یہ اس لیے ہوتا ہے کہ جب کسی کا شوہر انتقال کرجائے کہ دوسرے شوہر کا کوئی بچہ ہے تو ظاہر ہو جائے۔ عدت رکھنے کے بعد تم اسی پہلے شوہر کی بیوی ہو، دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ ہے دشمن کے ساتھ عدالتِ علیؑ۔ شام سے چل کے آیا ہے۔ دوست بھی نہیں ہے، ساتھیوں کا قاتل بھی ہے۔ لیکن عدالت کرانے کے لیے آیا تھا۔ علیؑ وہ ہے جسے نہ رضا عدالت سے روک سکتی ہے اور نہ غضب عدالت سے روک سکتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

معاف فرمایئے گا یہ چند دن پہلے میں ایک مناسبت سے کہہ رہا ہوں کہ اخبار کی خبر ہے اور اس سے ایک فقہی مسئلہ نکلا ہے کہ دو لڑکیوں کی شادی ہوئی، تبادلہ ہو گیا اور ہم نے فتویٰ بھی پڑھا ہے۔ مجھے ان کے فتوے سے کوئی تعلق نہیں وہ جانیں اور ان کا کام۔ لیکن اگر ہم شیعوں میں ایسا ہو جائے اور ہو بھی انجانے میں، اشتباہ میں، اور بیوی کو پتہ بھی نہ ہو تو دونوں بیویاں اپنے حقیقی شوہروں کی طرف منتقل ہوں گی۔ ایک کام کرنا ہوگا وہی عدت رکھنا ہوگی تاکہ دوسرے کا اگر بچہ ہو گیا تو اسی دوسرے کا ہوگا۔ اگر کہیں شیعوں میں ایسا ہوا ہو تو شبیہ کی اولاد حلال زادہ ہوتی ہے حرامزادہ نہیں ہوتی ہے۔ یہی دعا ہے، وہی حق مہر ہے، اور وہی سب کچھ ہے۔

کاش! ہمارے بھائی شیعہ مسلک سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ پھر اپنے

مسلک سے تقابل کریں تو انہیں اندازہ ہو کہ دین فطرت ہے کیا؟ فقہ میں اتنی آسانی نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس اسے سمجھ سکے۔ اسے سمجھنے کے لیے زندگیاں صرف ہو جاتی ہیں۔ ہمارے لئے اسی لئے تقلید (مذہب شیعہ میں) واجبات میں سے ہے۔ چونکہ انسانوں کی اکثریت جاننے والی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعلَمُونَ (سورہ روم' آیت ۶)

''لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں''۔

اگر انسان کرسیِ عدالت پر آ جائے تو غضب میں بھی اور رضا میں بھی عدالت کرے تو حکومت کا حق دار وہی ہے۔ اپنی رعایا سے' اپنوں سے' بیگانوں سے' تمام کے ساتھ عدالت کرے تاکہ عدل قائم ہو۔

میرے بھائی! میں آپ سے' یہی گزارش کروں گا کہ غصے کی حالت میں عدالت کرے۔ خوشی کی حالت میں عدالت کرے' اپنے سے' قبیلے سے' ہمسائے سے۔ کرسی عدالت پر بھی اور بغیر کرسی عدالت کے بھی۔ اگر کسی جاہل نے کسی جگہ کام کر لیا ہے تو وہ سند تو نہیں بن جاتا۔ عدالت انسان کو نجات دیتی ہے۔ ہلاکت اخروی اور ہلاکت دنیا سے بچاتی ہے۔ معصومؑ یہی فرماتے ہیں۔ (صلواۃ پڑھیں)

دوسری چیز جو کہ انسان کو نجات دینے والی ہے پیغمبر علیہ السلام اپنے وصی سے' اپنے خلیفہ سے' اپنے نائب سے فرماتے ہیں:

یَاعَلِیُّ اقتَصِدُ فِی الغِنَآءِ وَالفَقرِ

''اقتصادی حالت اپنانا' میانہ روی اپنی زندگی میں اپنانا''۔

ضرورت مندی کی حالت میں بھی' فقر کی حالت میں بھی۔ جب پیسہ نہیں ہے۔ تھوڑا ہو تو ہم سوچ سوچ کے خرچ کرتے ہیں اور جب ثروت آ جائے' کروڑ پتی ہو جائے' زمین تیل اگلنے لگ جائے' غنی ہو جائے تو اس حالت میں بھی مزا تب ہے

کہ اقتصادی بنے یعنی سوچ سمجھ کر خرچ کرے۔ خواہ وہ شخص امیر آدمی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تو اس کو ذرا اقتصادیات (economic point of view) سے خرچ کرو۔ مظاہرہ نہ کرو اپنی لڑکی کی شادی پر دس لاکھ دے کر کتنی لڑکیوں کو گھر بٹھا رہے ہو۔ مظاہرہ نہ کرو اقتصادیات کا یوں سوچ لو کہ میں دس لاکھ دے سکتا ہوں۔ پانچ لاکھ تجھے دوں گا' پانچ لاکھ ایک ہمسائے کی لڑکی کو دوں گا' تا کہ اس کے بھی ہاتھ رنگے جائیں۔

اقتصاد کرے فقر میں بھی اور حالت غناء اور ثروت میں بھی۔ انسان کو اقتصادی ہونا چاہیے' فضول خرچ نہیں ہونا چاہیے۔ اور اسراف نہیں کرنا چاہیے۔ اسراف وہاں ہوتا ہے جہاں غیر عقلی خرچ آئے۔ آپ دس ہزار افراد کو شادی میں دعوت دیں۔ چرغے اڑ رہے ہیں' مرغے اڑ رہے ہیں۔ یہ کیا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس مظاہرے سے بچو۔ قرآن کا مطالعہ کرو۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهدِی مَن هُوَ مُسرِفٌ كَذَّابٌ ○

(سورہ مومن' آیت ۲۸)

''بیشک اللہ اس شخص کو جو فضول خرچ اور جھوٹا ہو رہبری نہیں فرمایا کرتا''۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُبَذِّرُ تَبذِيرًا ○ اِنَّ المُبَذِّرِينَ كَانُوا اِخوَانَ الشَّيطِينِ ○ وَكَانَ الشَّيطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُورًا ○ (آیت ۲۶'۲۷)

پیغمبرؐ علیؑ نے فرماتے ہیں انہیں سنانے کے کیا معنی ہیں' وہ تو پہلے ہی اقتصادی تھے۔ کہتے ہیں کہ میری امت تک یہ چیزیں پہنچا دو کہ میانہ روی کو اپنائیں' فضول خرچی سے بچیں۔ جو یہاں ہو سکتا ہے یہاں ہی کریں۔ جس کی ٹانگ میں درد ہوتا

ہے وہ بھی لندن، جس کو معمولی سی تکلیف ہوتی ہے وہ بھی لندن۔ یہاں کے سارے کالج بند کرو۔ کیا یہاں اسپیشلسٹ نہیں ہیں؟ کیا اس ملک میں ڈاکٹروں کی کمی ہے؟ ہسپتالوں کی کمی ہے؟ اصل میں اس کے پیچھے کچھ اور منصوبے ہوتے ہیں سرکاری خرچ پہ گلچھڑے اڑاؤ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ علاج مت کراؤ۔ علاج ضرور کراؤ۔ لیکن یاد رکھو ملک الموت وہاں بھی بیٹھا ہوا ہے۔ وہاں بھی نہیں چھوڑے گا۔

ہاں اگر کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا کہ جس میں خود یہاں کے ڈاکٹر کہہ دیں کہ اس کا ہم سے علاج نہیں ہوسکتا تب تو کسی اور کی یاترا کرو۔ اور اگر مسلمانوں میں اتنے ماہر موجود ہیں تو پھر یہیں علاج کراؤ۔ باقی پیسہ کسی اور بیمار کو دے دو۔ اور بھی بیمار ہیں۔ یہ مثال میں نے بیماری کی دی۔ کپڑے میں اقتصاد، مکان میں اقتصاد، دس دس کنال کی کوٹھی اور پھر اس میں سامان اتنا ہے کہ جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ جس چیز میں آپ اقتصاد کرسکتے ہیں مثلاً دس ہزار کا فرش بھی ہوسکتا، دس لاکھ کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی دیکھ کہ کچھ تجھ جیسے ہی انسان فٹ پاتھوں پر بھی پڑے ہوئے ہیں۔

مجھے ایک مثال اسی مناسبت سے یاد آ گئی ہے۔ ایک شخص کوفہ کے بازار میں گھوم رہا ہے۔ یہ زمانہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ظاہری حکومت کا ہے۔ حاجت مند ہے۔ کسی سے دریافت کرتا ہے کہ میری اتنی حاجت ہے۔ یہاں کوئی ہے جو میری حاجت کو پورا کرے؟ کسی نے اس کی آپؑ کی طرف راہنمائی کردی۔ یہ حضرتؑ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ چونکہ یہ ایک اجنبی تھا ایک طرف بیٹھ جاتا ہے۔ لوگ اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے ہیں پوری ہوتی ہیں اور جا رہے ہیں۔ آخر میں ایک نوکر آیا اسے پیاز بازار سے لانے کو کہا اور ساتھ ہدایات دینا شروع کیں مثلاً پیاز ایسے ہوں، ایک دوکاندار سے بھاؤ پوچھنا وہ جو بتائے اس سے کم کرنا دو تین دکانوں سے بھاؤ معلوم کرنا پھر خریدنا۔ جب یہ نوکر روانہ ہوگیا تو یہ شخص بھی اٹھ کے

چل پڑا۔

آپ نے پوچھا: اے بندۂ خدا! تم کافی دیر سے بیٹھے ہوئے ہو تم نے کچھ بتایا نہیں؟ کہنے لگا بس حضرتؒ میرا کام ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ اس نے کہا' میری حاجت بہت بڑی تھی لیکن میں نے ایک سیر پیاز لانے پر نوکر کو جو ہدایات سنی ہیں مجھے اِن سے پتہ چل گیا ہے کہ آپ سے میری حاجات پوری نہیں ہوسکتیں۔ بہرحال اس نے اپنی حاجت بتائی۔ آپ نے پوری فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ اقتصادی مسئلہ تھا۔ اگر میں نرخوں پر اس طرح نظر نہ رکھوں تو بازار کے بھاؤ کہیں کے کہیں چلے جائیں گے۔ غریبوں کا کیا حال ہوگا؟ آج ہم دیکھتے ہیں کہ گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور فہرست دکاندار کو تھما دی۔ بل لیا' پیسے ادا کئے' سامان گاڑی میں رکھوایا اور چل دیئے۔ اب جو غریب ہے وہ بھاؤ پوچھے تو دھکے ہی کھائے گا۔ اگر آپ غور کریں تو کمر توڑ مہنگائی کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

مجھے معاف فرمائیں۔ مجھے اپنے بھائیوں کے پاس متوسط طبقے کے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جس گھر میں میں گیا ہوں ڈرائینگ روم میں بٹھایا جاتا ہے۔ ساری کی ساری غیر شرعی چیزیں پڑی ہوتی ہیں۔ کسی عورت کا مجسمہ' کسی بچی کا مجسمہ' کسی شیر کا مجسمہ --- کسی اور حیوان کا مجسمہ۔ ایسے ایسے مناظر کہ انسان متعجب ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ابتدائی چیزیں بھی نہیں جانتے۔ میں نے کہہ دیا (معاف فرمایئے گا) ابتدائی چیز ہے مکان۔ میں یہاں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ انسان کو ہر روز کم از کم دو دفعہ تو احتیاج ہوتی ہے۔ رفع حاجت کے لیے چلے جائیں۔ دکان کی لیٹرینیں روبقلبہ ہیں۔ پشت بقبلہ ہیں۔ مسلمان کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ لیٹرینیں کیسے بنانی چاہئیں۔ حتیٰ کہ ہم ایک نئے گھر میں منتقل ہوئے۔ مجھ پر بھی اللہ نے کرم کر دیا ہے' فضل کر دیا ہے۔ اس کا احسان ہے میں تو اس قابل بھی نہیں ہوں۔ مجھے پتہ نہیں تھا۔

جب ہم نے دیکھا کہ لیٹرینیں ساری روبقبلہ ہیں۔ گرائیں اور گرا کے بنائیں۔ ابتدائی معلومات بھی جب انسان کو نہ ہوں۔ تو اقتصاد کیا کرے گا۔ مکان ایک کنال کا بھی ہوسکتا ہے۔ دس مرلے کا بھی ہوسکتا ہے۔ دس کنال میں بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ درحقیقت ثروت کا مظاہرہ کرر ہے ہو۔ اگر اقتصادیات کرو گے تو اس ملک سے فقر دور ہوجائے گا۔ یہ ملک محتاج نہیں رہے گا۔ کروڑوں کا یہ مقروض ملک یہ عیاشیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔ کون سمجھائے جو سمجھائے اس کی زبان بندی۔ ہر آنے والے کو دعوت دینی ہے۔ دو چار کو دے دو۔ نہیں ہم نہیں دیتے۔ کتنی دعوتوں کا بے جا بوجھ پڑتا ہے ہمارے جیسے غریب ملک کے بیت المال پر۔ یہ ہمارا غریب ملک کیا ہے دوسروں کا حال دیکھ لیں۔

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں:

ثروت کی حالت میں بھی اقتصاد سے کام لو۔ مختصراً میانہ روی اختیار کرو۔ اسراف نہ کرو۔ یہ دوسری چیز ہے جو انسان کو نجات دینے والی ہے۔ چونکہ کبھی معیار زندگی بڑھاتے بڑھاتے انسان ایسی جگہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مقدر کا ورق پلٹ جاتا ہے۔ اور جب ورق پلٹ جاتا ہے اور افلاس میں آجاتا ہے۔ پھر زندگی نہیں شروع کرسکتا ہے۔ پھر ہیروئن بیچنا شروع کرے گا۔ سمگلنگ کرے گا۔ پھر اولاد کا کیا حشر ہوگا؟ اس طرح اولاد کی تربیت کرو کہ کل خدانخواستہ اگر ان کی حالت پست بھی ہوجائے تو غیر شرعی کاموں میں نہ پڑیں۔

تیسری چیز جو انسان کو نجات دینے والی ہے۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں (علیؑ سے):

اس ذات سے جو وضو کے لیے پانی کی طرف جاتی ہے تو رنگ متغیر ہوجاتا ہے خوف خدا سے۔

خوفُ اللّٰہ فِی السِّرِّ وَالاِعلَانِیَۃِ

''اللہ سے ڈر تنہائی میں بھی اور اعلاناً بھی''۔

صرف اعلاناً اللہ سے ڈرنا کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ تنہائی میں' مخفی کمرہ میں بیٹھا ہوا ہے تب بھی۔ کوئی نہیں دیکھ رہا وہاں بھی خوف خدا کر اور اعلاناً مجمع عام میں بھی۔ حضرتؑ نے یہاں عجیب جملہ فرمایا ہے۔ اللہ سے مخفی اور اعلانیہ ایسے ڈر جیسے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اتنا یقین نہیں کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے تو یہ سمجھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ بات انسان کے لیے ایک سپاہی ہے' ایک پاسدار ہے' ایک نگہبان ہے۔ مثلاً پیسے لے کے بند کمرے میں غلط نمبر دے گا ٹھیک ہے۔ اگر یہ سمجھ لے کہ خدا دیکھ رہا ہے تو کبھی نہیں کرے گا۔ اگر اتنا نہیں سمجھتا تو یہ تو سمجھ کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

میرے بھائیو!

اگر میں اور آپ سب یہی ایک فارمولا کہ ہر وقت خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے اپنا لیں تو کیا ہم نجات نہیں پا جائیں گے؟ یہ منجیات میں سے ہے۔ ایک روایت میں نے اور بھی پڑھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ کوئی ظاہری واعظ کارگر نہیں ہوتا جب تک اندرونی واعظ بیدار نہ ہو۔ آپ ہزاروں مجلسیں کرائیں۔ وعظ و نصیحت بھی کرا لیں۔ جب یہ اندر والا (ضمیر) بیدار نہیں ہوگا تب تک انسان بیدار نہیں ہوتا ہے۔

میں نے یہاں ایک دفعہ مثال دی تھی۔ یہ ہمارے عرفاء کی کتابوں میں موجود ہے۔ ایک آدمی ہے جو لوہار کا کام کرتا تھا۔ لوگ گرم لوہے کو ایک آلے سے پکڑتے ہیں۔ وہ یہ کام ہاتھ سے پکڑ کر کر لیتا تھا۔ اور جیسے چاہتا تھا موڑ لیتا تھا۔ عام آدمی تھا' نہ نبی تھا' نہ امام۔ عام آدمیوں میں سے تھا۔ ایک بزرگ گزرے تو دیکھ کر تعجب کیا اور پوچھا کہ یہ کیفیت تم میں کیسے پیدا ہوئی۔ جبکہ تو ایک عام انسان ہے۔ سلام ودعا

کے بعد اس نے بتایا کہ ایک دفعہ قحط سالی تھی۔ قحط اتنا تھا کہ لوگ مر رہے تھے۔ اس عالم میں یتیم بچوں کی ایک ماں میرے پاس مال مانگنے کے لیے آئی۔ میرے پاس پیسہ تھا۔ میں نے اس پر ایسی شرط لگائی جو کوئی شریف انسان نہیں لگا سکتا۔ اس نے مدت کے بعد مجبور ہو کر میری شرط کو قبول کیا۔ لیکن یہ شرط لگائی کہ خلوت کی جگہ ہو کہ جہاں کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ میں نے مان لیا۔ میں اپنے گمان میں سے خلوت کی جگہ لے گیا۔ لیکن میں نے دیکھا اس کا ایمان اتنا قوی تھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ میں نے جب اس سے کہا تم نے شرط کی خلاف ورزی کی ہے تو اس نے کہا شرط خلوت کی تھی۔ تجھے پتہ نہیں ہے اس وقت کتنی ذاتیں ہیں جو ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ دو تیرے فرشتے ہیں دو میرے فرشتے ہیں۔ ایک میرا اور تیرا خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا ذہن بدلا' میں سمجھ گیا میں نے فوراً توبہ کر لی۔ اس کے بعد مجھے یہ انفرادیت حاصل ہوئی کہ میں نے نفس کی آگ پر قابو پایا۔ اللہ نے دنیا کی آگ مجھ پر حرام کر دی۔

میرے بھائی!

اگر ہمارے مسلمان ملکوں میں یہی چیز ہو جائے۔ فوج کی تو ضرورت ہے جہاد کے لیے۔ اس پولیس کی ضرورت ہے؟ کسی اور محکمے کی ضرورت ہے؟ ہر انسان کو اسلام تربیت کرنے کے لیے آیا تھا۔ اسلام ڈنڈے اور کوڑے سے تربیت اخلاق کرنے نہیں آیا تھا۔ لیکن ڈنڈے لگیں گے تو مسلمان کام کرے گا۔ اگر ڈنڈے نہ لگے تو وہی حرکتیں ہوں گی۔

یہی دو باتیں کر کے میں ختم کر دیتا ہوں۔ پھر آگے بڑھتا ہوں۔ ایک شخص آتا ہے امام علیہ السلام کے پاس کہ ایک گناہ ایسا ہے جو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ کیا تو راضی ہے کہ وہی گناہ تیرے گھر میں ہو؟ سمجھنے کی بات ہے' جو معرفت والے لوگ ہیں۔ اس نے کہا: میں راضی نہیں ہوں کہ ایسا ہو۔

تو معصومؑ نے فرمایا: کیا تو سمجھتا ہے کہ تو ہی عزت والا ہے باقی سب بے عزت ہیں۔ اگر وہ چیز تو خود پسند نہیں کرتا۔

ایک شخص امام محمدؑ باقر علیہ السلام کے پاس آتا ہے۔ وہ عرض کرتا ہے مولاؑ! آپ دعا فرمائیں کہ مجھے توفیق میسر ہو۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ بعض ایسے گناہ ہیں جنہیں میں نہیں چھوڑ سکتا۔ امامؑ نفسیات کا ماہر ہوتا ہے۔ کاش لوگ امامت کو سمجھیں۔ بالکل نہیں چھوڑ سکتے۔ جناب مجھ سے بالکل نہیں ہوتا یہ۔ جیسے کہ ہمارے ہاں کہتے ہیں: سگریٹ نہیں چھوڑ سکتا، فلاں چیز نہیں چھوٹ سکتی، فلاں چیز نہیں چھوٹ سکتی۔

روایت میں اس گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ روایت میں اس گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس نے یہ کہا کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ میں نہیں چھوڑ سکتا۔

معصومؑ فرماتے ہیں: بالکل نہیں؟

کہتا ہے: بالکل نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہی گناہ اپنے دروازے پر کرنے کے لیے تیار ہے؟

اس نے کہا: جی نہیں، میں وہاں تو نہیں کروں گا۔

امامؑ نے فرمایا: ہر کام چھوڑ سکتے ہو صرف اعلاناً نہیں بجا لا سکتے۔ مخفی بجا لانا چاہتے ہو۔ مخفی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اعلاناً لوگ دیکھیں گے تو کہیں گے اچھا مولوی صاحب اور یہ کام؟ یہ داڑھی اور یہ کام؟

جب اس نے یہ سنا تو وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ اب تو میں چھوڑ سکتا ہوں۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں: یا علیؑ! تیسری چیز جو انسان کو نجات دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سے ڈرے مخفی طور سے بھی اور اعلاناً بھی۔ اور یوں ڈرے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اتنا نہیں ہو سکتا تو یہ سمجھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ تھی روایت جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے آپ کے سامنے اور تھوڑا سا اپنی طرف سے بیان کرتا ہوں۔

گزارش یہ ہے کہ جب تک یہ اندر والا نہیں مانے گا تو نہ یہ مہلکات فائدہ دیں گی اور نہ ہی منجیات فائدہ دیں گی۔ جو خدا کو مانے گا اس کے لیے یہ چیزیں ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں ہمارے ہاں ایک بحث ہے مختصر عرض کروں گا۔

کتنا عالم موجود ہے۔ تمام دنیا کے ماہرین فن کو لے آؤ اور پوچھو کہ کوئی چیز بغیر نظم کے ہے؟ یہ نہیں کہہ سکتے کہ نہیں ہے۔ ساری چیزیں منظّم نظر آئیں گی۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ منظّم چیزیں کیوں پیدا کی ہیں؟ اس کی غرض کیا ہے؟ ان کے پیدا کرنے میں پھر بالخصوص انسان کو کیوں پیدا کیا؟ اس بشر کو کیوں پیدا کیا۔ کیا ہدف ہے؟ کیا غرض ہے؟ کیا غائت ہے اللہ کی پیدا کرنے میں کیونکہ دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی کوئی چیز بناتا ہے کسی احتیاج کی بنا پر بناتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آئے گی بنی ہوئی مگر یہ کہ انسان اس کا محتاج ہے۔ مکان بناتا ہے تو محتاج' لباس سیتا ہے تو محتاج' گاڑی بنتی ہے تو محتاج' موٹر ہے' کاریں ہیں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں انسان کی احتیاجات کے رفع کرنے کے لیے۔ اللہ نے جو کچھ بنایا ہے آیا اللہ اس کا محتاج ہے۔ اللہ تو مستغنی ہے' اللہ بے نیاز ہے۔ جو محتاج ہو جائے وہ تو خدا نہیں رہتا۔ تو اس کا خدا تو وہی ہو جائے گا جس کا وہ محتاج ہو جائے گا۔ اللہ نے یہ عالم کیوں پیدا کیا اور پھر اگر عالم پیدا کیا تو پھر بشر کو کس لئے پیدا کیا؟ انسان کو کس لئے بنایا؟

مختصر طور پر صاحبان علم کے لیے عرض کروں گا۔ پورا عالم اللہ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے۔ پورے کا پورا عالم۔ میں یہاں فلسفہ کی بحث میں نہیں جاتا۔ فلاسفہ نے کہا کہ اللہ میں لطف ہے اور لطف کی بنا پر پیدا کیا ہے۔ لیکن میں نے کل ایک جملہ کہا تھا۔ جناب زہراء علیہا السلام کے خطبے میں ہے اور وہ کتاب اتفاق سے ترجمہ بھی ہوگئی ہے۔ میں نے ترجمہ کیا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی جو اُردو جانتا ہوں۔ میں نے اس

کتاب کا نام ''اسلام کی مثالی خاتون'' رکھا ہے۔ یہ ابراہیم امینی کی لکھی ہوئی ہے۔ جناب فاطمہؑ زہراء کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب عام ڈگر سے ہٹ کر ہے۔ اس میں تجزیہ اور تحلیل ہے اور اس میں خصوصاً ہماری مستورات کے لیے بڑی سبق آموز چیزیں موجود ہیں' گھریلو زندگی کے لیے۔

معصومہؑ نے جو خطبہ دیا تھا۔ اس میں آپؑ نے فرمایا:

''اللہ نے بشر کو' ساری دنیا کو پیدا کیا بِحکمۃ اپنے علم کو بتلانے کے لیے اور اپنی قدرت کو بتلانے کے لیے اور اپنی اطاعت کرانے کے لیے بندوں کو پیدا کیا۔ (یہ معرفت کا سمندر بی بی کسی یونیورسٹی سے پڑھ کے نہیں آئی تھی لیکن ایسی یونیورسٹی سے پڑھی ہوئی تھی کہ یہ ساری یونیورسٹیاں ہیچ ہو کے رہ جاتی ہیں اس کے سامنے۔ وہ ہے پیغمبرؐ کی گود)۔ (صلواۃ)

بہر حال یہ تو ہے مسئلہ کہ حکمت واطاعت کے لیے۔ رہا بالطف و کرم تو ایک باب لطف ہے علم کلام میں۔ یہ لطف جو ہے واضح ہوتا ہے اس لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن میں عوامی لحاظ سے عرض کروں گا۔ جتنا عالم اس وقت موجود ہے جو ہمارے علمائے موجودہ کشف کر چکے ہیں۔ یہی جیسے میں ان سے کہوں گا تو کہیں گے یہ دخل دیتا ہے۔ قانون کسی کے باپ کی وراثت نہیں ہے۔ جو پڑھے گا وہ سمجھ لے گا۔ یہ جو ہماری کہکشاں موجود ہے اور اس کے اوپر کتنی ہی کہکشائیں ہیں۔ ابھی تک ان کی حد بندی نہیں ہو سکی۔ ان کو چھوڑیئے۔ یہ جو موجودہ کہکشاں ہے اور بھی جتنی چیزیں ہیں میرے بھائی بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ البتہ کچھ کا پتہ چل گیا ہے کہ انسان کے لیے ہیں کچھ کے متعلق ابھی تحقیق ہو رہی ہے کہ آیا انسان کے لیے فائدہ مند ہیں یا نہیں؟ بڑی آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سیب کس کے لئے ہیں؟ انسان کے لیے۔ انگور کس کے لیے ہیں؟ انسان کے لیے۔ یہ پھل' میوہ جات'

اجناس کس کے لیے ہیں؟ یہ انسان کے لیے ہیں۔ کبھی حیوان بھی کھاتا ہے۔ یہ حیوان کس کے لیے ہیں؟ یہ بھی انسان کے لیے۔ خواہ وہ ماکولات میں ہو یعنی جس حیوان کو کھایا جاتا ہے یا غیر ماالاکوت میں سے ہو جسے نہ کھایا جاتا ہو۔ یہ ساری چیزیں انسان کے لیے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے: ''اے میرے بندے! جو کچھ آج تک میں نے پیدا کیا وہ تیرے لیے اور تجھے پیدا کیا ہے اپنے لئے۔ تو میرے لئے یہ سارا عالم تیرے لئے ایک نہ ایک جگہہ جا کے ٹھہر جائیں گے۔ یہ جتنی بیماریاں ہین ان کے علاج انہی چیزوں سے معلوم ہوئے ہیں' آسمان سے تو نہیں آئے ہیں اور جتنے مواد الھیہ معلوم ہو رہے ہیں یا ہوں گے اور ابھی کتنی چیزیں مثلاً تیل' گیس' کوئلہ وغیرہ ہیں اور کتنی ہی دریافت ہوں گی۔ اب تو لوگ سمندر کی طرف بھی چل پڑے ہیں۔ یہ سارے کس کے لیے ہیں؟ اگر انسان کے لیے نہ ہوتے تو انسان ٹھوکر مارتا' کبھی اس کی طرف نگاہ ہی نہ کرتا۔ اب پتہ نہیں دلیل کسے کہتے ہیں۔ انسان کا اس کی طرف جانا معنی ہی یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں انسان کی احتیاج کو پورا کرتی ہے تبھی تو انسان اس کی طرف جاتا ہے۔ یہ لیبارٹریز جو بنی ہوئی ہیں لاکھوں کی تعداد میں۔ ان میں اشیاء کے ٹیسٹوں کے لیے علماء (ماہرین) کام کررہے ہیں۔ ادویات بن رہی ہیں۔ یہ جو سرطان ہے یعنی کینسر اس کے متعلق اتنی تحقیق ہورہی ہے اور بھی بیماریوں کے متعلق تحقیق کریں گے ان پر الہام تو نہیں ہوتا؟ یہ ساری چیزیں اسی زمین سے لے کر تحقیق کرتے ہیں اور انہیں اپنے لئے فائدہ مند بناتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہارے لئے ہیں۔ اور اگر تم ان کے لیے ہوتو پھر تمہیں حیوان ہونا چاہیے تھا۔

سوچئے میرے قبلہ! ساری چیزیں ہمارے لئے اور ہم ان کے لیے۔ مثلاً سیب میرے لئے میں سیب کے لیے۔ انگور میرے لئے میں انگور کے لیے۔ مکان

میرے لئے میں مکان کے لیے۔ اگر ہم یہاں رہ کے انہی کے بن جائیں اور ہمارا نقطۂ نظر، ہماری اڑان، ہماری پرواز یہی بن جائیں اور ہمارا فخر یہ ہو کہ ہمارے پاس چار کاریں ہیں، چار کوٹھیاں ہیں، اتنے مربعے ہیں، اتنا سرمایہ ہے تو پھر تو ہم حیوانات سے بالاتر نہیں ہیں۔

تو یہ فخر کر کہ یہ میرے لئے ہیں میں اِن کے لیے نہیں۔ اگر میں چاہوں تو خاک کو سونے میں بدل سکتا ہوں۔ (نعرۂ حیدری)

توجہ فرمایئے گا! ہم سارے خدا کے لیے ہیں۔ ہمیں اللہ نے اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ (لیکن کل بتاؤں گا)۔ جب پیدا کیا ہے تو اسباب تو خود مہیا کر دیئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ہم خود بخود وہاں تک پہنچ سکتے ہیں؟ جب اس نے اپنے لیے پیدا کیا ہے تو آیا ہم اس تک خود اپنی عقل کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں؟ یا وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس نے کوئی ایسا بھیجا ہے جس کا تعلق اِدھر بھی ملتا ہو اور اُدھر بھی۔ اُدھر سے لے اور اِدھر دے۔ ہمیں یہ بتائے کہ اگر یوں کرو گے تو وہاں تک پہنچ سکتے ہو۔ اس کی ضرورت ہے یا کہ نہیں؟

حضرت امیر علیہ السلام کے ہاں۔ قبلہ! مومن خاک کو تبدیل کر سکتا ہے۔ تبدیلیٔ ماہیت نہیں ہے بلکہ نوع تبدیل ہوتی ہے۔ میں آگے اس مسئلہ تبدیلیٔ انواع میں جاؤں تو پھر وقت ضائع ہو جائے گا۔ روٹی آپ کے پیٹ میں ختم نہیں ہوئی صرف اس کی حیثیت تبدیل ہوگئی ہے۔ اب خون بن رہا ہے، گوشت بن رہا ہے، کچھ اور بن رہا ہے، کچھ اور بن رہا ہے۔ مومن کی نگاہ سے۔ اقبال کا شعر (نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں) بھی ہے۔ میں شاعر تو نہیں ہوں اور نہ مجھے شعری ذوق ہے۔ مومن کی نگاہ مٹی کو اکسیر بنا دیتی ہے۔ اور اگر کسی مومن کی نگاہ کسی دوسرے مومن پر پڑے تو اُسے مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اب وہی مثال دے کے ختم کرتا ہوں۔ یہ میں نے شاید کئی دفعہ ذکر کیا ہے۔ ایک بڑے بزرگوار ماضی میں گذرے ہیں۔ ننگے پاؤں والے ان کا نام پڑ گیا تھا۔ یہ اپنے کوٹھے پر بیٹھ کے عیاشیاں منا رہا تھا۔ لونڈیاں گا رہی تھیں۔

میرے عزیزو! یہ گانا گانا' یہ گانا سننا' گانے بجانے کے اوزار بنانا' ان کا خریدنا' ان کا بیچنا' ان کا استعمال سب حرام ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں گانے والوں کو بڑے بڑے تمغے دیئے جاتے ہیں۔ جن پر اللہ غضبناک ہے اور وہ کہتے ہیں ہمارے گلے میں بھگوان بولتا ہے۔ امام علیہ السلام کا گزر ہوا وہاں سے۔ اس کی لونڈی باہر آئی کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لیے۔

معصومؑ نے پوچھا: اس مکان کا مالک غلام ہے یا آزاد؟

وہ کہنے لگی: جناب آزاد ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہی وجہ ہے۔ اگر غلام ہوتا تو یہ کام نہ کرتا۔ اگر کسی کو اپنا مالک مانتا تو یہ کام کبھی نہ کرتا۔

دیر ہوگئی' لونڈی اوپر گئی تو مالک نے کہا دیر کیوں ہوئی؟ کس سے بات ہو رہی تھی؟ کہنے لگی کوئی آدمی گزر رہا تھا۔ اس نے یہ سوال کیا میں نے یہ جواب دیا۔ اس نے کہا۔ اٹھ کے دوڑا بغیر جوتا پہنے۔ امامؑ کو راستے میں ملا۔ کہنے لگا کہ جنابؑ میں آج کے بعد غلام بننے آیا ہوں۔ بدل دیا نگاہِ مومن نے۔ اب پہلے کیا تھا بعد میں کیا ہوگیا۔

یہ واقعہ ہے' پھر وہی کہوں گا سند ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی۔ احتمال ہو کہ نہ ہو۔ لیکن امکان اس کا ہے کہ ہوسکتا ہے۔ جناب فضہ علیہ السلام نے دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے گھر میں فقر ہے' فاقہ ہے ظاہری لحاظ سے۔ تو اس نے ایک دن سونا بنا کے بھیج دیا۔ (کہتے ہیں تھوڑا سا کیمیا بھی جانتی تھی نا کہ اسے بازار میں بیچ کر گھر

میں کھانے پینے کی چیزیں لے آئیں)۔ جب وہ سونا آپ کے سامنے آیا تو آپؑ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں: اگر اس میں تھوڑی سی یہ چیز ملائی جاتی تو تھوڑا اور اچھا ہو جاتا۔ (نعرۂ حیدری)

یہ کہتی ہے کہ کیا آپ بھی سونا بنا سکتے ہیں؟

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: میں تو بجائے خود حسنینؑ جن کی عمر ابھی چار پانچ سال بھی نہیں ہے یہ بھی تیرے سونے میں نقص بتلا سکتے ہیں۔

کہتی ہے کہ پھر جان بوجھ کر بھوکے مر رہے ہیں آپ لوگ۔ ہم نے عالم اسباب پر چلنا ہے۔ عالم معجزات پر ہر وقت نہیں چلا جاتا۔

میرے قبلہ! ہم اس کے لیے ہیں۔ بن جا اس کا۔ ہر چیز تجھ سے ڈرے گی جب تو اس سے ڈرے گا۔ جب صرف اس کا خوف ہوگا تو ہر چیز تجھ سے ڈرے گی۔ اور جب اس سے نہیں ڈرے گا تو تو ہر چیز سے ڈرے گا۔ ہاں جب ایک سے ڈرے گا تو پوری دنیا تجھ سے ڈرے گی اور اگر ایک سے نہیں ڈرے گا تو پوری دنیا سے ڈرے گا۔ اب یہ تجھ پر ہے کہ ایک سے ڈرنا قبول کرتا ہے یا پوری دنیا سے۔

آج دیکھ لے جو صرف اس سے ڈرتا ہے حسینؑ کا فرزند ہے۔ پوری دنیا پر اپنا رشتۂ خون ثابت کر دیا ہے۔ ہاتھ اٹھاتا ہے تو کبھی کسی کے منہ پر اور کبھی کسی کے منہ پر۔ یہاں کے سیانے کہتے ہیں کہ انہیں کم از کم بڑی طاقتوں کا تو کچھ لحاظ کرنا چاہیے۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ بڑی طاقت صرف اور صرف میرا پروردگار ہی ہے۔ جو اس سے ڈرتا ہے نا۔ اس سے امریکہ ڈرتا ہے' روس ڈرتا ہے' چین ڈرتا ہے' سعودی عرب ڈرتا ہے' مصر ڈرتا ہے اور تھوڑا تھوڑا سا ہمارا ملک بھی ڈرتا ہے۔ ہو جاؤ اللہ کے۔ ہم کہتے ہیں تم بھی اللہ کے ہو جاؤ تم بھی وہی مقام حاصل کرو۔ ہمیں بھی ان کے تقویٰ سے محبت ہے۔ میرے بھائی! جب اس کا ہو جائے گا تو ہر چیز ڈرے گی تجھ سے۔

میرے قبلہ!

پھر وہی عرض کروں گا۔ مقابلہ تو نہیں ہے نا! بہتر (۷۲) سے تیس ہزار ڈر رہے تھے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے' جناب زینبؑ خاتون فرماتی ہیں: (جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد گیارھویں کی رات کو زبان حال سے) آج وہ آنکھیں سو رہی ہیں جو کل رات سو نہیں رہی تھیں۔ جن کو کل رات آرام نہیں آتا تھا۔ ساری رات جاگ رہی تھیں تیرے خوف سے۔ اے عباسؑ! آج وہ سوئی ہوئی ہیں۔ اور جو آنکھیں رات آرام سے تھیں آج رات وہ بے آرام ہیں۔ کل انہیں پتہ تھا کہ زینبؑ کا بھائی عباسؑ موجود ہے' علیؑ اکبر موجود ہے' قاسمؑ موجود ہے۔ ہم مطمئن تھے۔ لیکن آج ہمارا کوئی نہیں ہے۔ ہم مضطرب ہیں۔

یہ ہوئی نا بات بہتر (۷۲) سے ڈر رہی تھی تیس ہزار کی فوج۔

میرے بھائیو! میں نے آج سوچا یہ ہے۔ روایت میں بھی ہے کہ میں ایک ایسے جوان کی مصیبت پڑھوں کہ جس جوان کی مصیبت میں عجیب کیفیت تھی۔ یہ اللہ کے حبیبؐ کے حبیبؑ کا حبیب ہے۔ آپ کتابیں دیکھیں امام حسینؑ نے ایک جنازہ نہیں اٹھایا۔ ہر جنازے کے ساتھ یوں سمجھیں موت کے منہ میں جاتے تھے۔ جب کوئی شہید گرتا تھا تو دشمن کے پنجے سے چھڑانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لڑ لڑ کے وہاں سے چھڑا کے لاتے تھے۔

ایک دفعہ مضطرب ہو کر اپنے اصحاب پر بھی روئے۔ جب علیؑ اکبر آخری وداع کے لیے خیام میں گئے تو اندر سے گریہ کی اس قدر آواز بلند ہوئی کہ امامؑ کو اندر جانا پڑا۔ یہی لکھا ہے کہ آپ نے بیبیوں کو ہٹا کر ان سے اکبرؑ کو چھڑا کے کہا:

جاؤ علی اکبرؑ اور ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی جس میں اللہ کو گواہ بنایا۔ عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اشھد عَلٰی ھٰؤُلاءِ القومِ فقد برزَ اِلَیھِم غُلامٌ وَاشبہُ النَّاسُ خَلقًا وَخُلقاً وَمَنطِقًا بِنَبِیِّک وَکُنَّا اِذا شَتقنا اِلٰی نَبِیِّکَ نظرنا اِلٰی وَجھِہٖ

''خداوندا! گواہ رہنا اس قوم کے ظلم پر' کہ اب وہ جا رہا ہے۔ امامؑ کیا کیا کہہ سکتے تھے کہ کون جا رہا ہے۔ یہ کہہ سکتے تھے کہ میری ضعیفی کا سہارا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ بھرے گھر کی رونق جا رہا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ زینبؑ کا اٹھارہ برس کا پروردہ جا رہا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ماں کے دل کی ڈھارس جا رہا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میرا اکڑیل جوان جا رہا ہے۔ مگر مولاؑ نے یہ نہیں کہا۔

کہتے ہیں پروردگار! گواہ رہنا کہ وہ جا رہا ہے جو صورت میں' سیرت میں' گفتار میں' رفتار میں' تیرے نبی کی ہو بہو تصویر ہے۔ پروردگار جب ہم تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اپنے اس جوان کو دیکھ لیتے تھے۔

رخصت کیا ہے اور مولاؑ کی کیفیت یہ ہے کہ حسینؑ اپنی جگہ کھڑے نہیں ہو سکے۔ دُور تک علیؑ اکبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ بیٹا! جب تک نظر آ رہے ہو مڑ مڑ کے پیچھے دیکھتے رہنا۔

صاحب کتاب معالی السبطین لکھتا ہے۔ حالت یہ تھی کہ امام باہر کھڑے تھے اور تمام بیبیاں اپنے اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ اور یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ علیؑ اکبر جاتے ہیں پہلے حملے میں ایک سو بیس آدمیوں کو فی النار کرتے ہیں۔ یہ ارشاد مفید میں بھی لکھا ہے' علیؑ کا پوتا ہے معمولی نہیں ہے۔ لڑتے لڑتے جب پیاس سے نڈھال ہوتا ہے واپس آتا ہے' بابا اگر مجھے ایک گھونٹ پانی کا مل جائے۔ ایک گھونٹ پانی کا۔ (وقت نہیں رہا میں جلدی سے آگے بڑھوں گا)۔ ایک گھونٹ پانی۔ نہیں جانتا تھا علیؑ اکبر کہ تین دن سے پانی نہیں ہے؟ اسے پتہ نہیں تھا؟ لیکن جانتا تھا

کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ اسی باپ نے معجزے کے طور پر بے موسم میوہ منگوادیا تھا۔ کتابوں میں لکھا ہے۔ علیؑ اکبر نے انگور مانگا اور انگور کا موسم نہیں تھا اور امامؑ نے معجزے کے ذریعے انگور منگوا دیئے۔ آج معجزہ طلب کرنے آیا ہے۔ جناب امامؑ حسینؑ نے دیکھا۔ پانی تو تیرے نانا کے پاس ہے۔ جاؤ! وہ کاسہ لئے کھڑے ہیں۔ اگر تھوڑی سی تسکین لینا چاہو تو اپنی زبان میری زبان میں رکھ دو۔

صاحب کتاب نے لکھا ہے علی اکبرؑ کا حسینؑ کے منہ میں زبان رکھنا تھا کہ فوراً کھینچ لی۔ شاید امامؑ نے یہ فرمایا ہو کہ بیٹا یہ نہ سمجھنا کہ میں نے بخل کیا ہے۔ جب زبان کھینچ لی نا۔ تو کہتا ہے بابا آپؑ کی زبان تو مجھ سے بھی زیادہ خشک ہے۔ علی اکبرؑ کی نظر پڑتی ہے خیام پر اور پوچھتا ہے باباؑ میں جا رہا ہوں' آپ بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ ہمارے بعد ان مستورات کا کیا بنے گا؟

امام فرماتے ہیں: علی اکبرؑ! اب ان کے ہاتھوں میں رسیاں پڑیں گی۔ یہ سننا تھا کہ علی اکبرؑ زمین پر گرا اور غش کھا گیا۔ امامؑ نے پاؤں کی ہتھیلیاں رگڑیں' اسے ہوش آیا۔

دوبارہ جاتا ہے۔ اکثر مقاتل میں لکھا ہے۔ اسّی (۸۰) ملعونین کو پھر فی النار کرتا ہے۔ دوسو (۲۰۰) آدمیوں کے مارنے والا جوان۔ تلوار کی لڑائی ہو رہی ہے۔ عمر سعد ایک طارق نامی شخص کو بلاتا ہے۔ کہتا ہے طارق جا علیؑ اکبر کا سر قلم کر کے لا۔ وہ کہتا ہے کہ حکومت تو کرے اور علیؑ اکبر کا سر میں قلم کروں؟ اگر مجھے موصل کی حکومت دلوادے تو میں جاتا ہوں۔ وعدہ ہوگیا۔ یہ چلتا ہے۔ علیؑ اکبر وار کرتے ہیں اور اسے فی النار کرتے ہیں۔ اس کا بھائی آتا ہے وہ بھی واصل جہنم۔ اس کے بعد ایک بڑا شجاع تھا کوفے کا یہ آتا ہے بڑا پہلوان ہے۔ یہ آتا ہے تو امام حسینؑ کا رنگ ذرا متغیر ہو جاتا ہے۔ چہرے پر زردی آتی ہے۔ فوراً ماں سمجھ گئی۔ نقشہ اس طرح

کہ سب کی نظر چہرہ امام حسینؑ پر تھی گویا کہ ایک فلم بن رہی تھی علیؑ اکبر کی۔ جب یہ حالت دیکھی تو جناب لیلیٰ پوچھتی ہیں کیا میرے بیٹے کا جگر پھٹ گیا ہے؟

امامؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نانا سے سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے کے حق میں زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ایک بڑا بہادر آیا ہے۔ وہ سیر و سیراب ہے اور میرا بیٹا تین دن کا پیاسا۔ جا اپنے بیٹے کے لیے دعا کر۔ خدا اسے فتح عنایت کرے۔ ماں جاتی ہے خیمے میں۔ صاحب کتاب نے یہی لکھا ہے کہ بی بی نے اپنے سر سے چادر اتار دی۔ زینبؑ و کلثومؑ کو بھی آواز دی۔ دعا کی اے میرے اللہ میرے بیٹے کو اس ملعون پر فتح دے۔ میرے مالک! تجھے یعقوبؑ سے یوسفؑ کی جدائی کا واسطہ، ہاجرہ اور اسماعیلؑ کی جدائی کا واسطہ، یہ دعائیں بڑی نہیں ہیں۔ اصل میں دعا جو قبول ہوئی ہے وہ یہ نقطہ ہے۔ بی بی کہتی ہے تجھے حسینؑ کی پیاس کا واسطہ، حسینؑ کی غربت کا واسطہ کہ ایک دفعہ میرا بیٹا مجھے واپس دلا دے۔ علیؑ اکبر آتے ہیں۔ ماں باپ سے ملتے ہیں۔ دوبارہ جاتے ہیں تو اب پھر واپس نہیں آسکتے۔

کسی نے نیزہ مارا ہے۔ کسی نے گرز مارا۔ اکبرؑ کے سر سے خون جاری ہوتا ہے۔ اب اکبرؑ کو کچھ نظر نہیں آرہا۔ باہوں کو گھوڑے کی گردن میں ڈالا۔ (خون علی اکبرؑ گھوڑے کی آنکھوں میں پڑا) گھوڑا دشمن کی فوج میں لے گیا۔ ارشاد مفیدؒ میں ہے:

فَقَطَعُوهُ بِسُيُوفِهِم اِربًا اِربًا۔ اکبر کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

جب علیؑ اکبر نے آواز دی نا: یا ابتَ اَدرِکنی "بابا میری مدد کو آ"۔ جناب سکینہؑ خاتون کی روایت ہے کہ جس وقت علیؑ اکبر نے آواز دی۔ میرے بابا دروازہ پر کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ جناب سیدہ زینبؑ خاتون باہر آئیں کہ اگر حسینؑ اس حالت میں رہا تو مارا جائے گا۔ امامت کو بچانے کے لیے علیؑ

اکبرؑ کی لاش پر آتی ہیں۔ امامؑ نے دیکھا: غیرت کا مقام ہے۔ عبا ڈال دیتے ہیں سر پر۔ کہتے ہیں تو باہر آ گئی! ہاتھ پکڑ کے بہن کا لے آتے ہیں خیمہ میں۔

ایک چادر لیتے ہیں: اس میں جنازہ رکھتے ہیں اور لاتے ہیں خیام میں اور فرماتے ہیں (بیٹیوں سے) اپنے بھائی کا جنازہ لے لو۔ بس آخری جملے ہیں۔ وقت ہی نہیں ہے۔

ایک عالم دین نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہ سارے زخم امامؑ کے مندمل ہو چکے ہیں لیکن دو زخم باقی ہیں۔ حضرتؑ فرماتے ہیں جب کوئی زوار میری قبر پر زیارت کے لیے آتا ہے اور میری مظلومیت پر گریہ کرتا ہے تو اس کا رونا مرحم بن جاتا ہے میرے زخموں کے لیے۔

وہ عالم سوال کرتا ہے مولاؑ! یہ دو زخم کیسے ہیں؟

امامؑ فرماتے ہیں: اے مومن! یہ زخم نہ تلوار کے ہیں، نہ نیزے کے ہیں، نہ تیر کے ہیں، ایک زخم اکبرؑ کا ہے دوسرا عباسؑ کا ہے۔

اَلا لَعنَۃُ اللّٰہ عَلَی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا
اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُو نَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر و نشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقبَّل مِنّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

مجلس ششم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاِذَا قَضٰی اَمرًا فَاِنَّمَا یَقُولُ لَہٗ کُن فَیَکُونَ ٥ (سورہ البقرہ، آیت ۱۱۷)

''(وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جب کسی امر کو طے کرلیتا ہے تو صرف کن فرمادیتا ہے اور وہ ہوجاتا ہے''۔

معزز حاضرین! میں نے یہ آیت ایک مناسبت سے پڑھی ہے۔ بدیع اور مبدع کے معنی ہیں کسی شئے کو بنانے والا۔ کسی بات کو طے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علم تام وشامل میں یہ ہوتا ہے کہ یہ حکمت و مصلحت کے مطابق ہے۔ اس لفظ سے خالق کے فاعل مختار اور مرید ہونے کا اظہار ہے۔ یعنی اس کے افعال بتقاضائے ذات قہری طور پر نہیں ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہوجا۔ اس سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ یہ لفظ اس کی طرف سے وجود میں آتے ہیں۔ قول میں لفظ کی ضرورت تو اس وقت ہے جب قائل زبان و دہن رکھتا ہو۔ لیکن خالق کی ذات جسم وجسمانیات سے منزاو

مبرا ہے۔

جب اللہ کوئی ارادہ کرے کہ فلاں چیز ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ تحدید یہ بھی الفاظ کی کوتاہی ہے کہ اللہ کا ارادہ ہو اور پھر کہے ''ہوجا''۔ اللہ وہاں یہ الفاظ نہیں کہتا کہ ''ہوجا'' بلکہ اللہ کا جب ارادہ ہوتا ہے۔ تو ارادے اور الفاظ میں جو فاصلہ ہے وہ فاصلہ بھی نہیں رہتا۔ اللہ ارادہ کرے کسی شئے کا تو وہ ہوجاتی ہے۔ وہاں پر تخلف نہیں ہے' فاصلہ نہیں ہے کہ وہ ارادہ کرے' کچھ منٹ لگیں' دقیقے لگیں' کچھ سیکنڈ لگیں اور بعد میں کوئی ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ دفعتاً اس کا ارادہ ہونا اور کسی چیز کا ہوجانا یہی اس کا ارادہ ہے۔

اس آیت کی تھوڑی سی تفسیر اور ترجمے کے بعد میں اسی موضوع کو جسے میں عرض کررہا ہوں۔ اسی سلسلے میں آپ کی خدمت میں (جو حضرات توجہ فرمارہے ہیں) عرض کروں گا۔

دیکھئے! جس نے تاریخِ ادیان کا مطالعہ کیا ہے۔ یعنی جس کو مختلف مذہبوں کی تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق و ذوق ہو خواہ قرآن مجید ہو یا موجودہ ناقص توریت اور انجیل جو آج بھی ہماری دسترس میں ہے۔ چونکہ ہمارا قرآن کہتا ہے کہ جو توریت اور انجیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہیں یہ وہ نہیں رہیں جو نازل ہوئی تھیں۔ اب مجھے اس کے متعلق بحث نہیں کرنی' بلکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اسے بہت مدت کے بعد مرتب کیا ہے اور حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کردیا ہے۔ حواری کہتے ہیں' ہمارے مطابق اصحاب کہہ لیجئے' شاگرد کہہ لیجئے۔ جناب عیسےٰ کے جو شاگرد تھے ان کو حوارین کے نام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے کم وبیش ستر سال بعد

ان کے حواریوں نے اسے مرتب کیا ہے۔ یہ وہ توریت یا انجیل نہیں ہے جو اِن دو اولوالعزم انبیاء پر نازل ہوئیں۔ ان میں تحریف ہوچکی ہے اور تحریف کی بڑی واضح علامات اس میں موجود ہیں۔ چونکہ انبیاء کی طرف جن افعال کی نسبت دی گئی ہے یہ کوئی عام آدمی بھی نہیں بجالاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ نبی نعوذ باللہ انہیں انجام دے۔ میں اب یہ نہیں کہنا چاہتا کہ اس میں کیا کیا مفاسد ہیں بلکہ میں نے یہی عرض کرنا ہے کہ جتنی اب موجود ہیں خواہ وہ عبرانی خواہ دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں حتیٰ کہ جیسے میں نے عرض کیا تھا بدھ مت یا دوسرے مذاہب جو دنیا میں اس وقت موجود ہیں ان کا جب مطالعہ کریں گے تو ان میں بھی آپ کو ملے گا کہ پیغمبروں نے اسی چیز پر سب سے زیادہ انہوں نے زور دیا ہے اور ان میں سے دو چیزوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

ایک خدا کا ماننا جسے ہم ایمان باللہ کہتے ہیں۔ ایک تو اس پر انبیاء کا زور ہوتا تھا کہ لوگو! اللہ پر ایمان لے آؤ جو تمہارا خالق ہے۔ منہ سے کہہ دینا کہ میں مومن باللہ ہوں لیکن انسان ایمان کے معنی کرے گا اور اس کے ذہن قلب اور روح میں یہ مُسلَّم ہو کہ میرا کوئی خالق ہے جو پورے عالم کا کوئی خالق ہے اور وہی خالق اس عالم کو چلا رہا ہے یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم فوراً تصور کرلیتے ہیں۔ میں نے شاید یہاں مجلسیں پڑھی تھیں یا نہیں ایمان باللہ پر۔ اس میں انہیں پیش نظر رکھا جائے تو آسانی ہوگی۔

عالم کسے کہتے ہیں؟ میں کل بھی عرض کرچکا ہوں کہ یہ جو پورا نظام نظر آرہا ہے اور جو فلاسفہ کو یا ریاضی دانوں کو نظر آتا ہے آج کل کے زمانے میں پوری کائنات کو چلانے والا صرف ایک خدا کو ماننا اور اس کا کنٹرول پورے عالم کے ذرے ذرے پر تسلیم کرنا۔ یہ عقیدہ رکھنا آسان نہیں ہے۔ جو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھی

کرسکتا ہے، وہ بھی کرسکتا ہے۔ یہ بھی کرسکتے ہیں، وہ بھی کرسکتے ہیں۔ بس یہی سمجھیں کہ یہ سارے نوکر ہیں اور پورا کنٹرول اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی قیّم ہے وہی محیط ہے، وہی جانتا ہے۔ یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ میں نے ایک روایت یہاں پڑھی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اس کی قوم نے عرض کیا کہ ہمیں خدا سے پوچھ کے بتائیں کہ خدا سوتا بھی ہے یا نہیں۔ اور اب پھر وقت نکل جائے گا۔ آپ دیکھیں کہ انبیاء میں سے جتنی ناز والی قوم حضرت موسیٰؑ کی ہے اور کوئی نہیں۔ قرآن ہمیں یہاں تک بتلاتا ہے کہ اس کی عجیب عجیب باتیں ہوتی تھیں۔ یہودی اسی قسم کا ہے کہ بات بات پر مین میخ نکالتا ہے۔ بات بات پر نقطے نکالنا ان کا وطیرہ ہے۔ اللہ نے اس کے ہر ناز کو برداشت کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے خواہش کی کہ ہمارے لیے دالیں اور پیاز وغیرہ بھی آسمان سے آئیں۔ پیاز اور یہ لہسن وغیرہ ہم کھاتے ہیں یہ ہمیں انہی کی برکت سے ملے ہیں۔ یہ پورے عالم میں انہوں نے تقاضا کیا تھا۔

جب دریا سے گذر رہے تھے تو بارہ قبیلے تھے۔ کہتے ہیں ہم ایک ایک قبیلہ علیحدہ رہیں گے۔ اکٹھے ایک دوسرے کے پیچھے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے لئے دریا میں بارہ راستے علیحدہ علیحدہ بنائے گئے۔ پھر کہتے تھے کہ ہمیں یہ پتہ نہیں کہ ہمارے دوسرے قبیلے جو جا رہے ہیں یا نہیں۔ لہٰذا پانی اتنا شفاف ہو کہ ہم انہیں بھی دیکھتے رہیں کہ چل رہے ہیں یا نہیں۔

یہ اُمت مرحومہ بھی عجب ہے کہ دریا میں راستے بننا مانتی ہے لیکن دیوار میں شگاف کا ہونا ماننے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ مانا تو علیؑ کی عظمت ظاہر ہو جائے گی۔

نازوں میں اتنا ناز۔ لڑائی میں کہتے تھے تم جاؤ لڑو ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ ناز کرنے والی قوم تھی۔ انہوں نے جناب موسیٰؑ سے یہی کہا کہ ہمیں پوچھ کے بتلاؤ کہ خدا سوتا ہے یا نہیں۔ یہ آیت الکرسی میں جو آتا ہے: لَا تَاخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوم" نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند آتی ہے"۔ یہ اسی کی دلیل ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے وعدہ کرلیا کہ میں اللہ سے پوچھوں گا بس سوال کرنے میں پھنس گئے۔ انہوں نے پہنچادیا پیغام تو اللہ نے کہا کہ موسیٰؑ! جب یہ سوال کیا ہے تو آج سے آپ نے بھی نہیں سونا۔ آپ کو جاگتے رہنا ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے حکم خدا کی تعمیل کی پیغمبر تھے معصوم تھے۔ پیغمبر تو اللہ کی نافرمانیاں نہیں کرتے ہیں۔ معصوم کے معنی ہی یہی ہیں۔ ہم تو ایک پیغمبر نہیں تمام انبیاء کو معصوم سمجھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ بہرحال یہ تین دن تک نہ سوئے۔ خدا کا حکم ہوتا ہے ایک شیشی ایک ہاتھ پر رکھ لو اور دوسری شیشی دوسرے ہاتھ پر رکھ لو یہ حکم ملا آپ کو۔ آپ دونوں ہاتھوں پر ایک ایک شیشی رکھ کے کھڑے ہو گئے۔ آخر انسان تین دن تک جاگتا رہے تو نیند آ ہی جاتی ہے اور ایک محاورہ بھی ہے:

"نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے"۔

کھڑے کھڑے تھک گئے حضرتؑ کو مجبوراً نیند آ گئی۔ اپنے اختیار سے تو وہ کوشش کرتے رہے کہ نہ سوئیں۔ دونوں شیشیاں گر پڑیں اور ٹوٹ گئیں' اللہ یوں سمجھاتا ہے۔

وحی ہوئی' موسیٰؑ تو ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کے لیے سوگیا تو دو شیشیوں کی حفاظت نہیں کرسکا' اور اگر میں سو جاؤں تو اس عالم کی حفاظت کیسے ہوسکتی ہے؟ کائنات کو کیسے چلاسکتا ہوں۔

میرے قبلہ! یہ ماننا بڑا مشکل ہے کہ سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ قَیّم وہی ذات ہے۔ حَیُّ وہی ذات ہے۔ انبیاء نے اس توحید پر بڑی محنت کی اور بتایا تا

کہ لوگ خدا کو مان جائیں۔ انشاء اللہ اگر زندہ رہا جتنے آدمی تشریف لائیں گے کل میں عرض کروں گا کہ توحید کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔

دوسری چیز جس پر انبیاء نے زیادہ زور دیا وہ یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ قیامت کا ماننا بھی ویسے ہی ہے جیسے خدا کو ماننا۔ کہنے کو تو ہم لفظوں میں کہہ دیتے ہیں کہ قیامت بھی ہے۔ لیکن واقعاً ماننا کہ قیامت آئے گی یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ آسان نہیں ہے۔ ہم جب تک متوجہ نہیں ہوں گے۔ جب تک ہم اتنے سمجھ دار نہیں بنیں گے کہ جو چیز بھلانے والی اسے دفن کر دیں۔ تو قیامت کو بھی بھول جائیں گے۔ خدا بھی بھول جاتا ہے۔ انسان کے ذہن سے خدا بھی محو ہو جاتا ہے قیامت بھی فراموش ہو جاتی ہے۔

قیامت کیا ہے؟ عرض کیا ہے کہ قیامت اور قیامت کے بعد والے حالات ہم نہیں جانتے۔ ہمیں علم نہیں ہے۔ موجودہ سائنس بھی یہ نہیں بتلا سکتی کہ قیامت کے بعد کے حالات کیسے ہوں گے۔ لیکن یہ یقینی ہے۔ موجودہ علوم بھی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس عالم نے باقی نہیں رہنا۔ یہ پورا عالم۔ عالم کہہ لیجئے' دنیا کہہ لیجئے' جہان کہہ لیجئے' نظامِ شمسی کہہ لیجئے۔ یہ نظام جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج کا علم اقرار کرتا ہے کہ اس نے ہمیشہ نہیں رہنا۔ باقی نہیں رہنا۔ اس نے فنا ہونا ہے۔ یہی مان لینا کہ اسے فنا ہونا ہے یہ قیامت ہے کسی کے ماننے سے اس کے کیا اثرات ہیں یہ بھی کل اگر اللہ نے زندگی دی تو عرض کروں گا۔ قیامت کے ماننے سے کیا ملتا ہے۔ انسان کی زندگی پر کیا اثر ہوتا ہے۔ میں جو دو تین دن سے یہ کوشش کر رہا ہوں صرف آپ کے یا دوسرے بھائیوں کے لیے نہیں بلکہ یہ چیزیں بہت اہم اصول ہیں۔ پیغمبروں نے ساری عمر محنت کی ہے ان پر۔ ایک توحید بھی ایمان باللہ ہے اور دوسرا قیامت کو منوانا۔ حتیٰ کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام بھی اسی کے لیے سرگرم رہے۔

ایک شخص تھا ابی ابن فلف۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اور احتجاج طبرسی میں جناب امیرؑ سے منقول ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس یہ شخص آیا اور ہڈی لایا جو مدتوں سے پڑی ہوئی تھی اور بوسیدہ ہوچکی تھی۔ اس نے اسے دونوں ہتھیلیوں میں مسلا وہ ایک پاوڈر کی طرح بن گئی اور اسے پھونک ماری تو اڑ گئی۔ پھر وہ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: کیا یہی پھر سے دوبارہ زندہ ہوگی؟

اب ذات احدیت اس قیامت کے منکر کو جس نے شاید یہ خیال کیا کہ میں نے بڑی دلیل قائم کردی ہے جس کا پیغمبرؐ بھی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں دیتا ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِیَ خَلقَهٗ قَالَ مَن یُّحیِ العِظَامَ وَهِیَ رَمِیمٌ ○ قُل یُحیِیهَا الَّذِی اَنشَاهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلقٍ عَلِیمٌ ○ (سورہ یٰسین، آیت نمبر ۷۸-۷۹)

"اور ہمارے ہی لئے اس نے مثل بیان کی اور اپنی خلقت کو بھول گیا کہنے لگا کہ ہڈیوں کو جس حال میں کہ وہ خاک ہوجائیں گی کون زندہ کرے گا؟ تم کہہ دو ان کو کہ وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کردیا تھا اور وہ ہر مخلوق کے حال سے واقف ہے"۔

دیکھا آپ نے کہ ذات احدیت نے کتنی محکم دلیل سے قیامت کے منکر کا منہ بند کیا ہے یہ کہہ کے قُل (یُحیِیهَا) الَّذِی اَنشَاهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اس کا دوبارہ بنانا مشکل ہے یا ابتداء میں بنانا مشکل ہے؟

قبلہ! ماڈل کا ایجاد کرنا مشکل ہے۔ اس پر کروڑوں کاریں آپ بنا سکتے ہیں۔ اس کا نقشہ بنانے کے لیے فہم کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب ایک دفعہ کوئی چیز بن

جائے تو اس کی Modification یعنی ترمیم یا اسے اور زیادہ موثر بنانے میں کوئی زیادہ زحمت نہیں ہوتی مثلاً آپ ایک کار کو لائیں اس کے سارے پرزے الگ الگ کھول کے رکھ دیں پھر پرزوں کو اپنی اپنی جگہ جوڑ کر اسے واپس کار کی شکل میں لانا بہت آسان ہے لیکن ابتداء میں بنانا مشکل ہے۔

خیر۔ اب دیکھنا یہ ہے میرے بھائیو! میرے بزرگو! توجہ فرمائیں! عالم کو فنا ہونا ہے' یہ طے ہے۔ قرآن مجید میں عالم کے فنا ہونے کے لیے ایک لفظ استعمال ہوا ہے اور انسان کے فنا ہونے کے لیے دو لفظ استعمال کیے ہیں۔ قرآن مجید میں عالم کے فنا ہونے کے متعلق آیتیں پڑھوں۔ آیتیں لکھ کے لایا ہوا ہوں میں۔ لیکن ابھی مجھے ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت ○ وَاِذَا النُّجُومُ انکَدَرت ○ وَاِذَا الجِبَالُ سُيِّرَت ○ (سورۃ التکویر، آیت ا تا ۳)

''جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی اور جب تاروں کی روشنی جاتی رہے گی اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''۔

اور سورۃ الانفطار کی پہلی اور دوسری آیت میں ہے:

اِذَا السَّمَاء انفطَرَت ○ وَاِذَا الکَوَاکِبُ انتَثَرَت ○

''جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب تارے گر کر تتر بتر ہو جائیں گے''۔

قرآن کریم میں ایک لفظ (اصطلاح) آتا ہے: اَجَلٌ مُّسَمَّی۔ ''مقرر کی ہوئی مدت'' پوری آیت پڑھ دیتا ہوں کہ یہ لفظ کہاں موجود ہے:

هُوَ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن طِینٍ ثُمَّ قَضٰی اَجلاً وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِندَهٗ ثُمَّ اَنتُم تَمتَرُونَ ○ (سورۃ الانعام، آیت ۲)

''وہ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس نے ایک
مدت مقرر کی اور مقرر کی ہوئی مدت اسی کے علم میں ہے پھر بھی
تم شک کرتے ہو''۔

توجہ فرمایئے! لیکن انسان کے لیے یہ فقط لفظ نہیں ہے۔ انسان کے فنا ہونے کے لیے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں۔ ایک جگہ آیا ہے ''اجل'' کہ ہم نے انسان کے لیے ایک مدت بنائی ہوئی ہے۔ اس کے بعد فنا ہو جائے گا' ہم اسے ماردیں گے۔ اور پانچ جگہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ انسان کے لیے ''اجل مسمی'' بنائی ہے ہم نے کہ ایک مدت معین بنائی ہے۔ تو انسان کے لیے ایک جگہ لفظ اجل ہے جس میں مدت کی قید نہیں ہے۔ دوسری جگہ قید ہے یعنی مدت ہوگی۔ اور ایک معین مدت میں انسان نے مرجانا ہے۔

توجہ فرمائیں گے! یہاں پر دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ امام علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اس دو طرح کی اجل میں کیا فرق ہے؟ یعنی ایک جگہ صرف اجل اور دوسری جگہ مدت معین ہے۔ معصوم فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی دو مدتیں ہیں۔ ایک مدت انسان کی وہ ہے جو اللہ نے اپنے ملائکہ کو بھی بتلائی ہے' انبیاء کو بھی بتلائی ہے' رسل کو بھی بتلائی ہے۔ اور ایک مدت وہ ہے جسے ان میں سے کسی کو بھی نہیں بتلایا صرف اپنی ذات کے پاس محفوظ رکھا ہے۔ وہی ذات جانتی ہے اس مدت کو جیسا کہ قَضٰی اَجَلاً وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِندَہٗ کے متعلق تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ:

''مقرر کی ہوئی مدت تو وہ ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے حتماً و جزماً طے فرمادیا جس میں تقدیم و تاخیر ممکن ہی نہیں''۔

مسمیٰ وقت وہ ہے جس میں بداء ہوسکتی ہے یعنی خدائے تعالیٰ اپنے حکم کو مقدم

وموخر کردیتا ہے۔ اور تفسیر صافی میں تمتر ون ہے کہ لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم شک کرتے ہو خواہ پیدائش میں خواہ خدا کے معبود ہونے میں یا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں مگر شان کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوچکی کہ خدائے تعالیٰ تمہارا بھی خالق ہے اور جن چیزوں پر تمہاری ہستی کا مدار ہے ان کا بھی خالق ہے اور مقررہ اوقات تک تمہارا زندہ رکھنے والا ہے۔ بلکہ خود زندگی کا بھی پیدا کرنے والا ہے تو وہی اس کا مستحق ہے۔ دوسری جس کے لیے کوئی ذات نہیں جانتی۔ جیسے قرآن مجید میں بھی ہے کہ چار چیزوں کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الغَیثَ وَ یَعلَمُ مَا فِی الاَرحَامِ وَ مَا تَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تکسِبُ غَدًا وَمَا تَدرِی نَفسٌ بِاَیِّ اَرضٍ تَمُوتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ ؁

(سورہ لقمان، آیت ۳۴)

''بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے ارحام میں کیا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل اس کے نصیب میں کیا ہے' اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور باخبر ہے''۔

جس کا مطلب ہے کہ کسی انسان کو بھی پتہ نہیں ہے کہ اُس نے کہاں مرنا ہے اور کل کیا ہونا ہے؟ کسی انسان کو مَا تَدرِی نَفسٌ۔ حتیٰ کہ معاف فرمایئے گا! انبیاء کو بھی یہ پتہ نہیں ہے کہ ہم نے کس وقت کس دقیقے میں مرنا ہے۔ یہ ایسی مدت ہے جو ذات الٰہی کے پاس ہے۔ کسی کو اس کا علم عنایت نہیں ہوا۔ ایک وَمَا فِی الاَرحَامِ ابھی تک تو سائنس نہیں معلوم کرسکی کہ رحم میں مونث ہے یا مذکر۔ اس کا علم بھی اللہ ہی

رکھتا ہے۔ سائنس ابھی تک تو نہیں معلوم کر سکی۔ بعد میں ہو جائے تو پتہ نہیں۔ جہاں تک قرآنی الفاظ کے ظاہری معنی ہم سمجھتے ہیں وہ یہی ہیں۔ البتہ ایک چیز جو میرے علم میں ہے کہ ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں جن کے ذریعہ سے (الٹرا ساؤنڈ سے) انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا میں ماہر نہیں ہوں جس طرح ایکسرے ہوتا ہے) لیکن بچے کے متعلق جاننا کہ رحم میں' کیا ہے؟ ریڈیالوجسٹ جو اس فن کے ماہر ہیں بتا دیں تو کوئی عجیب نہیں۔ چنانچہ ذات کبریا کی اس سے حقیقی مراد کیا ہے ہم کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔

تیسری چیز جو انسان کو معلوم نہیں ہے وہ قیامت ہے کہ کب ہوگی؟ کسی کو پتہ نہیں ہے۔ خواہ وہ انبیاء ہوں یا آئمہ ہوں' علم نہیں ہے کہ کب ہوگی؟ کس وقت ہوگی؟ اس کا علم بھی اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔

اہل علم حضرات! اب میں مختصر سی توضیح کرتا ہوں۔ ایک اجل ہے حتمی۔ ایک موت ہے حتمی جو ہو کے رہے گی۔ اس کے سامنے کسی کا چارہ نہیں ہے۔ ایک موت ہے غیر حتمی۔ ہر انسان کی دو موتیں ہیں۔ انسان کی ایک موت ہے طبعی ایک ہے غیر طبعی۔ اگر ایک انسان حفظان صحت کے سارے اصولوں پر عمل کرتا رہے۔ مثلاً اگر وہ کھانا وغیرہ' دوائی وغیرہ ایسی رکھے تو طبعاً یہ سال ہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد مرے۔ یہ موت طبعی موت کہلاتی ہے۔ ایک موت ہے غیر طبعی۔ مثلاً گھر سے باہر نکلا ایکسیڈنٹ ہو گیا مر گیا۔ انسان کی یہ موت طبعی نہیں کہلاتی۔ یہ حادثاتی موت ہے۔ آگ لگی مر گیا۔ ایکسیڈنٹ ہوا مر گیا۔ کسی نے زہر دے دیا مر گیا۔ کسی نے قتل کر دیا مر گیا۔ یہ ہوتی ہے غیر طبعی موت۔ غیر طبعی موت اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ لیکن طبعی موت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور وہ ایسی موت ہے کہ جو آ کر ہی رہے گی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اسے کہتے ہیں حتمی موت۔ جو غیر حتمی موت

ہے۔ اس کی مدت زیادہ بھی ہوسکتی ہے انسان کی عمر کم بھی ہوسکتی ہے۔ (صلواۃ پڑھ لیں)

ایک انسان کی عمر کے بارے میں آپ اگر کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جناب فلاں پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) نے کہہ دیا تھا کہ یہ جوان جس کی شادی ہو رہی ہے اور یہ جا رہا ہے خوشی خوشی یہ کل مر جائے گا۔ وہ جوان گیا گھر میں اور بیوی کو گھر میں لے آیا۔ لیکن جب کل ہوا تو وہ نہ مرا۔ لوگ پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئے کہ آپ نے جو کہا تھا کہ کل مر جائے گا۔ لیکن وہ تو زندہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: اللہ نے مجھے یہی بتلایا تھا کہ یہ کل مر جائے گا۔ میں مراقبہ کرنے کے بعد ہی بتلاؤں گا کہ یہ اس کی حتمی موت تھی یا غیر حتمی۔

خدا سے جب رجوع کیا تو خدا فرماتا ہے کہ جاؤ اس کے بستر کے نیچے دیکھو۔ جب دیکھا تو اس کے بستر کے نیچے سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ اس پیغمبر نے کہہ دیا کہ یہ سانپ اسے ڈسے گا اور یہ مر جائے گا۔ لیکن سانپ کا ڈسنا مشروط تھا کہ اگر کوئی صدقہ نہ دیتا بلا ٹالنے کے لیے' تب سانپ نے ڈسنا تھا۔ ورنہ سانپ کبھی نہ ڈستا۔ اب جا کے پوچھو کس نے صدقہ دیا ہے۔ یہ سارے جا کے اس عروس کو حجلہ عروسی میں ملتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آیا رات کو تمہارے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا۔ وہ کہتی ہے کہ سارے لوگ خوشی میں مشغول تھے کہ دروازے پر فقیر نے سوال کیا۔ اس نے کپڑے کا سوال کیا' میں نے اپنا بہترین کپڑا اُسے صدقے میں دے دیا۔ پیغمبر نے فرمایا یہ وہ صدقہ ہے جس نے سانپ کا منہ بند کر دیا۔

ایک روایت صدقہ کے متعلق ہے' اس کے راوی معلّےٰ ابن خنیسؒ ہیں۔ وہ جناب صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ کہ خداوند عالم نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ہر ایک کے لیے ایک خازن مقرر کیا ہے جو اسے محفوظ

(جمع) رکھتا ہے مگر صدقہ کا حافظ تو خود خدا ہے۔ میرے پدر بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام جب کسی کو صدقہ دیتے تھے تو سائل کے ہاتھ میں رکھ کے واپس لیتے تھے اور اسے بوسہ دے کے سونگتے تھے پھر اسی سائل کو عطا فرما دیتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ صدقہ پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ پھر سائل کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ پس مجھے یہی مناسب ہے کہ میں صدقے کو چوم لیا کروں کہ خود خدا کے ہاتھ میں گیا ہے۔ اور آگاہ ہو جاؤ کہ رات کے وقت صدقہ دینا خدا کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ بڑے بڑے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور حساب قیامت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے اور دن میں صدقہ دینا مال کو زیادہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت کرتا چلوں:

اَلصَّدقَةُ (عَلَینَا) حَرَامٌ عَلٰی آلِ مُحمدٍ.

''صدقہ آل محمدؐ پر حرام ہے''۔

روایت میں آتا ہے:

اَلصَّدقَةُ دَافِعُ البَلاءِ

''صدقہ آئی ہوئی بلا کو ٹالتا ہے''۔

یہ علم الٰہی میں تھا کہ یہ صدقہ دے گی اور یہ سانپ اس کے شوہر کو نہیں ڈسے گا۔ لیکن پیغمبرؑ یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مشروط بتلایا گیا تھا کہ اگر صدقہ نہ دیا تو تب یہ ڈسا جائے گا۔ لیکن اگر صدقہ دے دیا تو سانپ نہیں ڈسے گا۔

روایت میں آتا ہے۔ (میرے بھائیو!) صدقہ دو خواہ کھجور کا ایک دانہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو کوئی چیز نہیں ہے۔ عرب میں چونکہ کھجور تھی اس لئے مثال دی ہے۔ ایک ٹیڈی پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ صدقہ دو تو بہت سی بلائیں، مصیبتیں انسان کی ٹل جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ موت بھی ٹل جاتی ہے۔ صدقہ دافع البلاء ہے، سفر میں جائیں صدقہ دیں، یہ صدقہ مستحب ہے۔ روایت میں آتا ہے۔ وہ مال جس کی زکوٰۃ دی جائے خمس نکالا

جائے وہ مال کبھی ضائع نہیں ہوگا۔ وہ مال انشور (Insure) ہو جاتا ہے جس کی زکوٰۃ دے دی۔ اس کا تجربہ بھی لوگوں نے کیا ہے۔

یہیں آپ کے سیالکوٹ میں ایک بزرگوار نے کئی سال پہلے بتلایا تھا کہ خمس دینے کے بعد میرے گھر کے سٹور میں آگ لگ گئی تھی لیکن اس کے باوجود میرا مال محفوظ رہا جس کا خمس دیا ہوا تھا۔ (ایک بار صلواۃ پڑھ لیں)

کل یا پرسوں میں وزیر آباد میں تھا۔ ایک واقعہ مجھے سنایا گیا کہ ایک بہت بڑا تاجر تھا جس کے بحری جہاز تجارت کے لیے چلتے تھے۔ اسے اطلاع آتی ہے فلاں جہاز جس میں تیرا مال تھا وہ غرق ہوگیا ہے' یا غرق ہو رہا ہے۔ تو اس نے اپنے سیکریٹری کو بلایا کہ مجھے یہ بتلاؤ اس وقت ہمارے ذمہ کوئی خمس تو واجب نہیں ہے کہ کوئی مال ایسا رہ گیا ہو جس کا ہم نے خمس نہ دیا ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں ہے۔ تو کہنے لگا: پھر میرا جہاز کبھی غرق نہیں ہوسکتا ہے' جس کا میں خمس دے چکا ہوں۔ اسے بعد میں ٹیلیگرام آئیں (زندہ واقعہ موجود ہے) کہ وہ جہاز تمہارا نہیں تھا کسی اور کا تھا۔

میرے قبلہ! یہ وہ آدمی مانے گا کہ جسے خدا پر یقین ہو کہ خدا بھی ہے۔ اگر مادی سوچ کا ہوگا تو کہے گا یہ ساری حکایتیں ہیں؟ یہ سارے قصے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدقہ دافع بلا ہے۔ صدقہ انسان کے لیے بہت سے مخارج کو دور کر دیتا ہے۔ صدقہ دینے والے کا مال اکثر محفوظ ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوگا تو کوئی خرابی ضرور مال میں ہوگی' ورنہ یہ insure ہے۔ کیا آج دنیا اپنے مال کی اپنی زندگی کی insurance نہیں کراتی؟ لیکن مال کی انشورنس اسلام نے خمس و زکوٰۃ بتلا دی ہے۔ حتمی موت کو نہیں بلکہ وقتی موت کو ٹال دیتی ہے۔ صلہ رحمی ہے۔ انسان اپنے عزیزوں قریبی ساتھیوں کے ساتھ اگر صلہ رحمی کرے' مدارات کرے۔ سلام کرے' دعا دے تو اس سے انسان کی موت ٹل جاتی ہے۔ عمر طویل ہو جاتی ہے۔ البتہ حتمی

موت ہو کر رہتی ہے۔ باقی ساری معلق ہیں۔ اگر صلہ رحمی کرے گا تو سال بڑھ جائے گا۔ دو سال بڑھ جائیں گے۔

جیسے ہم یہاں کہتے ہیں۔ دیکھئے میرے قبلہ! اگر نہ سمجھ آئے تو تھوڑا میں سائنسی لحاظ سے سمجھاؤں۔ اگر کسی آدمی کا قلب خراب ہے تو اگر آپریشن نہ کرائے تو مر جائے گا۔ اگر آپریشن کرائے تو بچ جائے گا۔ ایک آدمی اندھا ہو گیا ہے۔ آنکھ پر موتیا چڑھ گیا ہے۔ اگر آپریشن نہ کرائے تو اندھا رہے گا۔ اگر آپریشن کرالے تو نظر واپس آجائے گی۔ گردہ خراب ہے اسے نکال دو یا اس کا پتہ کاٹ دیا تو صحت' اگر یہ نہیں کرے گا تو مر جائے گا۔ آپ ڈاکٹری کو اتنا مانتے ہیں۔ تو خالق نے بھی کہا ہے کہ اگر تم نے صدقہ دے دیا تو تمہاری عمر میں اضافہ ہو جائے گا۔ تم بچ جاؤ گے اگر صلہ رحمی کر لی تو بھی اور بعض گناہ میرے قبلہ! ایسے ہیں جن سے عمر حتمی نہیں رہتی۔ یہی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے انسان کی خصوصاً دو چیزیں مجھے اس وقت یاد ہیں پوری یاد نہیں ہیں۔ یونہی ذہن میں ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

ایک وہ شخص جو ماں باپ کی توہین کرتا ہے' اس کی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے۔ انسان کی عمر تھوڑی ہو جاتی ہے۔ حتمی عمر کے علاوہ معلق کہ اگر اس نے پچاس سال زندہ رہنا ہے لیکن اس نے ماں باپ کی توہین کر دی تو ہم اسے چالیس سال میں مار دیں گے۔ تیس سال میں مار دیں گے۔ توہین کرنا والدین کی یہ انسان کی عمر کو کوتاہ کر دیتا ہے' خواہ والدین کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ میرے بھائی! یہ ضروری نہیں ہے کہ والدین مسلمان ہوں۔ ہاں! آپ والدین کا وہ حکم نہ مانیں جو خدا کی نافرمانی کے متعلق ہے۔ باقی ان کی ہر قسم کی تعظیم و تکریم' علاج معالجہ کریں تو انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے۔

جو توہین کرے گا۔ معاف فرمایئے گا۔ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا۔ اسی طرح

بعض مقامات پر خطاب ہے۔ جو شخص اپنے اساتذہ کی، علماء کی توہین کرے گا تو عمر میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ علمائے دین کی اَن پڑھ آدمی جس کو احکام استبراء کا بھی پتہ نہیں ہے۔ نجاست وطہارت کا بھی پتہ نہیں ہے۔ فروعِ دین کا بھی پتہ نہیں ہے۔ یہ کہے گا وہ وہابی ہو گیا۔ وہ فلاں ہو گیا۔ دیکھو میاں تم اپنا نقصان کر رہے ہو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

تیسری چیز جو عمر کو کوتاہ کر دیتی ہے۔ امام وقت کے احکام کو نہ ماننے والے کی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے۔ جو امام وقت پر ظلم کرے اس کو آپ دیکھ لیجئے۔ ہمارے بارہ امام ہیں گیارہ گذر چکے ایک باقی ہے۔ انبیاء کو جنہوں نے ستایا آپ ان کی عمریں دیکھ لیجئے کہ کتنی جلدی ان کا اس دنیا سے خاتمہ ہو گیا۔

میرے بھائیو! میں خائف کرنے کے لیے نہیں پڑھ رہا۔ امام حسینؑ کا واقعہ دیکھئے۔ وہ یزید جو امام حسینؑ کو اپنے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چار سال زندہ نہیں رہا کربلا کے واقعہ کے بعد۔ پیٹ میں درد اٹھتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ ہارون رشید کو دیکھ لیجئے۔ حتیٰ کہ بھائی بھائی ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔ اس واسطے کہ یہ حقیقت میں صرف امام کی توہین نہیں ہے، بلکہ پیغمبر کی روایت ہے:

يَا عَلِيُّ اَنتَ وَاَنَا اَبَوَابُ هٰذِهِ الاُمَّةِ

''اے علیؑ تو اور میں اس پوری امت کے باپ ہیں''۔

،، باپ کی توہین بھی ہے۔ باپ کی توہین کی وجہ سے روایت میں آتا ہے کہ باپ اگر نبر مذہب کا بھی ہے مثلاً باپ اگر سنی ہے اور تم شیعہ ہو گئے ہو تو اس کا احترام کرو۔ اگر کافر ہے تو اس کا بھی احترام کرو اس کی خدمت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔ یہ بات انسان کی عمر کو طویل کر دیتی ہے۔

اور اگر دیکھنا چاہیں اور ضرور دیکھئے میرے قبلہ! کتاب ہے گناہان کبیرہ دو

جلدیں ہیں۔ دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے۔ پڑھیں کہ کون کون سے کبیرہ گناہ ہیں جو عمر کو کوتاہ کر دیتے ہیں۔ گھٹا دیتے ہیں۔ (ایک دفعہ صلواۃ پڑھ لیں)

بہر حال دو قسم کی عمر ہوگئی۔ انسان کی دو قسم کی عمر ہے۔ میں وہی لفظ اجلِ مسمیٰ' کی طرف آرہا ہوں۔ دو قسم کی انسان کی عمر ہے۔ ایک حتمی کہ مر کے رہے گا۔ گو وقت نہیں ہے۔ وہ آخری عمر ہے۔ جو بالکل صحیح سالم ہے۔ اسلامی اصولوں پر چلتا ہے۔ اسلامی قواعد پر چلتا ہے۔ ایک دن مر کے رہنا ہے۔ وہ موت ہے جو موت حتمی کہلاتی ہے۔

ایک موت ہے جو مشروط ہوتی ہے۔ آپریشن کرائے گا تو زندہ رہے گا صلہ رحمی کرے گا تو زندہ رہے گا۔ صدقہ دے گا تو زندہ رہے گا۔ تعظیم کرے گا تو زندہ رہے گا نہیں تو مرجائے گا۔ یہ موت غیر حتمی ہے۔ اسے اجل کہتے ہیں عربی زبان میں۔ امام نے اجل فرمایا ہے اور جو حتمی ہے وہ اجلِ مسمی ہے جسے یا سوائے ذات خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ اجل تو انبیاء کو بھی بتلادی رسل کو بھی بتلادی اور ملائکہ کو بھی بتلادی۔ حتیٰ کہ اس فرشتے کو جب حتمی موت آئے گی تو اس وقت الہام ہوگا کہ اب اس کی جان قبض کرنی ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

میرے قبلہ! لیکن انسان کے علاوہ یہ جو پورا عالم ہے' اس کے لیے بھی موت ہے لیکن یہاں حتمی موت ہے۔ یہاں معلق موت کوئی نہیں ہے۔ اس عالم نے فنا ہو کے رہنا ہے۔ اور یہاں پر دو فنا نہیں ہیں۔ ایک فنا ہے۔

میرے بھائیو! فنائے عالم جیسے میں نے کل عرض کیا تھا۔ یہ دنیا نہیں رہنے والی ہے چونکہ یہ محدود ہے اس کی عمر معین ہو چکی ہے۔ اس کا دائرہ معین ہو چکا ہے۔ اس کا سفر معین ہو چکا ہے۔ جس چیز کی موت معین ہو چکی ہو وہ ایک دن فنا ہو کے رہے گی۔ فلاسفر اس کی فنا کو مانتے ہیں کہ یہ فنا ہو کے رہے گی۔ میں نے کل عرض کیا

تھا کہ فنا کا ایک طریقہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز اوپر سے گرے اور اس پورے عالم کو فنا کر کے رکھ دے۔ دوسرا انزاع ہے یہ فنا کا تدریجی طریقہ ہے کہ آہستہ آہستہ فنا ہو جائے گا۔ بعض کا یہی خیال ہے۔ سورج بھی ہے' سورج کی گرمی' ہائیڈروجن آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔ ۴/۳ ختم ہو چکی ہے۔ ۴/۱ حصہ باقی رہ گئی ہے۔ پانچ ارب سال سورج کے گذر چکے ہیں اور تھوڑے ملین سال باقی رہ گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ جب اس کی حرارت ختم ہو جائے گی اور ہائیڈروجن ختم ہو جائے گی تو یہ پورے کا پورا ختم ہو جائے گا۔ یہ سارا جہاں سورج کے بغیر بیکار ہو کر رہ جائے گا یعنی ہوگا ہی نہیں۔ اسی میں وہ مادہ ہے جو جسم کو باقی رکھتا ہے تو عالم پورے کو آگ لگ جائے گی اور یہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس کو کتنے سال لگیں گے؟ فلاسفو کہتے ہیں ہم یہ معین نہیں کر سکتے۔ کتنے ملیون سال لگیں گے۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ موج کے ذریعے' لہروں کے ذریعے جسے ہم صور کی آواز کو تعبیر کرتے ہیں۔ یہ فلاسفہ کا نظریہ ہے' ابھی میں نے اسلام کا نظریہ نہیں بتلایا۔ موجودہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جیسے میں نے عرض کیا تھا تین سو سولہ ڈگری تک سے کم کان سن سکتا ہے اور بعض کہتے ہیں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) یا سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) تک کان سن سکتا ہے۔ اس سے آگے کروڑوں موجیں اگر پیدا ہو جائیں تو اس عالم کو فنا کر دیں گی۔ ایک سیکنڈ میں اور پھر یہ عالم نابود ہو جائے گا۔

نابود اس نے ہونا ہے حتیٰ کہ یہ مادی حضرات (کمیونسٹ) ہیں یہ بھی اور دینی حضرات جو ہیں یہ بھی مانتے ہیں۔ فرق اس میں یہ ہے کہ آیا بتدریج ختم ہوگا یا یکدم نابود ہوگا۔ وہ کہتے ہیں ہمارے پاس دلیل ہے۔ توجہ فرمائیے گا! (اہل علم حضرات جو تھوڑا سا مطالعہ رکھتے ہیں)۔ وہ کہتے ہیں ہمارے پاس دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم نے ابھی دیکھا ہے۔ انہوں نے باقاعدہ لکھا ہے۔ بعض نے لکھا کہ ہم نے کافی

ستارے دیکھے ہیں جو اس فضا کے اوپر (دوربینوں کے ذریعے) بالکل صحیح و سالم تھے۔ بالکل ان کی حالتِ قوی سے معلوم ہوتا تھا کروڑوں سال لگیں گے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ یکدم کوئی چیز ان پر آئی ہے اور وہ نابود ہو کے رہ گئے ہیں۔ ان کا وجود بھی نہیں ملتا۔ یہ مان چکے ہیں کہ ایسے ستارے نابود ہو چکے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کون سا اطمینان ہے کہ جیسے ایک ستارہ جس کے متعلق ہم سمجھتے تھے کہ کروڑوں سال رہے گا۔ یہ ہوسکتا ہے جب وہ تباہ ہوگیا ہے۔ یہ زمین اور سورج جو ہم سمجھتے ہیں کروڑوں سال باقی رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی ایک سیکنڈ میں تباہ ہو جائے۔ یہ کہتا ہے آج کا ڈاکٹر جب کسی انسان کی انشورنس ہوتی ہے ڈاکٹر معائنہ کرتا ہے تو اس کی جسمانی صحت کے پیش نظر لکھ دیتا ہے کہ یہ ساٹھ سال زندہ رہ سکتا ہے۔ کیا وہ حتماً رہے گا؟ وہ کہے گا مجھے کیا پتہ کہ حالات تبدیل نہ ہو جائیں۔ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے۔ حالانکہ طبعی حالت سے میں بتلاسکتا ہوں کہ اتنے سال تک یا ہوسکتا ہے اس سے بھی زیادہ زندہ رہے۔ ہوسکتا ہے میں ابھی بتلا ہی رہا ہوں اور میرا معائنہ بھی ختم نہ ہو اور یہ مرجائے۔ اسی طرح آج کی دنیا کے فلاسفر بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ عالم اگر طبعی حالت سے دیکھا جائے تو پھر کروڑوں سال تک نکل سکتے ہیں۔ لیکن اگر جیسا کہ ہمارے سامنے لوگوں کے مشاہدے ہیں کہ ایسے ستارے جن کے متعلق ہم کروڑوں سال سمجھتے تھے وہ یکدم نابود ہوگئے۔ کیسے ہوئے ہمارا علم کوتاہ ہے۔ یہ ہم نہیں سمجھ سکتے فضا بن گئے' دودھ بن گئے اور پتہ نہیں چلا اس کا وجود کہاں گیا۔ یہ ایسا ہوسکتا ہے۔

اسلام بھی کہتا ہے کہ دنیا نابود ہوگی۔ اب آیئے فرق دیکھئے۔ اسلام کی تائید بعض فلسفیوں کی آراء سے ہوتی ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ایک صور پھونکا جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ (سورۃ الانعام، آیت ۷۳)

''اور جس دن صور پھونکا جائے گا اختیار اسی کا ہوگا غیب کا اور حضوری کا وہ عالم ہے اور وہ صاحب حکمت اور خبیر ہے''۔

قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ ایک صور پھونکا جائے گا اور ساری دنیا جہاں جس حالت میں ہوگی ختم ہو جائے گی۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی کپڑا بیچ رہا ہے مشتری کے سامنے اس کو پھیلایا ہے لیکن لپیٹنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ لقمہ اٹھایا ہے کھانے کے لیے لیکن کھانے کا وقت نہیں ملے گا۔ گھر سے باہر آ رہا ہے تو اندر جا نہیں سکے گا۔ سفر میں ہے تو وہیں حضر میں ہے وہیں۔ کوئی ایسے پڑے ہوں گے' کوئی اوندھے پڑے ہوئے ہوں گے' کوئی منہ کے بل پڑے ہوئے ہوں گے۔ ایک فرشتہ وَيُنفَخُ فِي الصُّورِ۔ نفخ کے معنی وہی آلات ہیں یعنی ایسی آواز۔ صور میں جناب اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے' سارے عالم کی یکدم ایک ہی دفعہ موت واقع ہو جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ مشرق و مغرب گویا ایک ہو جائیں گے۔ (صلواۃ پڑھیں)

پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضور صور کیا چیز ہے؟ جس میں اسرافیل علیہ السلام نفس پھونکیں گے؟

آپؑ فرماتے ہیں: اَلصُّورُ نُورًا۔

صور نور کا ایک نرسنکھ ہے جسے اسرافیلؑ منہ میں لئے ہوئے ہیں۔ جیسے بھینس وغیرہ کا سینگ ہوتا ہے۔ یہ ملنگوں کی ناد نہیں ہوتی۔ اسے بھی صور کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ نور کا بنا ہوا ہوگا۔ اس کا ایک حصہ زمین پر اور ایک حصہ آسمان پر ہوگا۔ وہی صوت

(آواز) ہوگی زمین اور آسمان کے درمیان۔ ایسی لہریں ایجاد کردے گی اللہ کی ذات کہ سب چیزیں یکدم ختم ہو کے رہ جائیں گی۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ صور ایک نور ہے اس کا ایک حصہ زمین پر اور ایک حصہ پورے عالم پر چھایا ہوا ہوگا۔ لیکن اس کے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوں گے۔ وہ سوراخ ہر انسان کے لیے علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ کروڑہا انسان ہیں کروڑہا اس میں سوراخ ہیں۔

ایسے ہی طبعی حالت میں مرنے والے انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ میرے بھائیو! ایک مومن مرتا ہے۔ اللہ اس کے استقبال کے لیے ملائکہ بھیجتا ہے۔ قدر کو سفارش ہوتی ہے۔ ملک الموت کو سفارش ہوتی ہے۔ ایک کافر مرتا ہے جو خدا کا منکر ہے اس کے لئے عذاب ہوتا ہے۔ یکدم مرنے والوں کے لیے بھی اس صور میں علیحدہ علیحدہ سوراخ ہوں گے۔ جو مومن ہیں وہ ایسے مریں گے جیسے طبعی حالت میں دوسرے مرتے ہیں۔ اور جو کافر ہیں وہ اسی حالت میں مریں گے جیسے غیر طبعی حالت میں موت آتی ہے۔

ہماری روایات کثیرہ میں ہے کہ صور ایک نور ہے۔ وہی حرارت' وہی آواز' وہی لہریں یکدم عالم ختم ہوگا' بتدریج نہیں ہوگا۔ چلتے چلتے آدمی بلکہ سارا عالم ختم ہو جائے گا۔ اب اس عالم کو ختم ہونا چاہیے۔ اس کی ضرورت ہے؟ جو علم سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے کل عرض کروں گا۔ ہونا چاہیے اگر عالم ختم نہ ہو تو انسان کی خلقت لغو نظر آتی ہے۔ یہ انسان جو اس عالم میں آیا ہے یہ پھر بے فائدہ ہے۔ پھر حیوان ہی حیوان۔ پھر حیوان کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ نباتات کی ضرورت ہوگی نہ زمین کی اور نہ ہی آسمان کی۔ کیونکہ یہ سارا عالم انسان کے لیے ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَخَلَقتُم بِبَقَاءٍ لَا خَلَقتُم لِفَنَاءٍ

''اے انسان تو باقی رہنے کے لیے یہاں آیا ہے' فانی ہونے کے لیے نہیں آیا۔ فنا کے لیے نہیں آیا ہے''۔

اگر انسان قیامت کا' اس عالم کے ذرے ذرے کے ختم ہونے کا معتقد ہوگا تو اس ہمیشہ رہنے والی جنت نامی دنیا کے لیے اس دنیا میں کچھ کرے گا اور جو قیامت کے منکر ہیں وہ کیا کریں گے؟ اُن سے توقع رکھنی ہی کیا ہے جو خدا کا منکر ہے۔ (صلواۃ پڑھ لیں ایک بار)

میرے قبلہ! یہ چیز انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی محنت ہے۔ اور میں عرض کروں شاید میں نے ایک دن یونہی اشارہ کیا تھا۔ ہم مسلمان پھنسے ہوئے ہیں صرف چند انسانوں کی خلافت میں کہ انسانوں پر خلیفہ کون ہے؟ ہم نے اللہ کا نائب ڈھونڈنا ہے۔ اس روئے زمین پر نہ کہ انسانوں کا خلیفہ۔ اللہ کا نائب وہ ہوتا ہے کہ اللہ اس کے ذمہ لگائے۔ تمام مخلوق پر نبی کی حکومت ہوتی ہے لیکن ماتحت ہوتا ہے اللہ کے۔ قرآن میں تو یہی پڑھتے ہیں نا۔

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالِانسِ الا لِيَعبُدُونَ

میں پوچھ سکتا ہوں باادب طریقے سے مجھے فتویٰ بھی نہ دیجیے گا' کافر بھی نہ کہیے گا۔ ہمارا خلیفہ ابوبکر انسانوں کا ہے یا جنوں کا بھی ہے؟ فقہا میں سے' علماء میں سے کوئی یہ جرأت کر کے کہہ دے کہ حضرت ابوبکر جنوں کے بھی خلیفہ تھے۔ ہے کسی میں جرات کہ کہے حضرت عمر جنوں کے بھی خلیفہ تھے۔ اللہ نے نبی دونوں کے لیے بھیجا اور خلیفہ ایک کے لیے مقرر کیا۔ یہ کیا مصیبت ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اللہ تعالیٰ تو اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَآ اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِينَ ۝

(سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

''اور (اے رسولؐ) ہم نے تم کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

قرآن نہیں کہتا کہ جب جنوں نے قرآن کو سنا تو وہ آ کے ایمان لے آئے۔ کیا انسان ان کا خلیفہ ہوتا تھا۔ نبی ہو جن اور انس کا اور آپ جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسانوں کا خلیفہ کون ہے؟ کتنی کوتاہ فکری ہے؟ آپ ایسا خلیفہ بنالاؤ نبی کا جو انسانوں کا بھی ہو اور جنوں کا بھی۔ (صلواۃ)

اور ایسا آپ کو ماسوائے ان حضرات (آئمہ اطہار) کے کوئی اور نہیں مل سکے گا۔ جن کا علم نبی کا علم ہے جن کی جان نبی کی جان ہے اَنفُسَنَا وَاَنفُسَکُم۔ اب سمجھ آیا کہ علیؑ کو اپنا نفس کیوں بنایا تھا۔ کیونکہ رسولؐ کا نفس جنوں کا بھی نبی تھا اور انسانوں کا بھی نبی تھا۔ آج علیؑ نفس رسولؐ بن رہے ہیں۔ یہ خلیفہ ہے رسولؐ کا جو انسانوں کا بھی خلیفہ ہے اور جنوں کا بھی خلیفہ ہے۔ اور ہم پڑے ہوئے ہیں اس جھگڑے میں کہ حضرت ابوبکر۔ ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بتلاؤں۔ زعفر جن بھی بلا خلیفہ؟ ان کا کوئی امام نہیں ہے؟ ان کا کوئی اسلام نہیں ہے؟ ان کے لئے کوئی احکام نہیں ہیں؟ جیسا کہ ہیں تو وہ بھی ہماری طرح۔ ہم میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ جیسے انسانوں میں سارے انسان اچھے نہیں ہوتے ہیں؟ انسانوں میں بھی بعض خراب ہوتے ہیں۔ بعض اچھے ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کو اعتدال میں لانے کے لیے قوانین اسلام کی ضرورت ہے۔ جنوں میں بھی بعض خراب ہیں۔ جنوں کو بھی اعتدال پر لانے کے لیے قوانین اسلام کی ضرورت ہے۔ مجھے بتلاؤ وہاں کون قوانین جاری کر رہا ہے؟ قرآن مجید بتا رہا ہے کہ ابلیس قوم جن میں سے تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخلوق انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے اور تعداد میں کئی گنا زیادہ ہے لہذا پیغمبرؐ خدا پر ان

کی ہدایت کی ذمہ داری قیامت تک عائد ہوتی ہے۔ اپنے زمانے میں تو وہ خود تھے اور اس کے بعد بحکم خدا کسی ذات کا پتہ دے جانا یہ آپ کا فرض منصبی تھا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد جناب علی علیہ السلام اور ان کے گیارہ فرزند ہیں۔ جو قیامت تک انسانوں کے علاوہ جنوں کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر تمہارے نزدیک کوئی اور ہے تو اس کا پتہ بتاؤ۔

شیعو! تمہیں مبارک ہو۔ تمہارا امامؑ لوگوں پر، صرف انسانوں پر خلیفہ نہیں لیکن سارے مانتے ہیں کہ امامؑ زمانہ آج حکومت جنوں پر کر رہے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ دسویں کے دن جب امامؑ کی فوج تھوڑی سی رہ گئی تھی۔ امام حسینؑ کے بہتر (۷۲) کے قریب تھوڑے سے آدمی۔ تھوڑی فوج کا کوئی توازن ہی نہیں۔ بہتر (۷۲) کہاں اور کم از کم جو روایت آتی ہے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کی تیس ہزار (۳۰۰۰۰) اور بہتر (۷۲)۔ دوسو (۲۰۰) بھی مان لیں زیادہ سے زیادہ تو دوسو (۲۰۰) کی نسبت تیس ہزار (۳۰۰۰۰) سے کیا ہے۔

ہماری روایات میں آتا ہے کہ ایک گروہ جن کا آجاتا ہے کہ حضورؑ جیسے جہاد آج مسلمانوں پر واجب ہے ہم پر بھی ہے؟ ہم بھی مدد کریں؟ اگر آپؑ حکم دیں تو ان سب کو ہم تباہ کر سکتے ہیں۔ امام نے فرمایا: میرا جھگڑا انسانوں سے ہے یہ مجھے خلیفہ مان نہیں رہے ہیں۔ تم تو مان رہے ہو۔ تم تو میرے مطیع ہو۔ تم تو مجھے امام مان رہے ہو۔ یہ مجھے نہیں مانتا جو یہ نہیں مانتا کہ مجھے حق حکومت ہے۔ ان کو ان سے لڑاؤں گا جیسے وہ دیکھ رہے ہوں اور وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔ اور اگر تمہارے ساتھ لڑاؤں تو انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کون تیر مار گیا؟ اور یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ چھپ کے مارنا کسی کو، یہ امام کا کام نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ چار ہزار (۴۰۰۰) فرشتے ہیں۔

میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے۔ یہ پھر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس کہ خدایا اگر تو ہمیں اجازت دے تو ہم تیرے اس وصی کی حفاظت کریں۔ خدا فرماتا ہے جاؤ کربلا میں چلے جاؤ' میرا وصی شہید ہو چکا ہے۔

روایت میں ہے کہ یہ چار ہزار فرشتے اللہ کے حکم سے قیامت تک کربلا میں رہ کر مظلومؑ کربلا پر گریہ و بکا کرتے رہیں گے۔ ہم امام حسینؑ پر کیا گریہ و بکا کریں گے؟ صحیح رونے والے فرزند زہراؑ کی مصیبت پر تو فرشتے ہیں۔ بعض فرشتے ایسے ہیں جن کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جب کوئی زوار چلے گھر سے کربلا کی زیارت کے لیے۔ (دعا کریں کہ اللہ اس صدام لعین کی حکومت کا خاتمہ کرے کہ جس نے امام حسینؑ کی زیارت سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو محروم کر رکھا ہے۔ خدا اس کے لئے ''ویل'' مہیا کرے)۔

روایت میں ہے کہ جب یہ آدمی گھر سے چلتا ہے تو اس کے استقبال کے لئے یہ فرشتے کربلا سے آتے ہیں کہ حسینؑ کا زوار آ رہا ہے۔ میرے دیکھنے والا آ رہا ہے۔ جب وہ زیارت کر چکتا ہے تو پھر حکم ہوتا ہے جاؤ اسے گھر پہنچا کے آؤ۔ یہ گھر پہنچاتا ہے اور اگر وہ مر جائے اسی دوران میں تو پھر حکم ہوتا ہے کہ تم اس کی قبر پر بیٹھ کر استغفار پڑھو قیامت تک کہ یہ زوار ہے میرے حسینؑ کا۔

عزادارو! سمجھے ہونا یہ کہ عام زائر کو بھی فرشتے لے کے جاتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے آج تکلیف ہے نا باقی کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو آج ایک قافلہ آ رہا ہے۔ اور وہ شام کی قید سے رہا ہو کے آ رہا ہے۔ آج زینبؑ و کلثومؑ اور امام زین العابدین علیہ السلام زیارت کے لیے آ رہے ہیں۔ ان کی زیارت کے لیے فرشتوں کو بھیجا جائے گا۔ قسم ہے اگر ان کے لانے کو اجازت ملے گی تو آج حسینؑ کہیں گے عباسؑ تم جاؤ۔ ان کی زیارت کے لیے۔

جناب جابر ابن عبداللہ انصاریؓ کی روایت ہے۔ یہ پہلا زائر ہے جس نے اربعین کی زیارت کی ہے۔ چہلم کی زیارت کی امام حسینؑ کی، جس کی آنکھیں نہیں تھیں۔ جب اسے مدینے میں خبر ملتی ہے کہ امام حسینؑ شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ کچھ بنی ہاشم اور دوسرے اصحاب چلتے ہیں زیارت کے لیے۔ جب یہ آتے ہیں تو دریا پر غسل کرتے ہیں۔ یہ مستحب ہے۔ خوشبو لگائی۔ اپنے غلام کو کہتے ہیں میرا ہاتھ پکڑ اور میرا ہاتھ وہاں رکھنا جہاں میرے مولاؑ کی قبر ہے۔ غلام کہتا ہے میں نے جابر ابن عبداللہ انصاری صاحب کا ہاتھ پکڑا اور قبر پر رکھا۔ قبر پر ہاتھ رکھنا تھا۔ ایک دفعہ نہیں تین دفعہ کہتا ہے۔ یا حسینؑ یا حسینؑ یا حسینؑ اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں گیا پانی لے آیا۔ آ کر اس کے منہ پر پانی چھڑکا۔ جب پانی چھڑکا تو اسے ہوش آیا۔ کہتا ہے تو میرا کیسا دوست ہے میرا جواب نہیں دیتا حسینؑ۔

پھر کہتا ہے تو میرا جواب کیسے دے۔ تیرا سر تو شام میں ہے جسم تیرا یہاں ہے۔ جس کا سر نہ ہو وہ کیسے جواب دے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ جناب جابر ابن عبداللہ صاحب معالی السبطین لکھتا ہے کہ جابر ابن عبداللہ کو اس کا غلام کہتا ہے کہ دور سے ایک گرد اٹھتی ہے۔ جابر کہتا ہے جلدی سے جا اگر ابن زیاد کے آدمی ہوں تو ہم یہاں سے کسی محفوظ جگہ پر پہنچیں اور اگر میرے مولا زین العابدینؑ ہوئے تو میں نے خدا کے واسطے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔

یہ کہتا ہے میں گیا۔ جب میں نے دور سے دیکھا کہ قافلے میں کچھ اونٹ ہیں اور کچھ سوار ہیں اور سید سجادؑ ہیں۔ میں جلدی جلدی امامؑ کی خبر لے کے آیا جناب عبداللہ انصاریؓ کی خدمت میں۔ میں نے کہا جابر تمہیں مبارک ہو۔ امام زین العابدین علیہ السلام آ گئے ہیں۔ جابرؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ آپ مجھے پکڑیں۔ یہ کہتا ہے میں خود استقبال کے لیے گیا۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھے

دیکھا تو کہا جابر تم آئے ہو یہاں۔ جابرؓ جانتے ہو یہ کونسی سرزمین ہے؟ یہ وہ سرزمین ہے جہاں ہمارے بچے ذبح کیے گئے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں ہمارے جوانوں کو شہید کیا گیا۔ یہ وہ سرزمین جہاں میرا بابا شہید ہوا۔ ایک جملہ امام سجادؑ مصائب کا پڑھتے ہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں میری پھوپھیوں کو قید کیا گیا۔

اَلا لَعنَۃُ اللّٰہ عَلٰی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر و نشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنِّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

OOO

مجلس ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا الْمُومِنُونَ الَّذِینَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَت قُلُوبُھُم وَاِذَ
اُقْلِیت عَلَیھِم اٰیتُہٗ زَادَتھُم اِیمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِم یَتَوَکَّلُونَ ٥
(سورہ الانفال، آیت ۴۵)

''(کامل) مومن تو صرف وہی ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل (اس کے ہیبت وجلال) سے دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ صرف اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

معزز سامعین!

حدیث نبویؐ کے مطابق کامل انسان وہ ہے کہ جو اللہ کی زیادہ اطاعت کرے اور اللہ سے زیادہ خوف کھائے یعنی زیادہ ڈرے۔ یہ تو علامتیں ہیں کامل عقل والے کی۔ اب میں آپ سے عرض کروں گا کہ کامل اور ناقص میں کیا فرق ہوتا ہے۔ تھوڑا

سا یہ مطلب سمجھانے کیلئے۔یعنی اپنے سے چھوٹوں کو سمجھانے کیلئے بزرگوں کے سامنے یہ جسارت نہیں کروں گا کہ کامل کے معنی عربی میں کیا ہوتے ہیں۔اس کے مقابل کیا ہوتا ہے۔

کامل اور تمام عربی میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تمام اس چیز کو کہتے ہیں جس کا مادی لحاظ سے ہمارے ذہن میں ایک نقشہ ہو اور وہ جب ہو چکی ہو تو اسے کہیں گے یہ شے تمام ہوگئی ہے اور اگر مادی لحاظ سے اس میں کچھ باقی ہو تو اسے کہیں گے کہ ابھی ناقص ہے۔مثال کے طور پر یہاں جس امام باڑے میں ہم بیٹھے ہیں جب اس کے بانی بزرگوار بنا رہے تھے' تب یہ ناقص تھا' اور جب اس کی چھتیں' اس کی دیواریں بن گئیں تو اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ یہ امام باڑہ تمام ہوگیا ہے۔اسے کامل نہیں کہیں گے' اسے تمام کہیں گے عربی لحاظ سے۔ہم کبھی کبھی عربی کے لفظ اردو میں استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔جہاں اصل محل ان کا نہیں ہوتا ہے لیکن ہم استعمال کرتے ہیں۔چونکہ یہ ایک علیحدہ زبان ہے مثلاً اگر کسی کو اپنی کوٹھی کا آپ نقشہ دیں اور کہیں کہ اس نقشے کے مطابق کوٹھی بنادو۔چار مہینے چھ مہینے یا سال کے بعد آپ پوچھیں گے کہ کوٹھی بن گئی ہے؟ اگر اس کی کوئی چیزیں باقی ہوگی مثلاً چھت نہیں پڑی لینٹر نہیں پڑا یا دیواریں مکمل نہیں ہوئیں تو آپ کہیں گے جناب ابھی پوری نہیں ہوئی ایک آدھ دن اور لگے گا اور اگر نقشے کے مطابق ساری چیزیں اس کی بن گئی ہوں تو پھر کہہ دیتا ہے کہ وہ کامل ہوگئی ہے استغفر اللہ تمام ہوگئی ہے۔آپ آکر اس کی تحویل لے لیں مجھ سے جو آرڈر آپ نے دیا تھا۔لیکن کمال مادی چیزوں میں اکثر استعمال نہیں ہوتا۔یہ معنویات میں استعمال ہوتا ہے۔صفات میں استعمال ہوتا ہے۔

ہم فلسفہ کی اصطلاح میں اسے کیفیت کہتے ہیں۔یہ مادی لحاظ سے استعمال

نہیں ہوتا کیفیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً یہ امام باڑہ پورا تو ہو چکا ہے مگر اس کا ابھی رنگ روغن باقی ہے۔ اب اس میں آپ ایک صفت کا اضافہ کرنا چاہیں گے تو پھر کمال کا درجہ شروع ہوگا۔ اتمام کا درجہ نہیں ہوگا۔ کہیں گے کہ اب یہ کمال کی طرف جا رہا ہے پھر جتنی چاہیں زینت کرلیں تو یہ کمال کی طرف جائے گا۔ یہ کمال ایک صفت کے لحاظ سے ہے۔ اگر یہ معنیٰ بزرگوں کے ذہنوں میں آ گیا ہو تو میں آیت پڑھتا ہوں۔ خود قرآن نے یہ دونوں لفظ ایک ہی جگہ استعمال کئے ہیں لیکن ہر ایک کا عمل علیحدہ علیحدہ قرار دیا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَ اَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی

وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِینًا (سورۃ المائدہ، آیت ۳)

یہ ایک طویل آیت ہے اور یہ اس کا تقریباً درمیانی حصہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔

دیکھئے! دِینَکُم کے بعد اَتمَمتُ ہے۔ اَلیَومَ اَکمَلتُ اور اس کے بعد کیا ہے اتممت۔ اَتمَمتُ کو قرار دیا ہے نعمت کے ساتھ اور اَکمَلتُ قرار دیا ہے دین کے ساتھ۔ دین ایک مادی چیز نہیں ہے۔ دین ایک روحانی کیفیت ہے۔ وہ قوانین جو انسان لیتا ہے وہ خواہ جسمانی ہوں یا جانی۔ دین کے متعلق اللہ نے کہا ہے میں نے دین کامل کر دیا ہے۔ یعنی اب دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی چیز رہ گئی ہو اور ہم نے بیان نہ کیا ہو۔ یعنی کامل ہے لیکن نعمت کے متعلق کہا کہ میں نے نعمتیں تمام کر دی ہیں۔ یعنی میں نے جتنی نعمتیں دی ہیں ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔ یوں نہیں کہ میں نے انار دیا ہو تمہیں تو وہ آدھا ہو۔ آدھا نہ دیا ہو۔ سیب ہو تو آدھا دیا ہو۔

آدھا نہ دیا ہو۔ اگر وہ دیتا ہوں تو پورا دیتا ہوں اس میں نقص مادی نہیں ہوتا ہے۔ دین کامل ہوا اور نعمتیں تمام۔ اسی طرح ایک اور مثال دے دوں اپنے سے چھوٹوں کے لیے۔

بچہ چوتھی جماعت میں پڑھتا ہے عقل اس کی تمام ہے۔ لیکن چار پڑھنے کے بعد ایک درجہ کمال تک پہنچے گا۔ پھر آگے جائے گا۔ آٹھویں تک پہنچے گا۔ عقل میں نقص نہیں ہے، پاگل نہیں ہے، مجنون نہیں ہے، لیکن کمال کا درجہ اسے آگے جا کر حاصل ہوگا۔ پھر کہیں گے کہ یہ پہلے سے کامل ہوگیا ہے۔ اب آگے جائے گا۔ فرض کر لیجئے بارہویں کرتا ہے۔ تو پھر یہ دسویں سے تو اور کامل ہو جائے گا چودہویں کرتا ہے اور کامل ہو جائے گا۔ ایم اے کرتا ہے تو اور کامل ہو جائے گا۔ ڈاکٹری کرتا ہے کسی فن میں طب میں یا کسی اور میں (ڈاکٹر جسے پی ایچ ڈی کہتے ہیں) تو پھر اور کامل ہو جاتا ہے۔ یہ کمال کے درجے ہیں۔ تمام اس وقت بھی تھا جب کمال کا پہلا درجہ شروع ہوا تھا۔ فرق ہے تو کمال میں۔

لہٰذا اب ہم انسان کی طرف آئیں گے۔ میں نے ایک دفعہ اس موضوع پر تھوڑی سی گفتگو کی تھی۔ اگر آپ نے کمال کے درجے پر کسی کو دیکھنا ہے۔ یہ کہ اس کے اوپر کمال تصور ہی نہ ہوسکتا ہو تو وہ ہر زمانے کا نبی ہوا کرتا ہے۔ ہر زمانے کا نبی انسانیت کے ایسے درجے پر ہوا کرتا ہے کہ اس سے اوپر والا درجہ متصور نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی واسطے کہتے ہیں اکمل الناس پیغمبر ہے۔ کوئی ایسا درجہ نہیں ہے جو نبی کے بعد موجود ہو، جو اس نے حاصل نہ کیا ہو۔ یہ تھوڑی سی بات میں نے کمال اور اتمام میں فرق بتلانے کے لیے عرض کر دی ہے۔

ہمارے ہاں عام آدمیوں میں کمال کی کیا علامت ہے؟

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی عقل کامل دیکھنی ہو تو اس کی اللہ کی

اطاعت کو دیکھنا۔ اگر وہ اللہ کی اطاعت زیادہ کرتا ہے تو سمجھ لو وہ کامل عقل انسان ہے۔ اور اگر اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے تو بھی سمجھ لو کہ کامل عقل والا ہے۔ پھر ناقص عقل والا کون ہے؟ اب کامل کے مقابلے میں ناقص عقل والا کون ہے؟ جواب آئے گا' احمق۔

آگے مثال ہے خود پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں احمق انسان وہ ہے یعنی ناقص عقل والا' بیوقوف انسان وہ ہے جو بادشاہ وقت سے زیادہ ڈرے! اور اس کی اطاعت زیادہ کرے۔ ناقص انسان کی علامت کیا ہے۔ جو عارضی قوت سے ڈرے۔ فانی قوت سے ڈرے اور اس کی اطاعت کرے ناقص ہے۔ اور جو اللہ سے زیادہ ڈرے اور اللہ کی سب سے زیادہ اطاعت کرے تو یہ عقل کے لحاظ سے کامل انسان ہے۔

عقل کیا ہے؟ عقل کسے کہتے ہیں؟ میں نے کل بھی عرض کیا ہے پہلے بھی عرض کرتا رہا ہوں۔ جتنے بزرگوار یا طلباء بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج تک یعنی موجودہ تحقیق تک یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ عقل کیا ہے؟ نہ مشرق والے نہ مغرب والے۔ لیکن ہے عجیب چیز۔ لیکن یہ پتہ نہیں کیا ہے؟ کیسے سمجھا گیا ہے؟ اسی واسطے سمجھا گیا ہے کہ ہم اسی سے نہ سمجھی ہوئی چیزوں کو سمجھتے ہیں۔ مجہولات ہمیں معلوم ہوتے ہیں تو اسی کے ذریعے سے؟ عقل کے ذریعے سے۔ آج دنیا سائنس کی ترقی پر متحیر ہے۔ یہ ترقی کس سے ہوئی ہے؟ عقل سے ہوئی۔ اگر عقل نہ ہو۔ آج تک آپ نہیں دیکھیں گے کہ کسی پاگل نے ایٹم بم تیار کیا ہو۔ کسی پاگل نے کسی چیز کا آپریشن کیا ہو۔ کوئی فارمولا اس نے ایجاد کیا ہو یا نظریہ قائم کیا ہو۔

توجہ فرمائیں گے! ساری دنیا کہتی ہے۔ عقل ہے۔ کیونکہ ہم جو نہیں ہے۔ ہم اس کو اسی سے معلوم کرتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کوئی چیز ہے جس کے ذریعے سے ہم کوئی چیز معلوم کرتے ہیں۔ لیکن وہ خود کیا ہے؟ اسی عقل سے پوچھو۔ عقل کہے گی جو

تمہیں نہیں آتا میں وہ تمہیں بتلادوں گی۔ لیکن مجھ سے پوچھو میں کیا ہوں؟ یہ مجھے بھی پتہ نہیں ہے کہ میں کیا ہوں؟ جیسے میں نے مثال دی تھی کل یا پرسوں۔ آنکھ سے کہو تو کیا ہے؟ آنکھ کہے گی میں دنیا کو دیکھتی ہوں۔ جو چیز تو چاہے میرے ذریعے سے دیکھ لے۔ لیکن میں اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی کہ میں کیا ہوں؟

حضور رحمۃ اللعالمین علیہ السلام نے فرمایا:

''دین کی اساس عقل پر ہے''۔

عقل کیا ہے؟ عقل ایک پوشیدہ قوت کا نام ہے۔ عقل ایک مخفی خزانہ ہے۔ عقل ایک نور ہے۔ عقل ایک فرقان ہے۔ عقل کی حیثیت اس کائنات میں عجیب تر ہے۔ اس کی حدیں متعین نہیں کی جاسکتی یہ سمندر سے زیادہ عمیق اور آسمان سے زیادہ آفاقی ہے۔ یہ لامتناہی ہے۔ اس میں ارتقاء ہے یہ اجتہاد کا سرچشمہ اور تہذیب و تمدن کا معدن ہے۔ یہ معرفت اشیاء کا ذریعہ ہے۔ مگر کوئی شے اس کی معرفت کا ذریعہ نہیں۔

عقل کیا ہے؟ عرض کیا ہے یہ علامات سے معلوم ہوتی ہے۔ آثار سے معلوم ہوتی ہے۔ اسی واسطے ہمارے آئمہ علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ جو اپنے آپ کو پہچان لے وہ خدا کو پہچان لیتا ہے۔ تو خدا کو معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا ہے؟ تجھے تو خود بھی پتہ نہیں کہ تو کیا ہے؟ جب اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا تو خدا کو کیسے پہچانے گا۔ ہاں جانتا ہے کہ ہے۔ لیکن کیا ہے؟ حقیقت اس کی کیا ہے؟ خدا کو بھی ایسا ہی ماننا ہے۔ کہ ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ جناب امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

یَا ھُوَ یَا مَن لَّا یَعلَمُ مَا ھُوَ وَلَا کَیفَ ھُوَ وَلَا اَینَ ھُوَ حَیثُ ھُوَ اِلَّا ھُوَ. (دعائے مشلول)

''اے وہ کہ جسے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ اور وہ کس حیثیت میں ہے وہ؟ مگر وہی جانتا ہے''۔

بہر حال عقل کیا ہے؟ ہمیں کوئی پتہ نہیں عقل کیا ہے۔ کسی وقت انشاء اللہ خداوند عالم نے زندگی دی تو عرض کروں گا۔

میں نے بریگیڈئر حیدر عباس رضوی صاحب کے مکان پر عرض کیا تھا کہ دنیا میں جو چیزیں معقولات سمجھی جاتی ہیں۔ وہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔ کچھ عقلی ہوتی ہیں جتنی کو عقل سمجھتی ہے۔ کچھ ہوتی ہیں ضد عقلائی۔ جس کو عقل محال سمجھتی ہے۔ عقل کہتی ہے کہ یہ نہیں ہیں۔ کچھ ہوتی ہیں فوق العقل جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ لیکن عقل ان کا انکار بھی نہیں کرتی۔ ہیں کچھ چیزیں ایسی جو عقل سے اوپر ہیں اور عقل ان کا انکار نہیں کرسکتی۔ انہی میں سے روح بھی ہے۔ انہی میں سے عقل بھی ہے۔ انہی میں سے سوچنا بھی ہے انہی میں سے فکر بھی ہے۔ فرشتے بھی انہی میں سے ہیں۔ بلکہ میرے بزرگان معاد کی بنیاد بھی اسی پر ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو عقل کی رسائی سے اوپر ہیں۔ لیکن عقل انکار نہیں کرتی۔ عقل کہتی ہے کہ ہے۔ عقل کہے گی کہ میں بھی نہیں کہہ سکتی کہ کیا ہے؟ عقل خود فوق العقل چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ جس کو عقل نہیں سمجھ سکتی۔ بس ہم کچھ علامتوں سے سمجھیں گے کہ عقل ہے۔ وہ علامتیں کیا ہیں؟

امام علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ ''ما العقل'' عقل کیا ہے؟

امام علیہ السلام فرماتے ہیں عقل وہ ہے کہ جس سے اللہ کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جائے۔ یعنی جو جنت حاصل کر رہا ہے۔ سمجھ لیجئے کہ وہ عاقل ہے۔ اور اگر وہ اللہ کی عبادت کر رہا ہے تو وہ عاقل ہے۔ پہلا پیغمبرؐ کا قول تھا۔ یہ امامؑ کا قول ہے۔ جو میں نے عرض کیا ہے۔ وہ شخص خود پوچھتا ہے۔ پس ان لوگوں میں

''وہ'' کیا ہے۔ اس نے تو نام لیا ہے میں نام نہیں لوں گا۔ یہ جو ہے ''وہ'' کیا ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں یہ فکر ہے' یہ فریب ہے۔ یہ دھوکہ ہے۔ جس کو عاقل عقل نہیں سمجھتا لیکن ''وہ'' عقل سمجھتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی آج اُسی کو عاقل سمجھتے ہیں؟ جو لوگوں کو زیادہ دھوکہ دے۔ کہتے ہیں جی بڑا عقلمند ہے' بڑا زیرک ہے' بڑا چالاک ہے۔ جو زیادہ دھوکہ باز ہو اسے ہم کہتے ہیں عاقل۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں۔ چارسوبیس (۴۲۰) والے کو دھوکہ باز کہا جاتا ہے۔ جو اپنی عقل کو دھوکہ دے رہا ہے۔ عقل کہتی ہے کہ اس کے سامنے جھک کہ جو جھکنے کے قابل ہے۔

احمق کون ہے؟ وہ جو بادشاہوں کے سامنے جھکتا ہے۔ ان کی اطاعت کرتا ہے۔ عقل سے پوچھو کہ بتلاؤ کہ قدرت کا مرکز کون ہے؟ یہ طاقت یہ قدرت کس کے ہاتھ میں ہے۔ عقل کہے گی قدرت اسی کے ہاتھ میں ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ وہی سلطان ہے۔ وہی قاہر ہے۔ جب قدرت اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اسی کی بات ماننی چاہیے۔

جو لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قدرت دنیاداروں کے ہاتھ میں ہے۔ ثروت مندوں کے ہاتھ میں عہدے داروں کے ہاتھ میں۔ ان کی باتیں مانتے ہیں۔ جھگڑے کرتے ہیں۔ فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔

لیکن امامؑ فرماتے ہیں: یہ احمق ہیں۔ قیامت کے دن یہی ہوں گے جو اِن سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں جہنمی بنایا۔ وہ جواباً کہیں گے ہم نے تو صرف دعوت دی تھی۔ تمہیں مجبور تو نہیں کیا تھا۔ تم خود ہمارے لیے نعرے لگاتے تھے۔ تم زندہ باد کہتے تھے۔ تمہاری عقل ماری گئی تھی۔ تم سوچتے کہ ہم تو کچھ ہی نہیں۔ ہمارے پیچھے جو لگے تھے تو ہمیں اس کا مستحق سمجھا تھا۔ انسان پیچھے اس کے لگے جس کے پیچھے لگنے سے خدا تک پہنچ سکے۔

میرے عزیزو! میرے بھائیو!

میں اس جملے سے اور زیادہ آگے نہیں جاتا۔ پھر ترجمہ کر دیتا ہوں کامل عقل والا انسان کون ہے؟

پیغمبرؐ فرماتے ہیں: وہ ہے جو اللہ کی زیادہ فرمانبرداری کرے اور اللہ سے ڈرے۔ اللہ سے ڈرے کے کیا معنی ہیں؟ اللہ کوئی ڈراونی چیز ہے؟ اللہ نعوذ باللہ کوئی ایسی چیز ہے کہ جس کی ہیبت سے انسان ڈرے۔ اللہ تو رحیم ہے۔ اللہ کریم ہے۔ اللہ بخشش کرنے والا ہے۔ اللہ نعمتیں دینے والا ہے۔ نعمتیں دینے والے سے ڈرنے کے کیا معنی ہیں؟ وہ کوئی ڈراونی' نعوذ باللہ میں تشبیہہ دوں وہ کوئی نعوذ باللہ درندہ حیوان ہے۔ انسان حیوانات سے ڈرتا ہے' اللہ سے ڈرنے کے کیا معنی ہیں؟ وہ جو خود قرآن فرماتا ہے:

وَامَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفس عَنِ الهَوٰی ٥

(سورہ النزعٰت، آیت ۴۰)

''اور جو اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا ہوگا''۔

فَاِنَّ الجَنَّةَ هِیَ المَاوٰی ٥ (آیت ۴۱)

''یقیناً جنت اس کا ٹھکانا ہوگا''۔

اللہ سے نہ ڈرو' اس کے منصب سے ڈرو۔ اللہ کے لیے ساری مخلوق برابر ہے۔ جب وہ مقام فیصلہ پر آئے گا تو کسی کو رعائت نہیں دے گا۔ اس کی عظمت سے ڈرو۔ اس کے مقام سے ڈرو۔ اس کی عدالت سے ڈرو۔ اگر عدالت پر آ گیا تو پھر عدالت کے معیار پر فیصلہ دے گا۔ یا یوں کہہ دوں کہ اللہ سے نہ ڈرو بلکہ اپنے جرائم سے ڈرو۔ اپنے گناہوں سے ڈرو۔ نعوذ باللہ اپنی بدکرداری سے ڈرو۔ چونکہ اگر آپ

نے یا میں نے جرائم کئے وہ تو عادل ہے وہ فیصلہ کرے گا تو پھر اس کے مقام فیصلہ میں آپ کو یا مجھے خدانخواستہ جہنم میں جانا پڑے تو یہ حقیقت میں اللہ سے ڈرنا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے آپ سے ڈرنا ہے کہ ایسے مقام پر اپنے آپ کو نہ لے جاؤ کہ جہاں عدالت الٰہی تمہارے لئے موجب عذاب ہو جائے کہ تمہیں ایسے مقام پر جانا پڑے۔ اسی لئے قرآن کریم میں فیصلے کے دن کو جھٹلانے والوں کے لیے لفظ ''ویل'' استعمال کیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَيلٌ يَّومَئِذٍ لِّلمُكَذِّبِينَ ○ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَومِ الدِّينِ○

(المطففین، آیت ۱۰۔۱۱)

''اس دن ان جھٹلانے والوں کے لیے جو فیصلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں ویل ہے''۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے جرائم سے ڈرو چونکہ جس کے سامنے فیصلے کے لئے تمہیں پیش ہونا ہے وہ بڑی قوت فیصلہ والا ہے۔ اس کی مثال اگر میں اپنے جوان بھائیوں کے لئے دے دوں...... (صلواۃ پڑھیں!)

یہاں ممکن ہے کتنے بزرگوار شاید عدالت کے بھی بیٹھے ہوں۔ مجسٹریٹ یا کوئی اور منصب دار بیٹھا ہو۔ تو کوئی ڈرتا ہے ان سے۔ نہیں ڈرتا۔ یہی انسان ڈرانے والا نہیں ہے۔ لیکن جب وہ اپنے کمرۂ عدالت میں بیٹھا ہوگا' کرسیٔ قضاوت پر متمکن ہوگا۔ آج کل تو اس شخص کو بھی ڈرنا چاہیے جس نے جرم نہیں کیا۔ کیوں ملک صاحب۔ دیکھئے وہ شخص تو عالم الغیب نہیں ہے۔ اس نے گواہوں پر فیصلہ دینا ہے۔ ہوسکتا ہے گواہ جھوٹ بول رہے ہوں۔ اس نے تو مسِل کے مطابق ہی فیصلہ دینا ہے۔ حتیٰ کہ غیر مجرم بھی ڈرتا ہے کہ کہیں میرے خلاف فیصلہ نہ ہو جائے۔ مجرم تو

بطریق اولیٰ۔ یہ اس کے مقام فیصلہ سے ڈرتا ہے' ذات سے نہیں ڈرتا۔ جب بازاروں میں پھرتا ہے کوئی نہیں ڈرتا۔ گھر میں رہتا ہے تو کوئی نہیں ڈرتا۔ نہ بچے ڈرتے ہیں اگر کوئی ڈرتا ہے تو کون؟ مجرم یا وہ جس پر غلط مقدمہ کیا گیا ہو۔ وہ ڈرتا ہے جو چور ہو' جو مجرم ہو۔

معنیٰ یہ بنے گا کہ کامل عقل والا انسان وہ ہے...... (اس ذات کے سامنے غیر مجرم کو تو ڈرنا ہی نہی چاہیے)۔ کامل عقل والا انسان وہ ہے کہ اس دنیا میں رہ کے ایسا کام نہ کرے کہ جس کی سزا اللہ کو دینی پڑ جائے۔

میرے بھائیو! یہ تھا جملہ پیغمبر علیہ السلام کی اس عبارت کا۔ کامل عقل کا معیار یہی ہے۔ اور معیار کیا ہے؟ جو جتنا اللہ سے ڈرنے لگ جائے نا کہیں گے بیوقوف ہے۔ نہ خود کھاتا ہے نہ کھانے دیتا ہے۔ اسے کیا کہیں گے بیوقوف کہیں گے۔ بعد میں اگر گھر میں کوئی بچہ نماز پڑھنے لگ جائے۔ ماحول ہو بے نمازوں کا کہیں گے ہم گھر میں صوفی پال رہے ہیں۔ بڑا نمازی آ گیا ہے اور اگر کہیں ٹیلیویژن لگ رہا ہو اور وہ بند کر دے اب کہیں گے یہ عجب بیوقوف ہے' عقل نہیں ہے اسے۔ اور جتنا اللہ کی زیادہ اطاعت کرے اسے اتنا ہی بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ مولوی کو حکومت سے کیا کام ہے؟

معاف فرمایئے گا میرے قبلہ! میں کبھی کبھی یہ جملہ کہہ دیتا ہوں۔ اسی واسطے کہتے ہیں جی مولویوں کو مسجد میں بیٹھنا چاہیے۔ انہیں سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ان کو سیاست سے کیا واسطہ؟ مطلب یہ ہے کہ سیاست ان لوگوں کا کام ہے جو جرائم پیشہ ہیں۔ (نعرۂ حیدری!)

اگر کوئی شرابی وزیر بن جائے تو خوش ہیں اور اگر ایک مولوی وزیر بن جائے تو کہیں گے اسے ہٹاؤ۔ یہ خود بھی نہیں کھائے گا اور ہمیں بھی نہیں کھانے دے گا

۔نعوذ باللہ اگر یہ شوریٰ موریٰ والے دیکھئے! کوئی ہے جو کسی شریف آدمی کو دیانت پر ووٹ دے۔ اسّی ہزار روپے (میرے علم میں بھی ہے) لوگوں نے خرچ کیئے ووٹ لئے یہ خانۂ کعبہ کیلئے خرچ کرر ہے تھے کیا؟ کہاں جائیں گے زیارتیں کریں گے۔ میں آپ کو بتلاؤں پتہ نہیں کیا بات ہوئی۔ میرا ووٹ یہاں لاہور میں ہے۔ میری ذات یہاں لاہور میں ہے اور بھگتا رہا ہوں دو جگہوں پر۔ میرا وہاں بھی اندراج کیا ہوا ہے۔ ایک بزرگوار کہہ رہے تھے ان کا دادا مرحوم ہو گیا تھا اس کا ووٹ بھی بھگت گیا۔

یہ ہماری سرائیکی کی باتیں ہیں' آپ کے یہاں تو انصاف ہوتا ہوگا۔ یہ وہاں آیا تو دیکھا والد صاحب کا ووٹ بھگتا ہوا تھا تو کہنے لگا آپ نے بڑا کام کیا تھوڑی سی دیر اور روک لیتے' بڑی مدت ہوئی ہے میں نے دادا کی زیارت نہیں کی تھی ان کی زیارت ہی کر لیتا۔

یہ ہے اسلام' جسے ہم دنیا میں رائج کریں گے۔ جس پر ہمیں فخر ہے۔ مجھے کوئی کہتا کہ آپ شوریٰ پر کیوں برستے ہیں؟ شوریٰ سے کوئی دشمنی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں رائے حل ہو سکتا ہے رائے حق نہیں ہو سکتا۔ اس میں میں فرق بتاؤں۔ رائے حق اکثریت نہیں ہے۔ البتہ رائے حل ہے۔ اگر کچھ آدمی لڑ رہے ہیں تو انہیں چپ کرانے کے لیے ایک حربہ بھی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ جسے چپ کرایا جا رہا ہے اور جسے جزا دی جا رہی ہو یہ اس کا حق بھی ہو۔

بہر حال میرے قبلہ! یہی تصور ہے آج۔ مولوی کو بالکل سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ساری دنیا چیخ اٹھی ہے کہ خمینی کیوں رئیس بن گیا۔ بابا! وہ شراب پیتا ہے؟؟ وہ لوگوں کا مال کھاتا ہے؟ وہ پیسے بنانے کیلئے دوسرے ممالک کا سفر کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اس نے ملک کو قوم کو کیا دیا؟

میں آپ کو بتاؤں میرے مسلمان بھائیو! اس نے اسلام کی عزت اتنی بڑھائی کہ آج روس بھی سوچ رہا ہے، چین بھی سوچ رہا ہے اور امریکہ جو ہمیں ایک دمڑی کا نہیں سمجھتا تھا آج اس نے بھی ماہرین بٹھائے ہوئے ہیں کہ بتاؤ یہ ایران والا اسلام کیسا اسلام ہے؟ (نعرۂ حیدری!)

اسلام کو اس نے عظمت دی۔ میرے بھائیو! معاف فرمایئے! چند علاقے فتح کرنے والوں کی عظمت تو آج تک ہمارے دل سے نہ گئی۔ آپ کہتے ہیں بڑے عظیم کارنامے کرنے والے تھے۔ ملک فتح کیئے اور جو ملکوں کو ہلا کے رکھ دے اس کے لئے بھی تو کوئی عظمت ہونی چاہیے۔ (نعرۂ حیدری!)

بہرحال اکمل عقل والا انسان وہ ہے جو اللہ کی زیادہ اطاعت کرے اور اللہ سے زیادہ ڈرے۔ اور کم عقل والا وہ ہے جو نافرمان ہو۔

پیغمبرؐ فرماتے ہیں جو بادشاہوں کے پاؤں میں پڑتا ہو۔ اور ہمارے یہاں سلوٹ مارنا (یعنی سینہ تان کر دایاں پاؤں اٹھا کر زمین پر مار کر سامنے والے کو سلام کرے)۔ کس نے ایجاد کیا ہے سلام کا یہ طریقہ؟ ہمارے یہاں تو سلامٌ علیکم اور جواباً وعلیکم السلام ہے۔ اسلام میں تو یہی ہے۔

جناب امام رضاؑ کا طریقہ کسی سے ملنے کا یہ تھا کہ دونوں ہاتھوں سے ہاتھ ملاتے اور تھوڑا جھک کر ملتے۔ یہ ہے اسلامی طریقہ۔ بہرصورت میں سیاست میں نہیں جانا چاہتا۔ یہ تھا ترجمہ اس روایت کا۔ اب آتا ہوں کل کے تھوڑے سے مطلب کی طرف۔ (صلواۃ پڑھیں)

کل میں نے عرض کیا تھا۔ کہ یہ دنیا بلا وجہ پیدا نہیں ہوئی۔ یہ عالم بلا ہدف نہیں پیدا ہوا بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی غرض ہے۔ جو مادی لوگ ہین وہ کہتے ہیں بلا غرض ہے۔ بلا ہدف ہے۔ اس دنیا کا کوئی ہدف نہیں۔ جو یہاں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے۔ کھاؤ

پیو مرضی کرو۔ نہ کوئی انصاف ہے نہ کوئی عدالت ہے۔ نہ کوئی جنت ہے نہ جہنم ہے۔ نہ کوئی خدا ہے۔ انہیں تو خدا سمجھے۔ ان کے متعلق تو میں ابھی بات نہیں کرتا۔ لیکن جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہدف ہے۔ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اس کے میں نے دو حصے کیے تھے۔

ایک تو پورے عالم کی غرض کیا ہے؟ دوسرے اس عالم میں بشر کی غرض کیا ہے ؟انسان کی غرض کیا ہے؟ میں نے کل عرض کیا تھا کہ پورے عالم کی غرض ہے بشر کے لئے۔ یہ پورا عالم' یہ پورا کارخانۂ قدرت جس میں کروڑوں مزدور کام کررہے ہیں یہاں فرشتے کام کررہے ہے۔ اگر میں زندہ رہا' تو میرا دعویٰ ہے آپ کو شاید برا لگے۔ یہاں صفر کی کوئی دس مجلسیں ہیں اس سال میں نے یہی سوچا ہے کہ یہ ساری معاد پر ہی پڑھوں گا۔ اللہ کا کلام ہے میرا کوئی کمال نہیں۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے ان سے مطالعہ کروں گا جتنا ہو سکے گا بتاؤں گا۔

کروڑہا چیزیں ہیں' جو اس عالم میں کام کررہی ہیں۔ یہ سبھی بشر کے نوکر ہیں۔ یہ سارے انسان کے لیے کام کررہے ہیں۔ سورج نہ ہو تو ایک دن انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہوا نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ چاند نہ ہو' یہ ہوائیں نہ ہوں۔ دیکھئے کتنے جتن کیے جارہے ہیں ہوا کے لیے تب جا کے انسان زندہ ہے۔

ایک عالم دین ایران میں منبر پر بیٹھے تھے مجھے ان کی بات نہیں بھولی۔ انہوں نے کہا کہ پانی نہ ملنے سے انسان تین چار دن زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن ہوا اگر ایک سیکنڈ کے لیے ختم ہو جائے تو کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اتنی بڑی قیمتی چیز ہے۔ یہ سارا عالم انسان کے لئے کام کررہا ہے۔ انسان خدا نے تجھے کس لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کہتا ہے میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ عجب بات ہے میں نے تم کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن تم بولو گے تو:

اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ○

(سورۃ الدھر، آیت ۳)

''بالتحقیق ہم نے اسے ٹھیک راستہ بتا دیا۔ اب یا تو وہ شکر گزار ہوگا یا ناشکرا''۔

ہم نے دو لفظ سکھلائے ہیں انسان کو۔ چاہے اس کی مرضی شکر کرے چاہے اس کی مرضی انکار کرے۔ ہم سارے اللہ کے لیے ہیں۔ اللہ تک جانے کے لیے پورا مواد، رستہ بتلانے کے لیے، جو ہمارے لیے قوانین بھیجے گئے ہیں۔ ہر دور میں نبی بھیجے ہیں۔ ہر زمانے میں قانون دیا ہے۔ ہمارے دور میں اسلام۔ یہ وہ قانون ہے جو اللہ نے بھیجا ہے۔ پیغمبرؐ کی ذات ہر انسان کے لیے ہے۔ انسان کو کمال مادی اور معنوی تک پہنچانے کے لیے۔ اگر انسان اسلام کے قانون پر عمل کرے تو مادی دنیا بھی اس کی کامل ہوگی اور روحانی دنیا بھی کامل ہوگی۔

میں نے کل بتا دیا تھا کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جو نبی بھی ہوتا ہے اور رسول بھی ہوتا ہے۔ نبی وہ ہے جو نبی تو ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا۔ نبی وہ ہے جس پہ الہام ہوتا ہے کہ تو اس پر عمل کر، یہ حکم نہیں ہوتا کہ دوسروں کو بھی بتا۔ اسے کہتے ہیں ''نبی النفسی'' رسول وہ ہوتا ہے کہ جب نبوت کا درجہ حاصل کر لے پھر اس پر الہام ہوتا ہے۔ فرشتے کو بھی دیکھتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ اب دوسروں کو بھی دعوت دے اور بتا۔

ہمارے پیغمبرؐ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ چالیس سال سے پہلے صرف نبی تھے۔ چالیس سال کے بعد نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے۔ لہٰذا یہ بحث کرنا کہ پیغمبرؐ کا دین نبوت سے پہلے رسالت سے پہلے کیا تھا۔ یہ نافہمی پر مبنی ہے۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام کا دین تھا ان کے لیے نہ موسیٰ علیہ السلام کا دین تھا ان کے لیے، نہ ابراہیم علیہ

السلام کی شریعت تھی ان کے لئے، نہ کسی اور کی۔ آپ پر خود اپنی شریعت نازل ہوتی تھی۔ لیکن صرف خود عمل کرنا تھا۔ ابھی تبلیغ کا حکم نہیں آیا تھا نبی النفسی ہماری روایت ہے۔ اَلنَّبِیُّ نَبِیًا وَلَو کَانَ صَبِیًّا کہ نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور میرے قبلہ! اگر ہمارا نبی چالیس سال کے بعد نبی بنے تو پھر عیسائیوں کو فخر سے سر اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ عیسٰیؑ تو کہتا ہے گہوارے میں کہ میں نبی ہوں۔ قرآن آواز دے رہا ہے:

فَاَشَارَتْ اِلَیهِ قَالُوا کَیفَ نُکَلِّمُ مَن کَانَ فِی المَهدِ صَبِیًّا ○

(سورہ مریم' آیت ۲۸)

''پس مریم نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ بولے کہ ہم اس سے کیونکر بات کریں گے جو گہوارہ میں بچہ ہے''۔

اب گہوارے میں بیٹھے ہوئے بچے نے جواب دیا۔ ذات احدیت ارشاد فرماتی ہے:

قَالَ اِنِّی عَبدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا ○

(سورہ مریم' آیت ۳۰)

''(وہ بچہ بقدرت خدا) گویا ہوا کہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے''۔

مسلمان غور کر کہ عیسائی جب اپنے نبی کے متعلق تمہارا قرآن پڑھ لیں گے جس میں لکھا ہے کہ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا کہ مجھے اللہ نے گہوارے میں نبی بنایا اور ماں کی صداقت کی گواہی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا کہ مجھے نبی بنایا اور ہمارا پیغمبرؐ چالیس سال کے بعد بنے تو بتاؤ کون افضل ہوگا؟ یوں افضل وہی عیسٰےؑ علیہ السلام ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ امت اسلامی کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء میں سب سے افضل

نبی آخر الزمان علیہ السلام ہیں۔ (ایک دفعہ صلواۃ!)

پیغمبر علیہ السلام نبی تھے چالیس سال سے پہلے۔ رسول اور نبی تھے چالیس سال کے بعد۔ اپنی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ اپنی نبوت کی ترویج کرتے تھے۔ یہ پورا قانون اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اپنی طرف سے قانون نہیں بنا سکتا۔ قانون وہ دے، عالم کے لیے جو خود مستغنی ہو۔ جسے خود ضرورت نہ ہو۔ نہ صدارت کی، نہ وزارت کی، نہ احتیاج ہو کہ کوئی ووٹ دے گا یعنی پورے عالم کے لیے قانون خود اللہ بناتا ہے۔ اس کا نام ہے اسلام۔ پیغمبر علیہ السلام کی ذات کو عنایت فرمایا اللہ نے یہ اسلام ہے پیغمبر علیہ السلام کے لیے اور پھر جہاں تک نبوت جاتی ہے وہاں تک کے لیے اس کی نبوت اور رسالت کی دلیل قائم کردی ہے۔ ہر نبی کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے کہ وہ نبی ہے یا کہ نہیں ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل تھی۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کی دلیل تھی۔ ان کی جتنی نبوت تھی اتنی دلیل تھی۔ لیکن جس کی نبوت نے قیامت تک جانا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا۔

حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ

پیغمبر علیہ السلام کی نبوت نے جانا ہے قیامت تک۔ ان کی صداقت کی دلیل بھی قیامت تک ہے۔ درخت کو جلا دینا اس کے لیے دلیل ہو سکتی ہے جو دیکھ رہا ہے ہمارے لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔ حیوانات کا کلمہ پڑھ لینا یہ انہی کے لیے دلیل ہے۔ شق القمر یہ اسی کے لیے دلیل ہے جس نے دیکھا۔ ہمارے لئے کیا دلیل ہے کہ پیغمبر ہے؟ قرآن کریم کہتا ہے کہ تمہارے لئے دلیل میرا وجود ہے۔ میں قرآن دلیل ہوں پیغمبرؐ کی۔ (صلواۃ پڑھ لیں)

مختصراً میں کیا ہوں، چھوٹا منہ ہے کہیں گے بڑی بات ہو رہی ہے۔ میں ریگن

صاحب سے کہوں گا کہ اسلام کی مخالفت اس لحاظ سے نہ کرو۔ اسلام کو مٹانے کے لیے ہمیں آپس میں نہ لڑاؤ۔ اسلام کو ختم کرنے کے لیے لبنان میں یہ کھیل نہ کھیلو۔ تمہارے پاس بڑی یونیورسٹیاں ہیں کہ آج تم مریخ تک پہنچنا چاہتے ہو۔ ابھی تمہاری زبان بھی عربی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ عربی صرف مسلمانوں ہی کی زبان ہے۔ عربی زبان کافروں کی بھی ہے۔ عیسائی ہیں، یہودی ہیں، یہ اسرائیلی ہیں، فلسطینی ہیں سب عربی بولتے ہیں۔ عربی ادب کے ماہر بھی ہیں۔ بلاؤ یونیورسٹی کے تمام ماہرین عربی زبان بولنے والے اور ان سے کہو کہ ایک چھوٹی سی سورت ہے۔

اِنَّـا اَعـطَیـنکَ الـکَـوثَـرَ ○ فَـصَـلِّ لِـرَبِّـکَ وَانـحَـر○
اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الاَبتَرُ○ (پارہ ۳۰، سورہ ۱۰۸)

قرآن کریم کی یہ سب سے چھوٹی سورت ہے۔ بسم اللہ کو چھوڑ کر تین آیات ۳۷ حروف، دس کلموں اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ تین جملے ہیں۔ تم تین جملے عربی کے بناؤ عربوں کے سامنے رکھیں گے اگر وہ کہیں قرآن کی طرح ہے تو ہمارا اسلام غلط۔ اسلام خود مٹ جائے گا۔ دودھ سے عیسائی نہ بناؤ۔ آؤ اس کا مقابلہ کرو۔ قرآن کا دعویٰ ہے۔

وَاِن کُنتُم فِی رَیبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا عَلٰی عَبدِنَا فَاتُوا بِسُورَۃٍ مِّن مِّثلِہٖ وَادعُوا شُھَدَآءَ کُم مِّن دُونِ اللّٰہِ اِن کُنتُم صٰدِقِینَ ○
(سورۃ البقرہ، آیت ۲۳)

''اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا اگر اس میں تمہیں کچھ شک ہو تو ویسی ہی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔ اگر تم سچے ہو تو خدا کے سوا اور سب گواہوں کو بلا لو''۔

قرآن کا یہ دعویٰ ماضی میں بھی تھا، حال میں بھی ہے، اور قیامت تک قائم

ہے۔ بنالاؤ اس کے مثل چھوٹی سی سورت' اسلام خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس کی مخالفت میں کیوں اپنے وسائل تباہ کر رہے ہو۔

مسلمانو! تمہارا سر فخر سے بلند ہونا چاہیے کہ آج تمہارے پاس نبوت رسول خداؐ کی دلیل ہے جبکہ عیسائیوں کے پاس نہیں ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب عیسیٰؑ مردہ زندہ کرتے تھے لیکن آج ثابت نہیں کر سکتے کہ مردہ زندہ کرتے تھے۔ لیکن تم آج بھی ثابت کر سکتے ہو کہ ہمارا پیغمبرؐ ہے چونکہ اس کی دلیل قرآن ہے۔ اور چودہ سو سال ہو گئے ہیں آج تک کسی نے قرآن کا مقابلہ نہیں کیا۔ میں اس طرف زیادہ نہیں جاتا۔ پیغمبرؐ کی دلیل قرآن خود لایا اسلام۔ اسلام حاوی ہے۔

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم ۔ دین کامل ہے۔ نہ اختر عباسؒ کی ضرورت ہے اسے نہ آقائے خمینیؒ کی ضرورت ہے۔ نہ جناب ابوحنیفہ کی ضرورت ہے نہ کسی اور کی ضرورت ہے کہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ایجاد کریں۔ سمجھنے کی کوشش کرو بنانے کی کوشش نہ کرو۔ (صلواۃ)

ہم جو کیا کہتے ہیں پیغمبرؐ کو اگر آپ کے پاس نہیں ہے۔ یہ تصور ہے۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں کہ ایسا حکم ہو جو قرآن میں نہ ہو' سنت میں نہ ہو تو اجتہاد کا حق ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو قرآن میں نہ ہو اور سنت میں نہ ہو۔ ورنہ دین ناقص ہوگا اور خدا کہتا ہے دین کامل ہے۔ اب یا تو تم مانو کہ کسی نے ناقص کیا؟ ماننا پڑے گا کسی نے ناقص کیا ہے اور اگر ہم کہتے ہیں کہ اب بھی موجود ہے۔ تو آؤ کامل دین کے پاس کامل موجود ہے۔ دین کامل ہے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اس دین کو پھیلانے کیلئے تیرہ سال مکے میں زحمت کی' مصائب اٹھائے۔ پیغمبرؐ سے جرأت نہیں ہوتی تھی کوئی معمولی آدمی کا بیٹا نہیں

تھا۔ مسلمان ذہن سے نکال دے کہ اس پر کوئی ہاتھ اٹھا سکتا تھا۔ جب تک دادا عبدالمطلبؑ موجود تھا قریش کا سردار تھا اور جب دادا گیا تو ابو طالب چچا تھا کہ جو پورے حجاز پہ حکومت کرتا تھا۔ اس کو معمولی یتیم نہ سمجھ ٹھیک ہے یتیم تھا۔ لیکن ایسا نہیں تھا کہ حامی کوئی نہ رہا ہو۔ میں کہتا ہوں کسی کو جرأت نہ ہوئی مکہ میں کہ پیغمبرؐ کو (قریش میں سے) کوئی آ کے آزار پہنچائے۔ جناب سرور کائناتؐ کے متعلق مکہ میں ایک خبر جناب ابو طالبؑ کو ملی کہ آپ گم ہو گئے ہیں۔ جناب عمرانؑ نے فوراً اپنے ستر غلاموں کو بلایا اور کہا کہ اپنے اپنے خنجر لے آؤ۔ غلام خنجر لے آئے اور کہا انہیں اپنی اپنی! آستینوں میں چھپا لو۔ اس کے بعد بنی ہاشم کے جوانوں کو بلایا اور کہا کہ اپنی اپنی تلواریں لے آؤ۔ جوان تلواریں لے آئے تو انہیں کہا کہ انہیں اپنی اپنی آستینوں میں چھپا لو۔ ان سب کو ساتھ لیکر جناب ابو طالبؑ خانہ کعبہ کی چار دیواری میں پہنچے ۔ وہاں قریش کے سردار (مشرکین مکہ) بیٹھے ہوئے تھے۔ جوانان بنی ہاشم اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ایک ہاشمی جوان اور ایک غلام ایک ایک سردار کے پاس بیٹھ جاؤ اور خود یتیم عبد اللہ کی تلاش کو چل پڑے۔ آپ کے ساتھ دو آدمی اور تھے جن کے نام تاریخ نے نہیں بتائے۔ تلاش کرتے کرتے جب آپ پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو دیکھا کہ رسول اکرمؐ ایک پتھر پر نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے پیچھے ایک بچہ جس کی عمر تیرہ سال کے قریب ہے نماز پڑھ رہا ہے جس کا نام علیؑ ہے۔ ان دو آدمیوں نے (جو جناب ابو طالبؑ کے ساتھ تھے) جناب علیؑ سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہے تھے؟ آپؑ نے فرمایا: اپنے اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا آپ نے جناب ابو طالبؑ سے اجازت لی تھی؟ آپ نے برجستہ جواب دیا کیا اللہ نے مجھے پیدا کرتے ہوئے ان سے اجازت لی تھی۔ ایسا جواب ابو طالب کا بیٹا ہی دے سکتا ہے۔ نعرہ حیدری!

جناب ابو طالبؑ نے رسول اللہؐ سے فرمایا کہ بھتیجے آج اگر تو نہ ملتا تو میں پورے کافروں کو قتل کر دیتا۔ آپ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے اور سرداران مشرکین قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آج میرا بھتیجا نہ ملتا تو میرے غلاموں اور جوانوں کے خنجر تمہارے سینوں سے پار ہو جاتے۔ (نعرۂ حیدری)

کبھی لڑکوں کو لگاتے ہیں۔ کبھی عورتوں کو لگاتے ہیں۔ بچوں کو لگا دیتے تھے کہ نعرہ لگاؤ جب قرآن پڑھتا ہے تو اس میں شور مچاؤ کہ لوگ اس کا قرآن نہ سنیں۔ پیغمبرؐ نے سوچا کہ اب بچوں کا جواب کیا دیں۔ جوان سامنے آتے نہیں۔ بوڑھے سامنے آتے نہیں۔ کیا جواب دیں۔ حضرت علیؑ عرض کرتے ہیں میں جواب دوں گا۔ (نعرۂ حیدری)

جناب علیؑ عرض کرتے ہیں قبلہ! میں جواب دوں گا۔ دوسرے دن پیغمبرؐ کے ساتھ علیؑ جاتے ہیں۔ بچے حسب عادت نعرے لگاتے ہیں۔ ایک بچے کو پکڑ کے تھپڑ جو لگایا تو گھر تک سر چکراتا گیا۔ دوسرے کو جرأت نہ ہوئی۔ تیسرے کو جرأت نہ ہوئی۔ اب قریش کیا کہیں۔ یہی کہیں گے کہ بچہ تھا' بچے نے مار دیا۔ یہاں سے ان کا خاتمہ کیا۔ کفر کو ختم کیا۔ مکے میں زحمت کی۔ مدینہ چلے گئے لیکن میں آپ کو بتاؤں یہ تاریخ میں ہے کہ دین الٰہی کا مقابلہ ہمیشہ ثروت مند طبقہ کرتا ہے یہاں بھی وہی کیفیت ہے۔ اسّی فیصد مخالف وہاں ثروتمند تھے آج بھی ثروتمند دشمن اسلام ہیں۔ ثروت مند نہیں چاہتا کہ اسلام ہو' کیوں کہ اس کی ثروت کا حساب ہوگا اور ایسا محاسبہ نہیں ہوگا کہ جس سے وہ بچ جائیں گے۔ یہ وہ محاسبہ ہوگا کہ یا وطن چھوڑیں گے یا مال دیں گے۔

ثروتمندوں نے مخالفت کی' سب سے بڑا ثروتمند اسلام لانے سے پہلے مکے میں ابو سفیان اور اس کے بعد ابو جہل قریش کا سردار۔ ابو سفیان کون؟ معاویہ کا باپ

یزید کا دادا۔ آپ دیکھیں کہتے ہیں پیغمبرؐ نے تلوار سے اسلام پھیلایا۔ میں اس کا جواب لایا ہوں آج۔ آپ دیکھیں مکے اور مدینے کا فاصلہ طے کریں۔ دیکھیں کتنا فاصلہ ہے۔ پانچ سو کلومیٹر یا زیادہ ہے، مجھے یاد نہیں تقریباً پانچ سو کلومیٹر تو ہوگا۔ بدر وہاں سے (مدینے سے) شاید ڈیڑھ دو گھنٹے کا فاصلہ ہے زمین سے جائیں، پہلی لڑائی ہوئی ہے بدر میں۔ دوسری لڑائی ہوئی ہے احد میں۔ یہ مدینے سے چار پانچ میل کے فاصلے پر۔ تیسری لڑائی ہوئی خندق میں، یہ بالکل مدینے کے اندر ہے۔ جہاں خندق کھودی گئی تینوں لڑائیوں کا سردار ابوسفیان۔ آخری لڑائی خندق کی دس ہزار فوج لے کے آیا تھا ابوسفیان۔ مسلمانوں کے پاس تین ہزار۔ پھر اس کے بعد لڑائی ہوتی ہے بنی قریظہ سے۔ انہوں نے غداری کی تھی، ابوسفیان کے ساتھ مل گئے تھے۔

مسلمانوں کے خلاف۔ پھر بعد میں لڑائی ہوتی ہے خیبر میں۔ اس سے پہلے معاہدہ صلح ہو چکا ہے حدیبیہ کا۔ جو کہتے ہیں اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ پہلے لڑائیوں کا نقشہ دیکھو کہاں ہو رہی ہیں۔ مسلمان اگر لڑتے تو مکہ دشمن تھا۔ حملے مکے پہ ہوئے یا مدینے پہ۔ مکے میں جاتا اسلام مکے میں جا کے لڑتا۔ لیکن اسلام بیچارہ اپنا دفاع کر رہا ہے مدینے میں۔ اور وہاں خندق کھودی جا رہی ہے اور پھر حنین کی لڑائی، پھر تبوک کی، تبوک کی تو خیر ہوئی ہی نہیں۔ خیبر کی لڑائی۔ اس ساری لڑائی میں جو کہ دفاعی لڑائیاں تھیں۔ کفار نے، یہود نے لڑائی کی۔ اس ساری لڑائی میں کل کتنے آدمی مارے گئے کفار کے۔ یہ میں بتانے کیلئے آج لایا ہوں لکھ کر کہ کتنے مارے گئے؟ جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

اگر آپ تھوڑی سی مجھے مہلت دیں گے۔ تاریخ کا طالب علم دیکھے طبری وغیرہ کو۔ میں معتبر تاریخوں میں سے یہ لایا ہوں کہ کتنے آدمی مارے گئے ساری لڑائیوں میں۔

بدر میں ایک روایت ہے چوراسی آدمی مارے گئے ۔دوسری روایت ہے چھیاسی ۔چھیاسی سے زیادہ نہیں چوراسی سے کم کی روایت نہیں ۔آدھوں کو علیؑ نے مارا اور دوسرے آدھوں میں علیؑ شریک تھے۔اس کے بعد اُحد کی لڑائی جس میں مسلمانوں کو ذرا شکست ہوئی تھی ۔ایک روایت میں ہے کہ ستر کافر مارے گئے۔ دوسری روایت ہے ایک سونو مارے گئے ۔خندق کی لڑائی جہاں دس ہزار کی فوج آتی ہے۔ ایک روایت میں ہے نو مارے گئے' دوسری ہے گیارہ۔ دس ہزار میں گیارہ تو نزلے زکام سے بھی مر جاتے ہیں۔دس ہزار کی فوج کی لڑائی ہو اور مریں صرف گیارہ تو یہ تلوار سے پھیل رہا ہے اسلام۔گیارہ کب مرے تین اندر آئے تھے جہاں عمرو بن عبدو تھا۔دو اس کے ساتھی تھے۔عمر کو جب علیؑ نے مارا تو وہ دو بھاگ گئے۔ان کو خندق نے مارا۔پھر کسی کو جرأت نہیں ہوئی تین کے بعد چند ایک متفرق طور پر مارے گئے ۔کل گیارہ مرے۔ یہ ہے سب سے بڑی لڑائی۔البتہ قریظہ کا یہود اسی خندق میں وہ مخالفت کرتا ہے۔ معاہدۂ امن جو پیغمبرؐ سے ہوا تھا اس کو توڑتا ہے۔اور ابوسفیان کے ساتھ مل جاتا ہے۔انہیں کے ایک دوست نے حکم دیا تھا کہ ان کے مردوں کو مار دیا جائے' عورتوں کو قید کرلیا جائے ۔وہاں دو روایتیں ہیں۔سب سے زیادہ جو مرتے ہیں سات سو یا نوسو۔جنگ خیبر میں جس کو ہم کتنا بیان کرتے ہیں ۔تین مارے گئے یا اکیس۔مرحب جب مارا گیا تو سارے بھاگ گئے۔علیؑ کی تلوار ایک کو مارتی تھی باقی کیلئے نمونہ بن جاتا تھا۔نعرہ حیدری!

فتح مکہ میں اکیس آدمی مرتے ہیں یا انتالیس۔اور جناب یہ حنین وغیرہ میں پھر بعد میں لڑائی ہوتی ہے پچاسی مرتے ہیں یا ایک سو بارہ متفرق ایک انیس یا تین سو تینتیس۔کل ایک روایت کی بنا پر گیارہ سو تین۔ ۱۱ھ تک یا سترہ سو چوبیس کفار مرتے ہیں۔

اب مجھے بتاؤ سترہ سو چوبیں اگر مان لیا جائے۔تو یہ اسلام تلوار کے زور سے پھیل رہا ہے؟ یہ تاریخ کا طالب علم چونکہ پڑھتا نہیں ہے۔اور مرعوب ہو جاتا ہے مغرب سے' اگر اسلام پھیلا ہے تلوار کے زور سے تو نبی کے بعد آپ کہیے۔جس کی ذمہ داری نبوتؐ پہ نہیں ڈالی جاتی۔بعد والوں نے تو مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑا مرتدین زکوۃ کا جو ڈھونگ رچایا گیا۔مالک بن نویرہ جسے خالد بن ولید جسے مسلمان سیف اللہ کا لقب دیتے ہیں۔یہ ابوبکرؓ پیغمبرؐ کی طرف سے عامل تھا زکوۃ اکٹھا کرنے پر۔مالک زکوٰۃ کا منکر نہیں تھا۔کہتا تھا اسے دوں گا جو رسول اللہ کا جانشین ہے۔اس کے ساتھ اور مسلمانوں کو بھی قتل کیا اور اسی رات اس کی بیوی سے نکاح کیا اس کا الزام بھی اسلام پر لگایا جاسکتا ہے۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ زکوۃ کے انکاری بھی تھے تو کیا وہ واجب القتل ہو گئے۔ان کے ہاتھوں سے تو کلمہ پڑھنے والے بھی نہیں بچے۔چونکہ کوئی خاص عہدہ نہیں ملا تھا ان کو نبوت کی طرف سے۔ان کے جرائم کو بھی اسلام کے سر نہ منڈھو کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے۔یہ ساری لڑائیاں لڑیں۔اسلام کا قانون نافذ کیا۔اسلام رائج کیا۔اب کیا کیا رائج کیا؟ وقت نہیں رہا میرے پاس ورنہ میں عرض کرتا۔(صلواۃ پڑھ لیں)۔

مساوی حقوق سب سے بڑی چیز ہوتی ہے۔اس دشمن کو فتح کرنا۔جس دشمن نے تیرہ سال تک اذیت دی ہو۔تین لڑائیاں لڑی ہوں اور پھر فاتحانہ انداز میں مکے میں داخل ہوا ہو۔ایک وقت تھا کہ ابوسفیان دس ہزار کی فوج مدینہ میں لے کر آیا۔ آٹھ ہجری کا سن تھا پیغمبر بھی دس ہزار کی فوج لے جاتے ہیں مکے میں' اور اس تعلیم سے لے کے جاتے ہیں کہ دیکھو کم سے کم نقصان ہونے پائے۔انسانوں کی جانیں تلف نہ ہونے پائیں۔اس شان سے جاتے ہیں۔دروازے بند کرلو کوئی نہیں مارے

گا۔ تلواریں دے دو کوئی نہیں مارے گا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان کے گھر داخل ہو جاؤ امان ہوگی۔ جو مسجد میں چلا جائے اُسے امان ہوگی۔ یہ اعلان مکے کی گلیوں میں ہو رہا تھا۔ کوئی یقین کرتا تھا تو کوئی یقین نہیں کرتا تھا۔ سب نے دروازے بند کیئے۔ جب سب سے اسلحہ لے لیا گیا تو حکم دیا کہ آؤ مسجد الحرام میں سارے اکٹھے ہو جاؤ۔ اب سب مسجد الحرام میں ہیں۔ جناب حکم دیتے ہیں بلال جاؤ اذان دو۔ بلال حبشی خانہ کعبہ کے اُوپر چڑھ کے کہتا ہے:

اَشھَدُ اَن لَّآ اِلَہَ اِلاَّ اللّٰہَ

اللہ اکبر کہتا ہے۔ رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ بیٹھے ہیں مسجد میں۔ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کاش ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بعض کہتے ہیں اچھا ہوا فلاں مر گیا ورنہ وہ بھی یہی دن دیکھتا۔ تاریخیں لکھتی ہیں کہ ابوسفیان کہتا ہے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیوں؟ اس واسطے کہ مجھے پتہ ہے کہ محمدؐ کے جاسوس اتنے ہیں کہ یہیں سے دیکھ کے بتا دیں گے کہ ابوسفیان کیا کہہ رہا ہے؟ وہ ریت کے ذرات سے ڈر رہا ہے۔ کنکریوں سے ڈر رہا ہے۔ پھر بھی جاسوسی کہتا ہے۔ یہ نہیں کہتا ہے کہ نبوت ہے' رسالت ہے۔ وہ کہتا ہے اس کے کتنے کارندے ہیں۔ میں چپ ہوں کچھ نہیں کہتا۔ اب منتظر ہیں لوگ کہ گردن زنی کا حکم ہوتا ہے۔ کس کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں پیغمبرؐ علیہ السلام خود فرماتے ہیں ظاہراً یہ بتاؤ میری پوری قوم۔ میرے ہمسائیو اب کیا معاملہ کروں تمہارے ساتھ؟ سب کہتے ہیں جو ایک بھائی بھائی سے کرتا ہے۔ آج بھائی نظر آ رہا ہے اس وقت پیغمبرؐ فرماتے ہیں۔

قَالَ لَا تَثرِیبَ عَلَیکُمُ الیَومَ یَغفِرُ اللّٰہُ لَکُم وَھُوَ اَرحَمُ الرّٰحِمِینَ ۝ (سورہ یوسف، آیت ۹۲)

''فرمایا پھر اب تم پر کوئی الزام نہیں۔ خدا تم کو بخش دے اور وہ

سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

وہی آیت ہے جو جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے پڑھی تھی۔فرماتے ہیں جاؤ اَنتَ طُلَقَا۔ جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔طلقا کے معنی ہیں چھوڑ دینا۔ لفظ طلاق اسی سے نکلا ہے۔ جاؤ جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔سارے خوش ہوگئے' چھوڑ دیئے گئے۔ معافی ہے سوائے چند آدمیوں کے کہ جو اتنے بڑے جرائم کے مرتکب تھے کہ جن کی معافی نہیں ہوسکتی تھی لیکن اکثر کو معافی پھر بھی مل گئی۔ جس میں جناب حمزہؓ کا قاتل بھی تھا۔ اس نے بھی بعد میں معافی مانگی۔ یہ عفو نمائندہ خدا کی عفویت ثابت کررہا ہے کہ اتنے گناہ کرنے کے بعد جب میں تمہارا نبی معاف کرسکتا ہوں تو آ گناہ سے توبہ کر' خدا بھی تجھے معاف کردے گا۔

میں نے عرض کیا تھا کل۔ آج کا دن ہے۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ میرے ذہن میں تھا تین چار شہید ایسے ہیں جن کا تذکرہ ان ایام میں ہونا چاہیے۔ جنہوں نے بڑی بہادری سے کام لیا۔ جن میں بچے بھی ہیں۔ کچھ جوان بھی ہیں۔ کچھ مسافر بھی ہیں۔

یہی جملہ جناب زینبؑ نے استعمال کیا تھا یزید کے سامنے۔ جب یزید تخت پر بیٹھا تکبر کررہا تھا شام میں۔تخت پر بیٹھا اِترا رہا تھا۔تو بی بی نے فرمایا تھا: یَا بنَ طُلَقَا۔ اے طلقا کے بیٹے تو بھی فخر کرتا ہے۔ اگر میرا بابا نہ ہوتا تو نہ تو مسلمان ہوتا' نہ اس کرسی پر بیٹھتا' نہ تیرا باپ دادا مسلمان ہوتا۔ جناب زینبؑ خاتون نے یہ جملہ وہاں استعمال کیا تھا۔

میرے بھائیو! ہماری روایات کے مطابق سات محرم الحرام کو آل محمدؐ پر پانی بند کردیا گیا اور پانی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی بندش غیر عقلی سمجھی جاتی ہے۔ کیا دیکھا ہے یہ نہر فرات ایسی چل رہی ہے جیسے سانپ چلتا ہے۔ اس سے حیوان پی

رہے ہیں، اس سے آپ بھی پی رہے ہیں تمہیں شرم نہیں آتی کہ آل محمدؐ کے بچے پیاسے ہیں۔ پیاس کا یہ عالم تھا کہ ہر شہید کی زبان سے آپ سنیں گے۔ عرض کرے گا مولاؑ ایک گھونٹ پانی کا مل جائے۔ عجیب عالم تھا۔ اسی دن ظاہراً شمر بھی آتا ہے۔ یہی فوج لے کے اپنا عہدہ لے کے آتا ہے۔ اُس کی حضرت عباسؑ سے رشتہ داری بنتی ہے ماں کے ذریعے سے، قبیلے کے لحاظ سے۔ وہاں سے امان لے کے آتا ہے۔ آواز دیتا ہے۔ کہاں ہیں میری بہن کے رشتے دار۔ چار بھائی تھے جناب عباسؑ کے۔ ام البنین کے بیٹے۔ جناب عباسؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امامؑ فرماتے ہیں اگرچہ فاسق ہے پھر بھی تیرے ساتھ نطق رحم رکھتا ہے۔ جاؤ اس کا سوال سنو کیا کہتا ہے۔ جناب عباسؑ آتے ہیں وہ کہتا ہے میں امان لایا ہوں عبیداللہ ابن زیاد سے تجھے امان ہے اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مل جاؤ تا کہ تمہارے جان و مال محفوظ ہوں۔

جناب عباسؑ نے عجب جملہ کہا: ''خدا تیری امان پر لعنت کرے''۔ یہ جملہ ماں کے دودھ کی تاثیر ہے۔

میرے قبلہ! یہ تربیت کا اثر ہے۔

عباسؑ کہتے ہیں ''میرے لئے تو امان ہے۔ فاطمہؑ کے بیٹےؑ کے لیے امان نہیں ہے''۔

خدا کی قسم! آپؑ کو عجب انصار ملے۔ عجب حامی ملے۔ ان کے بچے عجیب بچے تھے۔ ان کی عورتیں عجیب عورتیں تھیں۔ بچے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں حُسَینٌ اِمَامِی وَنِعمَ الاِمَامُ۔ اور اگر بوڑھا ہے بیٹھا کوفہ میں ہے۔ اگر اس کی یاد نہ ہو۔ اسّی (۸۰) سال کے قریب عمر کا ہے۔ حبیب ابن مظاہر نام ہے۔ معمولی شخص نہیں ہے۔ امامؑ کا دوست بھی ہے صحابی پیغمبرؐ بھی ہے۔

عزادارو! سینکڑوں کی تعداد میں آدمی حسینؑ کے ساتھ آرہے تھے اور ہر

منزل پر امامؑ ان سے کہہ رہے تھے۔ میں لڑنے نہیں جارہا ہوں۔ کوئی ملک فتح کرنے نہیں جارہا ہوں۔ کوئی مال غنیمت نہیں ملے گا۔ میں مرنے جارہا ہوں۔ میرا گھر لٹ جائے گا۔ میرے بچے ذبح ہوجائیں گے۔ ہمیں قبر نہیں ملے گی۔ ہمیں کفن نہیں ملے گا۔ جو میرے ساتھ ہوں گے ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا تم واپس چلے جاؤ۔ اور آخر میں صرف بہتر (۷۲) رہ گئے۔

کئی ہیں انہیں واپس کررہے ہیں اور ایک ہے اسے خط لکھ کر بلا رہے ہیں۔ حضرتؑ جب نرغۂ اعداء میں گھر جاتے ہیں تو اپنے بچپن کے دوست کو خط لکھتے ہیں کوفہ میں قاصد جاتا ہے دق الباب کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے کون؟

جواب دیتا ہے اَنَا رَسُولُ الحُسَینؑ ۔ ''میں حسینؑ کا قاصد ہوں''۔

خط پڑھتا ہے امام حسینؑ کے یہ جملے ہیں۔ بعض کتابوں میں مِنْ حُسَینِ ابنِ الفَاطِمَۃؑ ۔ حسینؑ نے معلوم نہیں بی بی فاطمہؑ کا کیوں نام لیا۔ فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ بلا رہا ہے تجھے اپنے پاس۔ اپنی جان سے دریغ نہ کرنا۔ میں مختصر کرتا ہوں وقت نہیں ہے۔

حبیب یہ پڑھ کر دم بخود ہوجاتا ہے۔ بیوی پوچھتی ہے یہ خط کس کا ہے؟ کہنے لگا حسینؑ کا خط ہے مجھے بلایا ہے اپنے پاس۔ تیرا کیا خیال ہے۔ بیوی کا امتحان لینا چاہا۔ کہنے لگا ہمیں کیا ہے۔ دو بادشاہ لڑرہے ہیں کہنے لگی عجیب ہے تو' حیف ہے حبیبؓ تیری فہم اور عقل پر جس کو پیغمبرؐ کہے وَاَنَا مِنَ الحُسَینؑ وہ بلاتا رہے!

بعض کتابوں میں آتا ہے کہ وہ کہتی ہے اگر تو نہیں جاتا تو پھر عمامہ مجھے دے میں جاؤں گی۔ میں جا کے مدد کروں گی۔ میں ان کی حمایت کروں گی۔ کہنے لگا گھبرا نہیں ضرور جاؤں گا مدد کے لیے۔

یہ غلام کو گھوڑا دیتا ہے۔ اس کی زمین تھی کوفے کے باہر کہتا ہے وہاں چلے جاؤ۔ رات کو سفر کرتا تھا۔ دن کو بیٹھ جاتا تھا۔ غلام گھوڑے کو گھاس کھلا رہا ہے۔ وعدہ کے مطابق دیر ہو جاتی ہے۔ گھوڑا گھاس کھا رہا ہے۔ کبھی سر اوپر اٹھاتا ہے۔ صاحب معالی السبطین نے روایت کی ہے۔ یہ لفظ لکھے ہیں یہ غلام اس کے سر پر ہاتھ بھی پھیرتا ہے۔ لیکن گھوڑا گھبرایا ہوا ہے۔ غلام کہتا ہے کہ اگر تیرا مالک نہ آیا تو میں سوار ہو کے حسینؑ کی مدد کو جاؤں گا۔ یہاں صاحب معالی السبطین لکھتے ہیں کہ جب غلام نے یہ جملہ کہا تو گھوڑے نے کھانا چھوڑ دیا اور اپنا منہ اوپر کیا اور اب اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حبیبؓ قریب پہنچ چکا تھا۔ رات کا وقت تھا اپنا ہاتھ ہاتھ پر مارتا ہے یہ عرب میں افسوس کا اشارہ ہوتا ہے۔ کہتا ہے یا بن رسول اللہ! تو کتنا غریب ہو گیا کہ آج غلام بھی تمنا کرتے ہیں۔ آتا ہے اور غلام کو کہتا ہے جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ وہ کہتا ہے کہاں جاؤں اگر مجھے اپنے ساتھ سوار کرنے میں بخل ہے تو میں پیدل چلتا جاؤں گا۔ مجھے وہاں لے جا جہاں تو جا رہا ہے۔ تجھے قسم ہے رسولؐ کی۔ اِدھر یہ کیفیت ہے کہ امام حسینؑ نے اپنا لشکر ترتیب دیا ہے۔ بارہ علم آپؑ نے بنائے ہیں گیارہ علم دے دئے ہیں بارھواں باقی ہے۔ صحابی کہتے ہیں حضورؑ یہ بھی کسی کو دے دیجئے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں انتظار ہے ایک آنے والے کا' آئے گا ضرور۔

شب عاشور کو جب امامؑ خیام کا ملاحظہ فرما رہے ہیں حبیبؓ ساتھ ہے کہ آپ خیمۂ جناب زینبؑ میں جاتے ہیں۔ حبیبؓ باہر کھڑا ہے کہ بی بی نے پوچھا: ''آیا آپ نے ساتھیوں کو آزمالیا ہے؟ بس یہ سننا تھا کہ حبیبؓ نے پکارنا شروع کیا:

اے زہیر ابن قین! اے مسلم ابن عوسجہ! آؤ بی بی کو یقین نہیں ہے۔ سب باہر سے آواز دیتے ہیں: اے علیؑ کی بیٹی حکم تو دے اور دیکھ کہ ہم اپنی گردنوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ لیتے ہیں۔ بس ختم کرتا ہوں۔ روز عاشور داد شجاعت دیتا ہے اور

جام شہادت نوش کرتا ہے۔ جان لبوں پر ہے۔ نواسۂ رسول میرا سلام ہو کہ میں جا رہا ہوں دوسرے بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں لیکن یہی کہتا جاتا ہے اے ساتھیو! میں تمہیں اپنے امامؑ کی حفاظت کی وصیت کرتا ہوں۔

جناب حبیبؓ خاندان بنی اسد سے تھے اور یہ بنی اسد وہ جنہوں نے سید الشہداءؑ کو دفن کیا تھا۔ اب بھی ہر سال اسی طرح تین محرم کو آتے ہیں اور جب صحن میں آ کر مٹی ڈال کے مولاؑ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں تو ان کا شیخ آتا ہے حرم میں حبیبؓ کی ضریح پر اور ضریح پکڑ کے کہتا ہے حبیبؓ ہم تیرے شکرگزار ہیں کہ تو نے قیامت تک ہماری آبرو رکھ لی۔

اَلا لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلَی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر و نشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنِّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

OOO

مجلس ہشتم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یَومَ نَدعُوا کُلَّ اناسٍ بِاَمَامِهِم فَمَن اُوتِی کِتبَهٗ بِیَمِینِهٖ
فَاُولٰئِکَ یَقرءُ ونَ کِتبَهُم وَلَا یُظلَمُونَ فَتِیلاً ٥

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۱)

''جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے، پس جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ تو اپنے نامہ اعمال کو (خوشی خوشی) پڑھیں گے اور ان کو ایک سوت برابر بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا''۔

معزز حاضرین! جیسا کہ میں روزانہ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں معاد کے متعلق کچھ عرض کر رہا ہوں۔ آج بھی معاد ہی کے متعلق عرض کروں گا۔ عنوان کے طور پر آیت امامت تلاوت کی ہے، ایک خاص مطلب کو بتلانے کے لیے کہ ہم امامت کو کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ اس تھوڑے سے وقت میں کچھ نہ کچھ اس مسئلہ کو بھی واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

دیکھئے! ہمارے مذہب شیعہ میں۔ مذہب شیعہ ہمیں مجبوراً تعبیر کرنا پڑتا ہے کیونکہ مسلمانوں کے (جو اسلام کو مانتے ہیں) دو بڑے گروہ ہیں' جو کہ معروف ہیں۔ چھوٹے چھوٹے یا تو وہ ختم ہو چکے ہیں یا ہیں تو ان کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ انہی کے اختلافات کو مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ جو اختلاف ہو چکا ہے وہ رہے گا۔ اور کچھ امید نہیں کہ یہ اختلاف ختم ہو جائے۔ تو یہ اصل میں اختلاف کس بات میں ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد نبوت اور دین و شریعت کا محافظ پیغمبرؐ کسے بنا کر گئے ہیں۔

اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ اپنے دین اور شریعت کا محافظ اللہ کے حکم سے حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ فرزندوں کو بنا کر گئے ہیں ۔ یہ عقیدہ رکھنے والے حضرات کو ہم شیعہ کہتے ہیں عام اصطلاح میں۔

جب آپ پڑھیں گے تو وہاں امامیہ کہا جاتا ہے۔ یہ فقہ جعفری یا مذہب جعفری کتابوں میں زیادہ معروف نہیں ہے۔ جب کتابیں آپ مطالعہ فرمائیں گے تو ان میں یہی لکھا ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ اور دوسرے غیر امامیہ جب تعبیر کرتے ہیں تو دوسروں کو عام مسلمان کہتے ہیں یا انہیں لفظ مخالف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان جو فرق ہے وہ امامت کا ہے۔ باقی تین اصولِ دین میں ہمارا اتفاق ہے یعنی باہم مشترک ہیں' توحید' نبوت اور قیامت۔ اسی قیامت کے لفظ کو معاد کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ دین اسلام کے تین ارکان ہیں تو مراد وہ اصول ہوتے ہیں جو ان میں بھی پائے جاتے ہیں اور ہم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو مشترک ہیں جنہیں وہ بھی مانتے ہیں اور ہم بھی مانتے ہیں۔ لیکن جب اصول دین بتاتے ہیں تو ہم یہ بتاتے ہیں کہ ہمارا مسلمان بھائیوں سے کس چیز میں امتیاز ہے۔

شیعہ جو اصول مانتے ہیں وہ پانچ ہیں۔ ایک توحید لیکن توحید کے ساتھ یہ اللہ کی صفت ہے جسے ہم عدل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ عدل اور امامت ان میں نہیں ہیں۔ پھر آتی ہے قیامت۔ تین چیزوں میں ہم مشترک ہیں اور دو میں ہمارا ان سے امتیاز ہے۔

اسی واسطے بعض علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اصول دین تین ہیں۔ ان کی مراد وہی اصول دین ہیں جو ہم میں اور ان میں مشترک ہیں۔ پھر نیچے لکھ دیتے ہیں اصول مذہب پانچ ہیں توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت۔ میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہم توحید اور نبوت اور معاد یا قیامت میں سارے مسلمان باہم مشترک ہیں۔ وہ بھی توحید کو مانتے ہیں ہم بھی مانتے ہیں۔ وہ بھی نبوت کو مانتے ہیں ہم بھی مانتے ہیں۔ وہ بھی قیامت کے قائل ہیں اور ہم بھی۔ البتہ ہر ایک کی خصوصیات میں ذرا فرق ہے۔ میں فلسفیانہ لحاظ سے خصوصیات میں نہیں جاتا۔

توحید میں ہمارا اور ان کا بڑا فرق ہے۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ذات ہے جو آنکھوں سے (ان مادی آنکھوں سے) دکھائی نہیں دیتی۔ اس دنیا میں نہ اُس دنیا میں، کسی حالت میں بھی وہ دیدنی شئے ہی نہیں ہے۔ وہ دکھائی دینے والی ذات ہی نہیں ہے۔ لیکن ہمارے دوسرے بھائیوں میں یہ تصور موجود ہے کہ اس دنیا میں تو ہم نہیں دیکھ سکتے البتہ اس دنیا میں دیکھیں گے۔ وہاں اللہ تعالیٰ ایک بڑی سی کرسی پر بیٹھا ہوگا۔ کرسی چیں چیں کرتی ہوگی، سب دنیا اس کا دیدار کرے گی۔ بہر حال توحید ہمارے اور اُن کے درمیان مشترک ہے۔

اسی طرح جب نبوت پر آئیں گے تو نبوت میں بھی ہمارا اور اُن کا فرق ہے۔ اصل میں نبوت میں ہم شریک ہیں لیکن خصوصیات نبوت میں ہمارا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نبوت ایسا منصب ہے، ایسا عہدہ ہے یا نبوت ایسی ڈیوٹی ہے

جو اللہ تعالیٰ ہی معین کرتا ہے اور جسے دیتا ہے اسے پیدائش کے وقت سے یہ عہدہ عطا ہوتا ہے۔ ایسا زمانہ نہیں آتا کہ نبی کا وجود تو ہو عہدہ اس کے پاس نہ ہو۔ ڈیوٹی اس کے پاس نہ ہو' منصب اس کے پاس نہ ہو' ایسا نہیں ہوسکتا۔ منصب بچپن میں بھی موجود ہے' گہوارے میں بھی موجود ہے۔ عہدہ اس کا وہی ہوتا ہے لیکن اس کے مقام عمل میں فرق ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ کو حکم ہوتا ہے کہ تم نے فلاں دن کے بعد اس حکم کا نفاذ کرنا ہے۔ اس کی فلاں موقع پر تبلیغ کرنی ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب الہام میں حکم ہوتا ہے یہ عہدہ بھی اس وقت ملتا ہے۔ اسی وقت یہ نبی نبی بنتا ہے۔ اس سے پہلے نبی نہیں ہوتا ہے۔ البتہ پہلی زندگی میں اگر کوئی خلاف اسلام حرکت کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر انتہائی زندگی تک' کسی حالت میں پیغمبر اللہ کی معصیت نہیں کرتا نہ اپنی نبوت کے احکام میں معصیت کرتا ہے اور نہ سابقہ پیغمبروں کے احکام میں معصیت کرتا ہے۔ وہ معصوم ہے جس سے خطا نہیں ہوتی۔ اُس سے سہو نہیں ہوتا۔ اس کی عقل خراب نہیں ہوتی۔ صحت کی حالت میں اور بیماری کی حالت میں وہ نبی نبی ہی رہتا ہے۔ کوئی ایسی شکل طاری نہیں ہوتی کہ بھول جائے۔ اسے یاد نہ رہے۔ یہ عام انسانی صفات ہیں جو نبی میں نہیں ہوتیں۔ لیکن ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ نبی بھول بھی سکتا ہے اسے ہذیان بھی ہوسکتا ہے۔ بعض حالات میں تو نبی ہوتا ہے مگر دوسری حالت میں نبی نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اب آتے ہیں قیامت پر۔ تو قیامت میں بھی اصل کے لحاظ سے ہمارے ہاں اور ان کے ہاں بہت فرق ہے۔ میں آپ کو پھر عرض کروں گا کہ یہ اصول' اصول کیوں کہلاتے ہیں؟ اصل کے معنی ہیں عربی زبان میں جڑ۔ درخت کی

جڑ کے ہیں۔ مکان کی ایک بنیاد ہوتی ہے' اسے عربی زبان میں اصل کہا جاتا ہے۔ جس پر عمارت کھڑی ہو اسے عربی زبان میں اصل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصل جس بنیاد پر عمارت کھڑی ہو یا جس پر درخت کا تنا یا وجود کھڑا ہو اسے کہتے ہیں۔ یہ جو اصول عقائد ہیں یہ دین اسلام کی جڑیں ہیں' یہ اساس ہیں۔ اگر اصل ہی کا معتقد نہ ہو تو اس کے سامنے شاخیں نہیں پھوٹ سکتیں۔ اس کے پتے نہیں بن سکتے' پھل نہیں آ سکتے۔ اگر جڑ ہوگی اس سے آپ توقع رکھیں نماز پڑھنے کی۔ اگر جڑ ہوگی تو اس سے آپ روزہ' حج' زکوٰۃ یا اخلاقیات کے اصولوں کی پابندی کرتے ہیں مثلاً سچ بولو' وعدے کی خلاف ورزی نہ کرو' جھوٹ نہ بولو' دیانت دار بنو' رشوت نہ کھاؤ یہ جتنے عملی کام ہیں ان عملی کاموں کی بنیاد عقائد ہیں۔ یہ عملی کام ہیں بتانے کے لیے کہ یہ شخص معتقد ہے اور یہ کام کر رہا ہے۔ اسی لئے انہیں اصول کہتے ہیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ زور قرآن اور پیغمبر اس بات پر دیتے رہے کہ توحید کو مانو۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی چیز ہے توحید کہ اگر کوئی اس کا معتقد نہ ہو تو اُسے نماز پڑھنے' روزہ رکھنے وغیرہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ دل میں اس کے قانون کا احترام اس کے مقام سے پیدا ہوگا۔

جب قانون نافذ کرنے والے کے متعلق یقین ہو کہ یہ اسی کی طرف سے لایا ہے جو اس کا خدا ہے۔ اور میرا بھی خدا ہے تو پھر یقیناً خدا کو مانے گا۔

لہٰذا دیکھئے۔ میرے قبلہ! مسلمان قانون اسلام پر عمل تو شاید نہ کرے لیکن کبھی یہ جرأت پیدا نہیں ہوگی کہ وہ کہے اس قانون کو اسلام سے نکال دو۔ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ کبھی نہیں کہے گا ممکن ہے نماز نہ پڑھے۔ روزہ نہ رکھے۔ حج نہ کرے۔ زکوٰۃ بھی نہ دے۔ خمس بھی نہ دے۔ لیکن یہ کہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں رہی' اسے نکال دو۔ حج کی ضرورت نہیں رہی اسے نکال دو۔ چونکہ جانتا

ہے کہ جو قانون لایا ہے وہ قابلِ عمل ہے۔ ترمیم کرنے کا حق اسے ہی حاصل ہے جو لایا ہے۔ وہی ترمیم کرسکتا ہے اور آپ دیکھ لیجئے کہ جس قانون کو روز بدلا جارہا ہے خواہ ہمارے ملک کا ہو' انڈیا کا ہو یا کسی دوسرے ملک کا ہو تو گویا اس نے دل سے قانون کو مانا ہی نہیں۔ وہ معتقد ہی نہیں ہے کہ یہ قانون صحیح ہے۔ یہ تب تک اسے مانتا ہے جب تک اس کی اپنی حیثیت صحیح رہے۔ میں بھی اخبارات کا مطالعہ کرتا ہوں۔ جب تک قانونی حیثیت سالم قانون صحیح بدلنے کا موقع کب آیا؟ وہاں بدلنے کی کوشش کرے گا جہاں قانونی حیثیت باقی نہ رہے گی۔ یہیں ترمیم کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ میں پوچھتا ہوں آپ سے کہ آٹھ سال پہلے کیوں نہیں اس قانون میں تبدیلی کی ضرورت پڑی؟ آج ہمارے ملک میں قانون مین ترمیم ہورہی ہے۔ پہلے کیوں نہیں ہوئی؟ آج اس لئے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ آج اگر اس میں ترمیم نہ کی گئی تو میں نہیں رہ سکوں گا۔ اب میرے لئے ضروری ہے کہ اس میں ترمیم کی جائے۔

میں کہوں گا۔ میرے قبلہ! یہی فرق ہوتا ہے اسلامی قانون کے ماننے والے میں اور نہ ماننے والے میں۔ مسلمان انسانی قانون مان تو لے گا' عمل نہیں کرے گا۔ لیکن خدا کا قانون ماننے والا کبھی یہ نہیں کہے گا کہ یہ قانون اب غلط ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ انگریز نے ہمارے ذہن میں بالکل دوسرا قانون بٹھا دیا ہے۔ باوجودیکہ سو سال سے انگریزی قانون چل رہا ہے لیکن آج بھی اس کا وہی درجہ ہے کہ یہ قانون اسلامی نہیں ہے۔ آج بھی وہی اسلامی قانون صحیح ہے جو ہزار سال پہلے آیا تھا۔ یہ فرق ہوتا ہے اسلامی قانون کے ماننے کا۔

اہل علم حضرات! اگر ذرا غور فرمائیں تو میں ایک چیز ذہن میں ترتیب دے رہا ہوں موجودہ صورتِ حال کے لیے۔

حضرت علی علیہ السلام کو جو یہ کہا گیا کہ ہم آپ کو ظاہری خلیفہ بناتے ہیں چھ آدمیوں میں سے۔ میرے قبلہ یہ چیزیں تاریخ میں موجود ہیں۔ یہ ہماری نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے لیے حضرت عمر نے چھ آدمی معین کردیئے کہ ان کو حق ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کریں۔ مدینے والوں کا نہیں۔ پوری زمین کا جو زندہ ہیں ان کا بھی اور جو بعد میں قیامت تک آنے والے ہیں ان کے لئے بھی۔ میرے بعد وہ پیغمبرؐ کا خلیفہ معین کرلیں۔ بات یوں بھی ہوسکتی میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ ان صاحب کو کس قانون کی رو سے یہ حق حاصل تھا؟ آپ کو قرآن نے یا نبیؐ کی کسی حدیث نے یہ حق دیا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کے لیے چھ آدمی اور یہی چھ معین کرلیں؟ اور قیامت تک کے لیے معین کرلیں اور یہ کس نے فتویٰ دیا کہ اگر کسی دور کا مسلمان انہیں نہ مانے تو وہ مسلمان نہ رہے۔ یہ حق آپ کو کس نے دیا ہے حتمی طور پر۔

وکلاء حضرات متوجہ ہوں۔ میں ایک دعوت دیتا ہوں کہ کون سا قانون حق دیتا ہے کہ ایک آدمی پوری روئے زمین کے انسانوں کی تقدیر کا مالک بن جائے۔ آج یہی ہے نا میرے قبلہ! کہ اگر ہم حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کو نہیں مانتے تو ہمارے مسلمان بھائی کیا نہیں کہیں گے کہ شیعہ کافر ہوگئے؟ چونکہ صحابہ کو نہیں مانتے۔ یہ فکر کس نے دی ہے۔ یہ فکر حضرت عمر نے دی ہے۔ چھ آدمیوں کو معین کیا کہ تم پوری دنیا کی انسانیت کی تقدیر کے مالک ہو۔ ان کا خلیفہ بنادو۔ اگر کسی نے نہ مانا تو وہ کافر ہوجائے گا، جہنمی ہوجائے گا۔

آج بھی میرے قبلہ! آٹھ کروڑ (یا کتنے کروڑ، میں نہیں کہہ سکتا) نے ووٹ دے کر ایک مجلس شوریٰ جس کے ارکان کی تعداد تین سو ہے۔ یہ بھی کسی کو ووٹ کا حق دیتے ہیں۔ اس میں مخالف کو اتنی گنجائش ہے کہ اسے کافر کوئی نہیں کہتا۔ مخالف کے

لیے آزادی ہے جو چاہے وزیراعظم کو ووٹ نہ دے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وزیراعظم جو کھڑا ہے میں اسے نہیں مانتا۔ کیا آپ کہیں گے کہ اس نے بغاوت کی ہے۔ اسے کہیں گے کہ یہ ملک کا دشمن ہے۔ اب یہ پاکستانی ہی نہیں رہا۔ اس کی پاکستانی شہریت ہی ختم کردی جائے۔ آج بھی یہ قانون نہیں ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اگر ہزار سال کے بعد کا کوئی انسان ہزار سال پہلے کے بنائے ہوئے کسی شخص کو اگر رسولؐ کا خلیفہ نہ مانے تو اس کی مسلمانیت ختم ہو جاتی ہے، مجھے سمجھ نہیں آتی۔ میں ابھی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ شوریٰ ختم ہوتی ہے قومی اسمبلی بنتی ہے کیا اس میں حزب اختلاف نہیں ہے۔ تم ان پر کیا فتویٰ دو گے؟

چھ آدمی بن گئے ایک کابینہ، انہوں نے حضرت علیؑ کو بلایا۔ کہا کہ ہم تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ سیرت شیخین پر عمل کرو۔ سیرت شیخین کے معنی پتہ ہے کیا ہیں؟ یہی کہ آٹھویں ترمیم مانو گے۔ (نعرۂ حیدری!)

اس ترمیم کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ جس دن مارشل لاء ہٹے اور جس دن سے لگا ہے اس کے دوران جو کچھ ہوا ہے اسے صحیح مانا جائے۔ یہی چیز حضرت علی علیہ السلام سے منوانی تھی کہ ابتدائے خلافت سے لے کر اس وقت تک جتنے کام ہو چکے ہیں انہیں چیلنج نہ کرو، انہیں مت چھیڑو۔ انہیں صحیح سمجھو۔ انہیں اسلامی سمجھو۔ ہم مان لیتے ہیں۔ حضرت علیؑ کیا فرماتے ہیں؟ گویا میں وہ چیز صحیح مانوں جو کہ اسلام کے قانون میں صحیح نہیں ہے۔ یہ غلط نظریہ کس نے دیا؟ فلاں، فلاں، فلاں نے دیا۔ ہم کس کس کے خلاف ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر لیکن اسلام کے قانون میں ترمیم کر کے کہتے ہو کہ میں اسے بھی مان لوں۔ اس کے ماننے کے معنی یہ ہیں کہ میں اسے خدا کا ہم پلہ قرار دے دوں۔ خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ متعہ جائز ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ

عَلَیکُم وَاُحِلَّ لَکُم مَّا وَرَاءَ ذَالِکُم اَن تَبتَغُوا بِاَموَالِکُم مُّحصِنِینَ غَیرَ مُسٰفِحِینَ فَمَا استَمتَعتُم بِہٖ مِنھُنَّ فَاٰتُوھُنَّ اُجُورَھُنَّ فَرِیضَۃً وَّلَا جُنَاحَ عَلَیکُم فِیمَا تَرٰضَیتُم بِہٖ مِن بَعدِ لفَرِیضَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیمًا حَکِیمًاo

(سورۃ النساء، آیت ۲۴)

''اور شوہر دار عورتیں سوائے اُن کے جو تمہاری ملکیت ہو جائیں (یہ حرام ہونا) خدا نے تمہارے ذمہ لکھ دیا اور اس کے سوا تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں کہ تم اپنا مال خرچ کر کے یا پاکدامنی کے تحفظ کے لیے نہ کہ بغرض بدکاری ان کی خواستگاری کرو۔ پھر ان میں سے جن سے تم متعہ کرلو تو مقرر کیا ہوا مہر ان کو دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد آپس میں اگر تم کچھ کمی بیشی پر راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ بیشک اللہ، صاحب علم وحکمت ہے''۔

ان دونوں میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ متعہ حرام ہے۔ اگر میں اُس کی بات مانوں تو معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کی اس صریح آیت مجیدہ کو خدا کا حکم ہی نہ مانوں۔ اور اللہ کی ذات اس آیت کے آخر میں فرما رہی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیمًا حَکِیمًا

''بیشک اللہ، صاحب علم وحکمت والا ہے''۔

تو گویا اللہ کی جگہ اسے صاحب علم وحکمت مان لوں چونکہ اس کے ہاتھ میں حکومت آ گئی اور وہ زیادہ سیانا ہو گیا تھا۔ اس کا حکم ماننے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا نمائندہ اسے قرار دوں۔ کچھ مدت کے لیے خدا کا قانون صحیح تھا اور کچھ مدت کے لیے

اس کا قانون صحیح نہیں ہے۔ تو پھر میں مشرک بن جاؤں گا۔ اگر میں اسے مان لوں۔
(نعرۂ حیدری)

بڑی جرأت کے ساتھ صاحب کہہ رہے ہیں کہ یہ آئین صحیفہ آسمانی نہیں ہے؟ کہنا آسان ہے تھوڑا تفکر کرنا پڑے گا۔ یہ صحیفۂ آسمانی نہیں ہے تو اسے پھاڑ پھینکو۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس قانون کو مسلمانوں کا قانون کہنا صحیح نہیں ہے۔ عیب ہے اگر صحیفہ آسمانی نہیں ہے تو عیب دار ہے۔ مسلمان تو اسی قانون کو مانتا ہے جو صحیفہ آسمانی ہوتا ہے۔ مسلمان تو اسی روش پہ چلے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ نام نہاد مسلمان نہ چلے۔ لیکن یہ نہ کہے کہ غلط ہے۔ چونکہ اگر غلط کہے گا تو حقیقت میں پیغمبرؐ کی عصمت پر اعتراض کرے گا۔ پیغمبر علیہ السلام جو لائے تھے وہ الحمد للہ صحیفہ آسمانی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس میں کسی کا ترمیم نہ کرسکنا اور اس کی ایک آیت کے مقابلے میں ایک آیت بنا کر نہ لاسکنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ صحیفہ آسمانی ہے اور جس میں ترمیم کررہے ہو اس کی کیا حیثیت ہے تم بھی سمجھتے ہو؟

بہر حال صدر صاحب نے بیان دیا تھا اور وہ بالکل صحیح بیان دیا تھا کہ شیعہ سنی متحد ہیں۔ یہ کہتا ہے کہ شیعہ سنی متحد ہیں۔ میں کہتا ہوں متحد ہیں لیکن وہ اللہ کو کیسا مانتے ہیں، ہم کیسا مانتے ہیں۔ وہ نبی کو کیسا مانتے ہیں کہ وہ جو امت کو بے وارث ہی چھوڑ گیا تھا لیکن ہم نبیؐ کو ایسا نبی مانتے ہیں کہ جس نبیؐ کو اپنی پوری امت کی فکر تھی اور قیامت تک اس قانون کی حفاظت کے لیے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ نمائندوں کا اعلان کر کے گیا تھا جو کہ علیؑ اور اس کے گیارہ فرزند ہیں۔

اب میں قیامت کے متعلق تھوڑا سا عرض کروں گا۔ یہ سارے علمی مسئلے ہیں۔ قیامت کے معنی کیا ہیں؟ یہ پورا نظام جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جسے ظاہر کرنے کے لیے نظام شمسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نظام ہی ختم ہوجائے گا۔ یہ نظام

رہے گا ہی نہیں۔ نہ سورج ہوگا' نہ چاند' نہ زمین' نہ آسمان' نہ پہاڑ اور نہ کوئی اور چیز رہے گی۔اس کا نام ہے قیامت۔

قیامت آدمیوں کے مرجانے کا نام نہیں ہے۔ شاید کوئی یہ خیال کرے کہ انسان تو مرجائیں گے' مکانات باقی رہ جائیں گے۔ قیامت اس کا نام نہیں کہ اللہ کوئی بلا بھیجے گا جس سے زندہ رہنے والی ہر چیز ختم ہوجائے گی۔ انسان، حیوان، نباتات جتنے موجود ہیں ہر حرکت کرنے والی چیز ختم ہوجائے گی۔ قیامت زلزلے کا نام نہیں کہ زلزلہ آئے گا اور تمام چیزیں منہدم ہوجائیں گی۔اس کا نام ہے قیامت، اس کے بعد کیا ہوگا۔ قیامت کسی سیلاب کا نام نہیں ہے کہ سیلاب آئے گا اور روئے زمین پر ساری چیزوں کو پانی بہا کرلے جائے گا۔اس کا نام قیامت نہیں ہے۔

یہ جو ایک نظام چل رہا ہے۔قرآن کہتا ہے:

يَومَ تُبَدَّلَ الاَرضُ غَيرَ الاَرضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُو اللّٰهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ ○ (سورہ ابراهیم، آیت ۴۸)

"جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان دوسرے آسمان سے اور سب زبردست اور یکتا خدا کے حضور میں کھڑے ہوں گے"۔

تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ زمین ایسی زمین سے بدل دی جائے گی جس پر گناہ نہ کئے گئے ہوں اور جس پر نہ پہاڑ ہوں اور نہ نباتات۔ جیسا کہ ابتداء میں بنائی گئی تھی۔

قرآن کہتا ہے: یہ زمین نہیں رہے گی۔ ایسا عالم ہوجائے گا۔ تُبَدَّلَ الاَرضُ غَيرَ الاَرضِ یہ پورے کا پورا نظام ہی ختم ہوجائے گا۔

میں نے کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ ایک رسالے میں چند سال پہلے قیامت کے

متعلق ایک مضمون کسی نے لکھا تھا جس میں تھا کہ اِس وقت تک اس عالم میں پانچ کہکشائیں موجود ہیں۔ کہکشاں ایک نظام کا نام ہے جس میں کروڑ ہا ستارے ہوتے ہیں' جس میں لاکھوں چاند ہوتے ہیں۔ لاکھوں سورج ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ آج کی سائنس کہتی ہے۔ اِس کہکشاں میں کئی نظام ہیں۔ ستر لاکھ سورج ہیں اس نظام میں جس میں ہم رہتے ہیں۔ اور یہ اس زمین سے کئی گنا بڑے ہیں جس میں ہم بیٹھے ہیں۔ یہ ایک نظام ہے۔ دوسرا نظام جس میں کروڑ ہا چاند ہیں' کروڑ ھا سورج ہیں۔ یہ نظام جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں پانچ کہکشائیں ہیں۔ یہ نظام جب ختم ہو جائے گا اس کا نام قیامت ہے۔ قیامت اس پورے نظام کے ختم ہونے کا نام ہے۔

توجہ فرمائیں گے پڑھے لکھے سائنس کے طالب علم یا دوسرے طالب علم۔ انشاء اللہ خدا نے زندہ رکھا تو کل میں اس کے متعلق عندیہ دوں گا۔

اسلام سے پہلے ہزاروں سال یونان کے فلسفی مثلاً سقراط، ارسطو وغیرہ اس عالم کو قدیمی مانتے تھے۔ یہی عالم' یہ زمین ہے' سورج ہے' آسمان ہے' ستارے ہیں۔ اس وقت یہ تحقیق نہ تھی چونکہ ان کے پاس جدید آلات نہیں تھے۔ یہ آج کے آلات ہیں۔ میں نے ایک دوربین کے متعلق اخبار میں پڑھا ہے کہ بہت دور تک اشیاء کی دید ہوسکتی ہے۔ یہ تھا فلسفۂ یونان کا تصور۔ فلسفہ یونان میں عالم کبھی فنا نہیں ہوگا جبکہ قرآن کہہ رہا ہے:

يَوۡمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوثِ ٥ وَتَكُونُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوشِ ٥ (سورۃ القارعہ، آیت ۴-۵)

''وہ دن ہے جس دن آدمی ایسے ہو جائیں گے جیسے پھیلے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دُھنکی ہوئی اون''۔

مطلب یہ ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اگر ہم فلسفۂ یونان کے عہد میں ہوتے تو شاید ہم بھی مان جاتے۔ چونکہ ہمارا قرآن کچھ اور کہتا ہے اور تم فلسفی کچھ اور کہتے ہو۔ لہٰذا ہم قرآن کی باتیں مانیں گے تمہاری بات نہیں مانیں گے۔

لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ دور میں سائنس دان ہیں، فلسفی ہیں، ریاضی دان ہیں لیکن کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس عالم کو باقی مانتا ہو۔ اس وقت کہتے ہیں کہ عالم یہی زمین جس پر ہم زندگی گذار رہے ہیں ختم ہو جائے گی جس طرح سورہ الزلزال (۹۵) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَهَا ○ وَاَخرَجَتِ الاَرضُ اثقَالَهَا

''جب زمین بڑے زور سے ہلائی جائے اور زمین اپنے دفینے نکال دے''۔

جب زمین نہیں ہے تو پھر کہتے ہیں کہ یہ عالم ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آج قرآن کا فلسفہ یونانی فلسفی بھی مان گئے ہیں۔

قرآن کہہ رہا ہے:

تُبدَّلُ الاَرضُ غَیرَ الاَرضِ

''یہ زمین ختم ہو جائے گی''۔

اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت

''جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی''

وَاِذَا النُّجُومُ انکَدَرَت

''اور جب تاروں کی روشنی جاتی رہے گی''

وَاِذَا الجِبَالُ سُیِّرَت

''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''

وَاِذَا العِشَارُ عُطِّلَت

''اور جب گیابھن اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گے''

وَاِذَا الوُحُوشُ حُشِرَت

''اور جب جانور جمع کیے جائیں گے''

وَاِذَا البِحَارُ سُجِّرَت

''اور جب دریاؤں میں آگ لگ جائے گی''

پارہ نمبر تیس، سورہ مبارکہ التکویر کی ایک سے چھ آیتیں میں نے پڑھی ہیں۔ جس طرح ان آیات سے معلوم ہوتا ہے یہ دنیا' یہ عالم ختم ہونے والی چیز ہے۔ (صلواۃ پڑھیں)

کیسے پیدا ہوئی؟ یہ ہے فلسفے کا موضوع اور میں دو مثالیں دے کر آگے بڑھتا ہوں۔ آج میں آپ کو زیادہ زحمت نہیں دوں گا۔ چونکہ پہلی مجلس ہے ایسا نہ ہو کہ کل آپ آئیں ہی نہ قیامت کے ڈر سے۔

اسلام کا نظریہ ہے کہ:

هُوَ الاَوَّلُ وَالاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَئٍ عَلِيمٌ٥ هُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ فِى سِتَّةِ اَيَّامٍ

(الحدید، آیات ۳-۴)

''وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی غالب ہے اور وہی حقیقت سے آگاہ ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا''۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلكُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَمَا بَينَهُمَا يَخلُقُ مَا يَشَاءُ

وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (المائدہ ، آیت ۱۷)

''اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا اختیار خدا ہی کو ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر شئے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ کی ذات تھی کوئی چیز نہیں تھی۔ اللہ نے جب پیدا کیا ہے تو کسی کو مشیر نہیں بنایا۔ پیدا کرتے وقت وہ ذات تھی پیدا کرنے والی اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور تمام فلسفی یہ کہتے ہیں کہ یہ نظام جو چل رہا ہے اس وقت۔ توجہ فرمایئے! سارا نظام چل رہا ہے حرارت کی وجہ سے۔ حرارت یعنی گرمی۔ اگر گرمی ختم ہو جائے تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ یہ ستارے ختم ہو جائیں گے۔ حرارت (آگ) کون دے رہا ہے؟ توجہ فرمایئے گا! حرارت دے رہا ہے سورج۔ سورج کی آج عمر بتائی جا چکی ہے۔ کتنے سال ہو گئے ہیں اسے آئے ہوئے۔ یہ سورج نظام شمسی کا بوڑھا سیارہ ہے۔ چاند سے بوڑھا' مریخ سے بوڑھا، زحل سے بوڑھا، زمین سے بوڑھا یہ کون ہے؟ یہ سورج ہے۔ اس کی عمر کتنی ہے۔ پانچ سو ملیارد پانچ ملیون ملیارد سال اسے گذر گئے ہیں۔ اس نے اپنی عمر کا **3/4** حصہ ختم کر لیا ہے۔ **1/4** حصہ باقی ہے۔

اب یوں سمجھئے کہ ایک دیا جلائیں اگر اس میں چار گھنٹے کی طاقت ہے۔ اس میں تین گھنٹے ختم ہو گئے ہیں تو ایک گھنٹہ باقی ہے۔ یہ پورے تین حصے عمر کے گزار چکا ہے۔ ایک حصہ عمر کا اس کا باقی رہ گیا ہے۔ یعنی تین حصے اس کی گرمی ختم ہو چکی ہے ایک حصہ اس کی گرمی باقی رہ گئی ہے۔

جیسا کہ آج تحقیق ہو رہی ہے کہ دنیا میں تیل کتنے سال چلے گا۔ ہم بظاہر نہیں سمجھتے' کہتے ہیں کہ ایران کا تیل سو سال چلے گا۔ سعودی عرب کا ڈیڑھ سو سال چلے گا۔ پاکستان کی گیس کتنی چلے گی۔ سائنس والے عمر بتاتے ہیں۔ سورج کی عمر اگر چار

سال ہے تو اس کی گرمی ایک سال باقی رہ گئی ہے۔

توجہ! اس کی گرمی صرف ایک گھنٹہ باقی رکھنے والی ہے۔ تین حصے گرمی ختم ایک حصہ باقی رہ گئی ہے۔ جب یہ ایک حصہ گرمی ختم ہو جائے گی تو آگ لگ جائے گی اس عالم میں۔ جب گرمی نہیں رہے گی۔ زندگی تو گرمی سے ہے' تو زندگی تباہ ہو کے رہ جائے گی۔ عالم ختم ہو جائے گا' زمین ختم ہو جائے گی' سورج چاند سب ختم ہو کے رہ جائیں گے۔

یہی چیز اسلام کہتا ہے: اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ سورج ختم ہو جائے گا۔ وَاِذَا النُّجُومُ انکَدَرَت۔ یہ ستارے ختم ہو جائیں گے۔ یہ سارے کہ سارے سمندروں کا پانی بھاپ بن جائے گا۔ آج دنیا سوچ رہی ہے کہ اگر انرجی لینی ہے تو تیل ختم ہونے والا ہے۔ کچھ سورج سے انرجی لیتے ہیں۔ کچھ سوچ رہے ہیں کہ پانی کو گرمی میں بدلو۔ ایک زمانہ آئے گا کہ جس وقت پانی کو انرجی کے لئے استعمال کریں گے۔ جب پانی ہی نہیں رہے گا تو دنیا میں انرجی کہاں رہے گی۔ تمام عالم ختم ہو جائے گا۔ آج فلسفی یہ مانتا ہے کہ دنیا کی فومین اور نظام ختم ہونا ہے اور یقیناً ختم ہونا ہے۔

یہ نظام ختم ہو کے رہے گا اور جو نہیں کہتا وہ کسی جہالت کی دنیا میں رہتا ہے۔ یہ جو خدا کا قائل نہیں ہے۔ خدا کو جو بھی مانتا ہے' وہ بھی کہتا ہے کہ یہ عالم ختم ہونے والا ہے۔ اور ہمارا اسلام ہزار سال پہلے سے کہہ رہا ہے کہ یہ زمین آسمان' یہ چاند' یہ سورج' یہ نظام جب ختم ہوگا اس کا نام قیامت ہے۔ قیامت کسی اچانک زلزلے کا نام نہیں' صرف زمین کے ختم ہونے کا نام نہیں بلکہ یہ پورے کا پورا نظام ہی ختم ہو جائے گا۔ بنانے والے نے بنایا ہی اتنے دنوں کے لیے ہے۔ ایک دن ختم ہو جائے گا۔ اس کی جتنی دیر ضرورت سمجھی اُتنی دیر کے لیے بنایا ہے۔ (صلواۃ)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یہ زمین کیا ہے؟

حضرت فرماتے ہیں کہ تمہاری زمین پہلے اسی سورج کی طرح روشن تھی۔ ایسے نہ سمجھو کہ اس طرح روشن تھی جیسے چاند کی روشنی ہے۔ یہ سورج سے لے رہا ہے۔ تمہاری زمین ایک آگ کا گولہ تھی۔ پھر اس کی آگ بتدریج ٹھنڈی ہوتی گئی۔ جب ٹھنڈی پڑی نظام قدرت ہے کروڑوں سال میں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں سال میں زمین پانی سے زمین میں بدلتی رہی۔ اور آج اس کی علامتیں ہمارے موجودہ فلاسفہ یہی سائنس والے کہا کرتے ہیں یہ آگ کہاں سے پڑی ہے سمندر میں چونکہ اس میں کچھ مواد ایسا تھا۔ اور یہی چیز چاند میں بھی موجود تھی وہاں بھی ایسے ہی عناصر تھے۔

ارشاد رب العزت ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ – الخ (سورہ ھود، آیت ۷)

''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا''۔

قرآن کہہ رہا ہے کہ ایک طوفان ہے جس میں آسمان بنا اور ماہرین کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ان کہکشاؤں کے اوپر ایک پورا سمندر ہے کہ جس میں دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے۔ وہ پانی ہے دھواں ہے بھاپ ہے بلکہ اس دھوئیں سے بھی زیادہ شفاف ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ کیا ہے بجلی۔ بجلی جو وہاں پر کام کر رہی ہے وہ کروڑوں سال میں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہے اور وہ تمام چیزوں کو دھوئیں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اللہ نے اسی بجلی میں یہ طاقت رکھی ہے کہ جب وہ کڑکے گی کہ اس عالم کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔

یہ ہے اسلام کا تصورِ قیامت۔ میرے بھائیو! آج کی سائنس کا مطالعہ کرنے والو! یہ آج کی سائنس بھی کہتی ہے کہ زمین ختم ہونے والی ہے البتہ اتنی جلدی نہیں۔

آقائے فلسفی ایران کے عظیم الشان عالم دین اور بہترین خطیب ہیں۔ انہوں نے مجالس پڑھیں جو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر اُتاری گئی ہیں اور ایک کتاب کی شکل اختیار کرگئی ہیں۔ کتاب کا نام ''معاد'' ہے جو دو جلدوں میں چھپی ہے۔ اگر کوئی فارسی جانتا ہو تو موجودہ نظریات کے مطابق یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ایران کے اخبارات میں آیا تھا کہ ایک چیز آسمان سے اتر رہی ہے اگر وہ زمین پر آپڑی تو زمین کو تباہ کردے گی۔ سارے لوگوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ چیز جو آرہی ہے زمین پر آپڑی تو زمین ختم ہو جائے گی۔

آغا فلسفی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بہت بڑے آدمی نے ٹیلیفون کیا کہ یہ خبر اخباروں میں آگئی ہے جس سے میری لڑکی کی کیفیت یہ ہے کہ اسے کہیں دل کا دورہ نہ پڑ جائے۔ آپ اسے سمجھائیں کہ یہ چیز زمین کو ختم کرنے والی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ ٹیلیفون اسے دیں' میں اس سے بات کرتا ہوں۔ تو اس لڑکی نے مجھ سے کہا کہ یہ اخباروں میں آگیا ہے۔ سائنس دانوں نے کہا ہے' یہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔ سائنس دان دیکھ چکے ہیں کہ کوئی چیز آرہی ہے۔ میں نے کہا جو چیز آرہی ہے میں نے بھی پڑھ لیا آپ نے بھی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ آج رات نہیں آئے گی۔ اس لڑکی نے کہا کیسے؟ میں نے کہا کہ ہمارے پیغمبرؐ کا فرمان ہے کہ قیامت سے پہلے میرا ایک فرزند آئے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کردے گا۔ (نعرۂ حیدری!)

وہ ابھی تک نہیں آیا۔ جب نہیں آیا تو یہ زمین ابھی ختم نہیں ہوگی۔
کہنے لگی شاید وہ دمدار ستارہ ہو اور ہمیں تباہ کردے۔

میں نے کہا: نہیں! شیعوں کو تباہ نہیں کرے گا۔ (نعرۂ حیدری!)

میرے قبلہ! افسوس ہے کہ ہم امامت کے تصور اور نبوت کے تصور کو سمجھے ہی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے ذہن میں نبوت یہی حکومت ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ پورے نظام عالم کے کنٹرول کرنے والا نبیؐ ہوتا ہے اور اس کے بعد وصی ہوتا ہے اور جو اس کا جانشین اور امام ہوتا ہے۔ یہ پورے زمین و آسمان دس لاکھ ہوں یا دس کروڑ ہوں یہ امامؑ کی برکت سے باقی ہیں۔ اور انہی کی برکت سے زمین قائم ہے'

بِوُجُودِہٖ قَائِمَۃُ الاَرضِ وَالسَّمَآءِ- آپ کی روائتیں ہیں کہ وجود امام سے زمین و آسمان قائم ہے اور جب تک انسانیت کو رہبر کی ضرورت ہے تب تک یہ زمین باقی رہے گی' تب تک آسمان باقی رہے گا۔ ابھی بارھویں رہبر کی ضرورت ہے جو نہیں آیا ہے۔ دوڑیں وہ لوگ جن کا کوئی امام نہیں ہے۔ (نعرۂ حیدری!)

آج لوگ سوچ رہے ہیں کس کو خلیفہ بنائیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ کس کو خلیفہ بناؤ۔ ہم یہ سوچا کرتے ہیں کہ احکام پر عمل کرو۔ وہاں جا کے دیکھیں حکومت ایران یہ کبھی نہیں کہے گی کہ مجھے خلیفہ بناؤ۔ خلیفہ بناؤ یا' نہ بناؤ۔ وہ یہی کہے گا کہ میں نائب امام ہوں۔ مجھ میں نائب امام والے کی صفات موجود ہیں۔ میں تمہیں اپنے امامؑ کے احکام بتاؤں گا۔ اور امامؑ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کی پیشانی کسی یہودی اور انگریز کے سامنے نہیں جھکنی چاہیے۔ (نعرۂ حیدری!)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَـاَیُّھَـا الَّـذِیـنَ اٰمَـنُـوا تَتَّـخِذُوا الیَھُودَ وَالنَّصٰرٰی اَولِیَـاءُ بَـعضُھُم اَولِیَاءُ بَعضٍ وَمَن یَّتَوَلَّھُم مِّنکُم فَاِنَّہٗ مِنھُم اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھدِی القَومَ الظّٰلِمِینَ ○ (سورۃ المائدہ، آیت ۵۱)

''اے ایمان لانے والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ

ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں فرماتا''۔

کسی کافر کے سامنے ایک مسلمان کی پیشانی کبھی نہیں جھکتی۔ توحید کو ماننے والا ہو نبیؐ کی نبوت کو ماننے والا ہو اور ایسوں کے ساتھ بیٹھ کے کھانا کھائے جو اسلام کا دشمن ہو؟ آپ کسنجر کو دیکھ لیں کہ جو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ ہمیں آپ (مسلمان) نہ مانیں لیکن کم از کم اتنا تو مانیں کہ جتنا یہودی آج دشمن اسلام ہے اور کوئی نہیں ہے اور پہلے بھی یہی تھا۔ ہماری حکومتوں کی کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی مغربی آتا ہے تو اس کے استقبال کی زور شور سے تیاریاں ہوتی ہیں۔

لاہور میں دیکھا گیا ہے کہ برطانیہ کی ایک عورت جو دنیا میں فاحشہ مشہور ہے۔ شاید سیر کے لیے آئی تو مال روڈ پر جو درخت ہیں انہیں بھی ایل ڈی اے والے غسل دے رہے تھے۔ شاہی مسجد کے امام صاحب نے خصوصی انتظام کیا تھا اسے مسجد دکھانے کا۔ ہر سطح پر خوشامدیں ہو رہی تھیں۔ ''چٹی چمڑی'' دیکھتے ہی ان کا دھن پُر آب ہو جاتا ہے۔ اسے احساس کمتری کہوں یا قوانین شریعت اسلامیہ سے بے آگاہی۔

کافر، یہودی یا عیسائی سبھی اسی تعریف میں آتے ہیں۔ مسلمان اس سے مس ہو تو اس کا مس شدہ حصہ نجس ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارا مسلمان بھائی نے انہیں اہل کتاب کی رعایت دے دی جبکہ انہوں نے کتاب کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی مسلمان سربراہ مملکت آجائے تو اس کے ساتھ بس روایتی سا سلوک ہی کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' کا حق ادا کیا جا رہا ہے؟

پیغمبر علیہ السلام نے جتنی جنگیں اپنے نقشے بنا کر لڑی ہیں اور کسی نے نہیں لڑیں۔ معاف فرمائیے گا حتیٰ کہ کربلا کی جنگ بھی یہودیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔

آپ کو تعجب ہوگا۔ میں یونہی نہیں کہہ رہا۔ حضرت عمر کے قتل سے تین دن پہلے ایک آدمی اُس کے پاس آتا ہے' وہ یہودی آ کے کہتا ہے حضرت عمر کو' تین دن ہیں تیری زندگی کے کوئی وصیت وغیرہ کرلو۔ آپ دریافت کرتے ہیں تجھے کیسے پتہ ہے کہ تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ دوسرے دن آتا ہے' پھر آتا ہے اب دو دن باقی رہ گئے ہیں جو وصیت ہے کرلو۔ دو دن کے بعد پھر آتا ہے ایک دن باقی رہ گیا ہے کہاں سے پتہ چلا؟ یہ اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے پورا کنٹرول کر رکھا تھا اسلام پر۔ اور جتنے بنی قریظہ وغیرہ تھے یہ بھاگ کر کے ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ ساری کی ساری جنگ یزید کی ---اس کے معلم کون تھے؟ کون مسلمان تھا جو اس کا معلم تھا؟ وہ یہودی اور عیسائی تھے جنہوں نے اس کی تربیت کی۔ اب خود اندازہ لگاؤ اور سمجھو کہ یزید کی تربیت کا انتظام کس نے کیا تھا۔ بچوں کی تربیت کا انتظام تو باپ ہی کرتا ہے۔ اس نے آ کے یہ جنگ شروع کرائی ہے تا کہ اس نظام کو اگر ہم اس طریقے سے ختم نہیں کر سکے تو مسلمان کہلوانے والوں کی تلوار ہی سے ختم کر دیں۔ آج بھی یہی کوشش ہو رہی ہے۔ پورے عالم اسلام کے مسلمان کہلانے والے ممالک میں کوئی قانونِ اسلامی نہیں ہے۔ عملی طور پر اسلام ختم ہے۔ حکم پڑھ لینے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَن لَّم یَحکُم بِمَا اَنزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الکٰفِرُونَ ٥

(سورۃ المائدہ' آیت ۴۴)

''اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ نے نازل

کیا ہے وہی کافر ہیں''۔

پھر فرماتا ہے:

وَمَن لَّم یَحکُم بِمَا اَنزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ ○

(سورۃ المائدہ' آیت ۴۵)

''اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے۔ پس وہی لوگ ظالم ہیں''۔

پھر فرماتا ہے:

وَمَن لَّم یَحکُم بِمَا اَنزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الفَاسِقُونَ ○

(سورۃ المائدہ' آیت ۴۷)

''اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہی نافرمان ہیں''۔

آپ نے غور فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے حکم کے مطابق عمل نہیں کریں گے تین باتیں ان کے متعلق کہیں ہیں۔ کافر کہا گیا ہے' ظالم کہا گیا ہے' فاسق کہا گیا ہے۔

کیا یہ پورا عالم اسلام جسے اسلامی حکومتیں کہا جاتا ہے' اسلامک سٹیٹس کہا جاتا ہے۔ کچھ تو پوری پوری سطر میں نام لکھتے ہیں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ فلاں' کہیں ہے حکمِ الٰہی پر بھی عمل ہو رہا ہے۔ آج بھی یہودی سازش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔

یہ یہودی سازش کے تحت امام حسینؓ کے ساتھ جنگ کی گئی۔ اور وہ یزید یہودی ذہن رکھتا تھا۔ یہ یہودی ہی ہیں جو عورتوں اور بچوں کو گولی سے اڑا دیتے ہیں جبکہ مسلمان آج بھی اپنے آپ کو ان کی جھولی میں گرا رہا ہے' ان کی چاپلوسیاں کرتا ہے۔

میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں یہاں۔ میرے بھائیو! آپ سوچیں جنگ تھی امام حسینؑ کے ساتھ' جوانوں کے ساتھ۔ عورتوں اور بچوں کا کیا گناہ تھا؟ میں یہ نام لوں میری زبان جل جائے معاذ اللہ' زینبؑ کوئی عام عورت تھی کہ تم نے نیزے کے ساتھ اس کے سر سے چادر اُتاری۔ وہ مقام ہے جناب زینبؑ خاتون کا کہ انسان تصور نہیں کرسکتا۔ یہ اس ماں کی بیٹی ہے کہ بچوں کی ماں ہوتے ہوئے جب پیغمبر علیہ السلام کے پاس جاتی ہے تو باپ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی عظمت ہے ثانی زہراؑ کی۔ زینبؑ کوئی عام عورت تھی؟

روایت میں ہے کہ زینبؑ حسینؑ کو نہ دیکھتی تو بے چین ہو جاتی۔ آرام نہ آتا تھا۔ معمول تھا کہ علی الصبح سب سے پہلے مظلومؑ کی زیارت کو جاتیں۔ ایک دن جو گئی ہے نا تو دیکھا کہ سید الشہداءؑ قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ تھوڑا سا پشت پر ہی رک جاتی ہے۔ معصومؑ نے محسوس کیا کہ کوئی میری پشت کی طرف ہے۔ مڑ کے جو دیکھا تو زینبؑ خاتون کھڑی ہیں۔ قرآن کو وہیں رکھا اور سیدھے کھڑے ہو گئے حسینؑ۔ فرماتی ہیں بھائی آپ مجھ سے بڑے ہیں' امامؑ بھی ہیں اور مشغول بھی ہیں قرآن کی تلاوت میں' پھر کھڑے کیوں ہو گئے میری تعظیم کے لیے؟

عزادارو! عجب جملہ فرمایا ہے حسینؑ مظلوم نے۔

''اے زینبؑ اگر تو نہ ہوتی نہ حسینؑ باقی رہتا اور نہ قرآن''۔

دیکھا ہے کتنی بڑی عظمت کی مالک ہے زہراءؑ کی بیٹی۔

ہماری کتابوں میں موجود ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو جناب امامؑ حسینؑ علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے تو امام زمانؑ فرماتے ہیں:

اے میرے جد! جس وقت آپ هَل مِن نَاصِرٍ یَنصُرُنَا ''کوئی ہے میری مدد کرنے والا'' پکار رہے تھے۔ یا مولاؑ میں اس وقت موجود نہیں تھا اور آپ کی نصرت

نہیں کر سکا لیکن اب میں صبح بھی روتا ہوں شام کو بھی روتا ہوں۔

ایک بہت بڑے عالم نے کربلائے معلیٰ میں خواب میں امام زمانہؑ کو دیکھا۔ عرض کرتا ہے مولاؑ آپ کس مصیبت پر روتے ہیں؟

امامؑ سے وہ سوال کرنا چاہتا تھا کہ آیا اکبرؑ کی مصیبت پر یا حسینؑ کی مصیبت پر یا عباسؑ کی مصیبت پر۔

امامؑ زمان فرماتے ہیں نہ علی اکبرؑ کی مصیبت پر، نہ حسینؑ کی مصیبت پر، نہ عباسؑ کی مصیبت پر بلکہ جس مصیبت پر میں روتا ہوں اگر یہ بھی ہوتے تو میرے ساتھ روتے۔

پھر یہ عرض کرتا ہے تو وہ کون سی مصیبت ہے جس پر آپ گریہ کرتے ہیں؟ فرماتے ہیں کیا یہ کم مصیبت ہے کہ شام کے بازار میں زینبؑ ...... کیا یہ کم مصیبت ہے؟

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھ لیا جناب سیدہ زینبؑ کبریٰ کی عظمت کے متعلق۔ تو آپ فرماتے ہیں:

''شہدائے کرب و بلا کی بقا حسینؑ اور حسینؑ کی بقا زینبؑ''۔

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں جب ہم شام میں گئے ہیں تو ہمیں ایک رسی میں باندھا ہوا تھا۔ پہلے میں، پھر ام کلثومؑ، پھر دوسری مستورات۔ اس حالت میں دیکھ کر یزید سمجھا کہ میں غالب آ گیا ہوں۔ فاتح شام زینبؑ کو ابھی قید میں تین دن نہیں گزرے تھے کہ یزید کو کہنا پڑا کہ زینبؑ تم آزاد ہو۔ آپ فرماتی ہیں پہلے ایک مکان خالی کراؤ۔ میں نے کربلا سے شام تک اپنے بھائی کو نہیں رویا تا کہ اپنے بھائی کی عزاداری کروں۔ شام کی عورتیں آ رہی ہیں، ایک ہی مصیبت بار بار پڑھتی ہیں۔ روضہ خوان حضرت زینبؑ خود ہیں، مصیبت پڑھتی ہیں۔ ایک ہی فقرہ بار

بار کہتی ہیں۔ میں اس بھائی کی بہن ہوں جو تین دن تک پانی مانگتا رہا۔

اَلَا لَعنَۃُ اللّٰہ عَلٰی القَومِ الظّٰالِمِینَ وَسَیعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا
اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر ونشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنِّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

OOO

مجلس نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَفَحَسِبتُم اَنَّمَا خَلَقنٰکُم عَبَثًا وَّاَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُونَ ○

(سورہ المومنون، آیت ۱۱۵)

''کیا تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا اور یہ کہ ہمارے حضور میں پلٹ کر نہ آؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کیا تمہارا یہ گمان ہے اِنَّمَا خَلَقنٰکُم عَبَثًا ۔ کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے۔ جیسے بے غرض، بے فائدہ جس کا کوئی جواز نہ ہو۔ کیا ہم نے تمہیں ایسا پیدا کیا ہے؟ اور پھر یہ بھی تمہارا گمان ہے وَاَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُونَ کہ تم ہمارے پاس دوبارہ پلٹ کر نہیں آؤ گے۔ تمہارا رجوع ہمارے پاس کیا محال ہے؟ پھر ہمارے پاس نہیں آؤ گے۔ کیا یہ گمان کرتے ہو۔ یعنی تمہارے دونوں گمان غلط ہیں ۔ یہ گمان کرنا کہ ہم نے بے ہدف پیدا کیا ہے، بلا فائدہ پیدا کیا ہے۔ یہ بھی درست نہیں ہے۔ اور تمہارا دوسرا گمان کہ تم نے ہمارے پاس نہیں آنا۔ یہ بھی غلط ہے۔

عبث اس کے اگر آپ صحیح معنی دیکھیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں بچوں کا کھیل۔ اس کام کو عبث کہا جاتا ہے۔ یہ وہ کام جس کی کوئی عقلی غرض نہ ہو۔ جس کام کا نتیجہ عقلاء کے نزدیک عقلی نہ سمجھا جائے۔ اس کام کو عربی زبان میں عبث کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بچے ہیں۔ دیہات ہے وہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ آپ ریت کے چھوٹے چھوٹے مکان بنالیں۔ ہمارے دیہات میں یہی ہوتا ہے۔ صبح بنائیں گے شام کو گرا کے گھروں کو چلے جائیں گے۔ جس پر کوئی عقلی فائدہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ یہ عبث ہے۔ بچوں کا کھیل ہے۔ کھیل رہے ہیں بلکہ اگر کھیل کے لفظ کو عبث کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ کسی حد تک درست ہوگا۔ ایک ہوتا ہے ورزش کرنا۔ ایک ہوتا ہے اپنے جسم کو بنانا یعنی تن سازی جسم کی صحت کے لحاظ سے۔ لیکن جب کوئی غرض عقلی نہ ہو۔ کوئی ایک کرکٹ ٹیم آئی ہے ایک جگہ ہارگئی ہے۔ اب پھر اسے کھلاؤ دوبارہ ہارگئی ہے۔ وہ ہارگئی ہے اور کیا ہے۔ نہیں دوسری جگہ پھر کھیلو۔ تیسری جگہ وہی ہارگئی ہے۔ جیت جائے گی کیا فائدہ ہے۔ اس کی عقلی غرض کیا ہے؟ کیا پاکستان کا دفاع زیادہ مضبوط ہو جائے گا یا اقتصاد میں امریکہ سے مستغنی ہو جائے گا؟ اس کے قرض اُتر جائیں گے۔ تعلیم کے میدان میں اونچا ہو جائے گا۔ ہمیں بتاؤ؟ آپ چار پانچ دن تک کتنی مخلوق کو بے کار بٹھائے رکھتے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے کارآمد لوگ مثلاً صدر پاکستان، وزیراعظم، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تک بیٹھے ہوئے داد دے رہے ہیں یا پریشان ہو رہے ہیں۔ جن کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ دیکھنے والے کو کیا مل رہا ہے؟ اس کو کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ اتنا وقت ضائع کرنا ایک منٹ کی قیمت نہیں دی جاسکتی۔ اگر آپ عقلی لحاظ سے لگائیں تو دنیا و مافیہا یہ ایک منٹ دوبارہ واپس نہیں لاسکتی۔ اب ہم اسے عبث کہیں گے۔ کوئی چیز بنائی چھوڑ دی۔ پھر بنائی توڑ دی' یہ کھیل ہے۔

خدا یہ کہتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے۔ تمہاری پیدائش میں کوئی فائدہ نہیں ہے' کوئی غرض نہیں ہے۔ کوئی عقلی نتیجہ اس سے مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اگر تمہارا یہ گمان ہے تو یہ گمان غلط ہے۔ تو وہی انسان ہے۔ تیری پیدائش پر میں نے بڑے بڑے ملائکہ کو تیرے سامنے جھکایا ہے۔ تو کیا غیر معقول چیز تھی؟ مگر ملائکہ سجدہ کر رہے ہیں۔ عبث کام تھا تیری تخلیق؟ بلکہ تجھے سجدہ نہ کرنے والے کو میں نے شیطان بنادیا۔ اس کا نام تو شیطان نہیں تھا۔ (شیطان کا نام شیطان نہیں ہے۔ صرف آدم علیہ السلام کے سجدہ سے انکار کرنے پر وہ شیطان بن گیا) تو کیا سمجھتے ہو کہ ہم کسی کو اپنی بزم سے نکالتے ہیں تو کیا ایسے بلاوجہ ہی نکال دیتے ہیں۔ ہم نے تمہیں یونہی پیدا کیا ہے؟ اور تم یہ سمجھتے ہو کہ جہاں ہم نے بھیج دیا ہے وہیں رہو گے؟ ہمارے پاس پھر نہیں آؤ گے لیکن جیسے میں نے عرض کیا تھا وہیں سے چیز آئی تھی تو ہم انسان بنے تھے۔ عالی سے مراد یعنی جو ہماری سمجھ سے بالا ہو۔ ہم جس کو نہ سمجھیں اور وہ آجائے۔ ہم اسے عالی کہہ دیتے ہیں یعنی اوپر سے آئی ہے۔ ایک ایسے ملک سے آئی ہے جو ہمارے تصور میں نہیں آسکتا۔ پھر یہ وہیں چلی جائے گی۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ واپس نہیں کرنی؟ ہم اسے واپس نہیں لیں گے۔ دونوں چیزیں غلط ہیں۔ ہم واپس بھی لیں گے۔ تمہیں جو ہم نے انسان بنایا ہے' خلق کیا ہے تمہیں ہم ختم بھی کریں گے۔ واپس بھی لیں گے اور خلق کرنے میں ہماری کوئی نہ کوئی غرض بھی ہے۔ بغیر غرض کے ہم نے تمہاری خلقت میں بچوں والا کھیل نہیں کھیلا۔ یہ تو ہے ظاہری ترجمہ۔ (صلواۃ پڑھیں)

بزرگان اور میرے جوان بھائیو! میں نے عرض کیا تھا کہ انبیاء علیہم السلام جتنے آئے ہیں انہوں نے سب سے زیادہ زور دو چیزوں پر دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ خالق کو پہچانیں کہ جس نے ہمیں خلق کیا ہے۔ اسی کو خدا کہہ دیں اللہ کہہ دیں۔

پہچاننے کے معنی یہ ہیں کہ معتقد بنیں کہ کوئی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ میں خود بخود پیدا نہیں ہوگیا ہوں۔ اس کا معتقد ہو اس پر انبیاء نے زور دیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ انبیاء نے یہ بھی بتلایا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد پھر یہ پورے کا پورا عالم ختم ہو جائے گا۔ چونکہ پوری مدت اس دنیا میں بھیجنے کی معین کی ہے وہ ختم ہوگئی ہے۔

میرے بھائیو! اگر آپ اپنی عظمت دیکھنا چاہیں تو یہ عالم یہ دنیا اتنی وسعت کے بعد جس کے ذرے ذرے کی تحقیق کے آج کے فلسفے والے سرگرداں ہیں۔ بعض چیزوں کو انہوں نے کشف کیا ہے۔ بعض چیزوں کے کشف کرنے سے ابھی تک عاجز ہیں۔ سارا عالم انسان کے لیے ہے۔ معلوم ہوتا ہے انسان اتنا باعظمت ہے۔ اتنی بلند چیز ہے کہ پورا جہان اس کے لیے۔ جب اس کا وجود ختم ہوگیا تو زمین کی کیا ضرورت ہے؟ اب سورج کی کیا ضرورت ہے؟ اب ستاروں کی کیا ضرورت ہے؟ اب نور کی کیا ضرورت ہے؟ اب گرمی کی کیا ضرورت ہے؟ شعاعوں کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سارا کارخانہ تو تمہارے لئے اور جب تمہاری ڈیوٹی ہی ختم ہوگئی۔ جب تمہارا وظیفہ ہی ختم ہوگیا۔ تو اب کچھ صحیح انجام دو تو تمہاری مرضی نہ انجام دو تو تمہاری مرضی۔

بھئی جب ہمیں یہاں بھیجا گیا اور اب اٹھایا جا رہا ہے پورے عالم سے تو اب ہمیں زمین کی کیا ضرورت ہے؟ سورج کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ختم ہو جائیں گے۔ اسی کا نام قیامت ہے۔ اسی کا نام معاد ہے۔ پھر جب ختم ہو جائیں گے تو ایک اور دور شروع ہو جائے گا۔ (صلواۃ)

چونکہ ایک اور دور شروع ہونا ہے تو اب اس دور کے مطابق چیزیں بنائی جائیں گی۔ اب ایک اور زندگی شروع ہو جائے گی۔ یہ زندگی ختم۔ اس زندگی میں بچپن دیکھا۔ اس زندگی میں جوانی گزری۔ اس زندگی میں بڑھاپا آیا۔ اس زندگی میں بال سفید ہوں گے۔ دانت اُگے۔ اس زندگی میں بیماری آئی پھر صحت بھی ملی۔

اس زندگی سے ہم نے تمہیں ایک اور زندگی کی طرف لے جانا ہے۔ اس زندگی کو تم نہیں سمجھ سکے تو ہم پر اعتماد کرو کہ ایک وہ بھی جہان ہے جس میں تمہیں آنا ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

ہم نے صرف یہ کلمہ مُردوں کے لیے رکھا ہوا ہے کہ جب کوئی مرجائے تو ہم کہتے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون حالانکہ یہ ہمیں ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہم نے دوبارہ جانا ہے۔ اور جب دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ایک اور زندگی ہوگی۔ وہ زندگی بڑی باکمال زندگی ہے۔ اُسے انسان جب دیکھے گا تو متحیر ہو جائے گا۔ (صلواۃ پڑھیں)

اے انسان! آج سوچ کہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے زندہ تھا یا مردہ؟ زندہ تھا۔ تو نے اگر اس زندگی کو سمجھ لیا ہے۔ اگر اس زندگی کا راز نہیں سمجھا اور یہاں آکر کوشش کرتا ہے اسے سمجھنے کی۔ جب آپ ایک محدود دائرے سے نکل کر آیا ہے کہ اس غیر سے اس کی نسبت سے' ایک غیر محدود دائرے میں تو تو نے ہمارے مناظر دیکھ دیکھ کے بڑے بڑے سینے بنائے۔ مناظر سے ہی سینے بنائے ہیں نا۔ بہترین پہاڑ پر گئے۔ کوہ پیمائی کی۔ کس کے پہاڑ تھے یہ؟ کس کے مناظر تھے یہ؟ کس کی رضا والی زندگی تھی؟ میں نے تیرے لئے رکھی تھی تا کہ تو دیکھ کر یقین کرے کہ جو میں کہتا ہوں ٹھیک کہتا ہوں۔ اعتماد کر لے تو۔

خَلَقتُم لِلبَقَاءِ وَلاَ لِلفَنَاء یہ امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔

تم بقاء کے لیے خلق کئے گئے ہو فنا کے لیے نہیں۔ فنا کے لیے تو تمہارے نوکر خلق کئے گئے ہیں۔ فنا کے لیے تو تمہارے خلق کئے گئے ہیں۔ زمین تمہارے لئے خلق کی گئی تھی۔ یہ درخت تمہارے لئے اُگائے گئے تھے۔ یہ زمین و آسمان تمہارے لئے بنائے تھے۔ تم فنا نہیں ہو گے۔ ہم تمہیں سیر کرا رہے ہیں اپنی مملکت کی۔ ہم اپنی

قدرت کا تمہیں کرشمہ دکھلا رہے ہیں۔ ایک ماں کے پیٹ کی زندگی تھی۔ اسے سمجھ گیا ہے؟ آج تک تو نہیں سمجھ سکا کہ ماں کے پیٹ میں کیسی زندگی تھی۔ جب تم اس زندگی کو نہیں سمجھ سکے تو اب مرنے کے بعد والی زندگی کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔

توجہ فرمائیے! زیادہ کیا کرے گا۔ ماں کے پیٹ سے بچہ باہر آتا ہے۔ ایک ہوتا ہے بچے دان۔ خدا کرے ہمیشہ عورتوں کی' ماؤں کی خواہش ہوتی ہے جلدی گر جائے۔ اگر نہ گرے تو عورت کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ہم سب کے ماں باپ ہیں۔ اور وہ جب گر جاتی ہے نا تو اسے کہاں رکھتے ہیں۔ اسے بھی رکھتے ہیں؟ اسے تو کوئی نہیں رکھتا۔ اسے تو کوئی پیار نہیں کرتا۔ وہ تو تیری ایک مسکن تھی اس زندگی میں۔ اسے کیا کرتے ہیں۔ اسے جا کے زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ وہ متلاشی ہو جاتا ہے کہ پورے عالم کی زندگی کو ماں کے بچے دان کی طرح سمجھ۔ کہ اسی بچہ دان میں پھر رہا ہے یہ جسم سر سے لے کر پاؤں تک۔ ایک بچہ دان ہے جب یہ دوسری زندگی میں جائے گا تو وہاں اسے کوئی پیار نہیں کرتا۔ اب اس کا حکم وہی ہے کہ اس کو جا کے خاک میں دفن کرو۔ یہ ختم ہو جائے گا۔ تو ختم نہیں ہوا جیسے وہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ وہاں سے آیا تھا تو ختم نہیں ہوا تھا یہاں سے جائے گا تو ختم نہیں ہوگا۔ (صلوٰۃ پڑھیں)

ذرا توجہ فرمائیں! یہ ہے خَلَقتُم لِلبَقَاءِ وَلاَ لِلفَنَاءِ۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں تم بقاء کے لیے ہو (میں انشاء اللہ چند دنوں میں یہ عرض کرتا رہوں گا)۔ یہ زندگی ہے۔ سمجھ کہ کوئی ہے تیرا یا نہیں۔ قبلہ! بعض مغربی فلاسفر بڑے منصف مزاج ہوتے ہیں۔ وہ جب ایک چیز کو سمجھ لیتے ہیں تو فوراً مان جاتے ہیں۔ یہ ہمارے مسلمانوں میں ضد ہے حالانکہ عقل کہتی ہے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے۔ چونکہ باپ دادا نہیں مانتے تھے۔

عقل تسلیم کرتی ہے کہ یہ بات تو ٹھیک کہہ رہا ہے اور یہ ماننی بھی چاہیے۔ لیکن کہے گا ہمارے محلے والے نہیں مانتے۔ باپ دادا نہیں مانتے۔ لیکن انگریزوں میں یہ چیز نہیں ہے۔ انگریزوں میں یہ چیز ہے۔ وہ مادی دنیا والوں سے کہتا ہے اور بڑا عجیب اس نے استدلال کیا ہے۔

وہ کہتا ہے تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ کوئی دنیا کا خالق نہیں ہے کوئی اس کا مالک نہیں ہے یہ خود بخود بنی ہے۔ یہ خود بخود ہونے والا واقعہ ہے۔ وہ کہتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کوئی خالق بھی ہے۔ جو عاقل بھی ہے۔ اور بڑا بہترین منتظم ہے۔ وہ کہتا ہے مائیں زیادہ سمجھتی ہیں۔ عورتیں زیادہ سمجھتی ہیں۔ وہ کہتا ہے جب عورت بچہ جننے کے قریب آ جائے اور پیدائش میں دس پندرہ دن رہ جائیں' تو اس کے پستانوں کو کون سمجھاتا ہے کہ اب موٹے ہونا شروع ہو جاؤ۔ آپ نے دیکھا ہے۔ پھر پستان موٹا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس میں سوراخ بن جاتے ہیں۔ ان پستانوں میں اب دودھ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ کس نے بتلایا ہے اسے کہ تیرا کوئی مہمان آ رہا ہے۔ اب غذا مہیا کرو تا کہ مہمان ایک دن کے لیے بھی نہ کہے کہ میری غذا نہیں تھی۔ پھر بھی کہتے ہو خالق نہیں ہے۔ کوئی ذات ہے کہ نو (۹) مہینے بچہ پیٹ میں رہتا ہے لیکن یہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جب بچہ پیدائش کے قریب ہوتا ہے تو عورت سے کہتا ہے۔ بھینس کو دیکھ لیجئے۔ بھیڑ بکری کو دیکھ لیجئے کہ جب وہاں تکوین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وہاں بھی قدرت ہے۔ اب سوراخ بھی شروع ہو جائے گا اور پھر پہلا دودھ جسے لباء کہا جاتا ہے وہ کہتا ہے پہلے اس بچے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ اس کو ضرورت ہے۔ کون عاقل ہے کہ تنظیم کر رہا ہے۔ جو اس کیلئے پہلے سے منظّم کر رہا ہے۔ یکدم آنے والے مہمان کے لیے غذا مہیا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور پہلے سے اگر پتہ ہو کہ چار گھنٹے کے بعد مہمان آنے والا ہے۔ پہلے سے

فرش بچھایا جاتا ہے۔ اس کے لیے غذا مہیا کی جاتی ہے۔ اب یہ کون بتلا رہا ہے کہ اب تیری گودی بھری جانے والی ہے۔ خَلَقتُم لِلبَقَاءِ وَلاَ لِلفَنَاءِ (صلواۃ پڑھیں)

معاف فرمایئے گا یہ ایک چیز تھی۔ میں اب اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ جو خدا کے قائل ہیں ان کا زندگی کے اعمال میں کیا اثر ہوتا ہے۔ دیکھئے تمام فلاسفہ نے، علم اخلاق والوں نے، علماء نے یہ لکھا ہے کہ انسان میں انسان کی سرشت میں انتہا ہے۔ انسان کی لیٹنت میں نہایت تک جانے کی تمنا اور خواہش موجود ہے۔ انسان سرشتاً کسی ایک چیز کی انتہا کرتا ہے۔ دولت چاہے گا تو بے نہایت۔ کسی کو کہہ دیں ایک کروڑ کافی ہے۔ کہے گا نہیں۔ انسان کی سرشت میں ہے کہ کمال حاصل کرے، خواہ وہ ذاتی ہو یا معنوی۔ یہ کمالِ مطلق حاصل کرنا چاہتا ہے۔ علم کی تمنا بھی ہر انسان میں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جتنا علم اس کے پاس ہے کسی کے پاس نہ ہو۔ جتنے علوم ہیں وہ میرے پاس ہونے چاہیں۔ یہ تمنا ہر انسان کی ہے علم میں بھی شجاعت میں بھی۔ سخاوت میں بھی حتیٰ کہ اگر دنیاوی لحاظ سے آئیں گے ملکیت میں یہ چاہتا ہے، روئے زمین میری ملکیت ہو جائے۔

آپ معاف فرمایئے گا! بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنی زندگی کی حد اوسط لگالے تو پھر بھی وہ اپنے مال میں سے جو دو برابر زندگی کا ہے بلکہ کئی برابر زندگی کا ہے، ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ایسے آدمی کی چالیس پچاس سال عمر ہے۔ ۱۰ کروڑ روپیہ ہے، پانچ کروڑ روپیہ ہے۔ کتنا زندہ رہے گا، سو سال، ڈیڑھ سو سال، ایک سو پچاس سال۔ فرض کیا انسان ایک سو پچاس سال زندہ رہے گا۔ روز کتنا خرچ چاہیے۔ حساب لگالیں۔ اگر دیکھیں تو تین سو سال کا خرچ موجود ہے۔ لیکن اب بھی اس کے دل میں حرص ختم نہیں ہوئی۔ اسے کہہ دو کہ زکوٰۃ دے دو، خمس دے دو تو کہے گا کہ میں اور زکوٰۃ دے

دوں؟

میرے بھائیو! قارون کے متعلق ملتا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے اسے کہا کہ ہزار میں سے ایک حصہ زکوٰۃ دے دیا کرو۔ ہمارے ہاں تو چالیس پر ایک ہے نا۔ ہزار بکری ہے تو ایک دے دو اور اگر ہزار درہم ہیں تو ایک دے دو۔ اس زمانے کے نبی نے حکم دیا کہ 1/1000 زکوٰۃ دے دو۔ اس نے جب حساب لگایا کہ ہر ہزار کے بدلے ایک دے دوں تو اتنا کثیر مال بنتا ہے۔ اتنا مال دے دوں زکوٰۃ میں' نبی کی ذات کو مانتے ہوئے۔ بہتر ہی ہے کہ ایسے نبی ہی کو نہ مانو۔ زکوٰۃ ہی نہ دینی پڑے۔ اور غالباً یہ تھا بھی جناب موسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب خزانے اپنے پاس ہوتے تھے۔ بنک نہیں ہوتے تھے۔ اب تو ماشاء اللہ صدر صاحب نے زکوٰۃ کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے کہ کسی کی بنتی ہو یا نہ بنتی ہو بنک والوں نے مقررہ تاریخ پر کاٹ لینی ہے۔ شیعوں پر الزام ہے کہ یہ زکوٰۃ نہیں کٹواتے حالانکہ شیعہ زکوٰۃ کا منکر نہیں ہے جو شریعت نے مقرر کی ہے۔ بنک والوں نے ایک فارم بھی بنایا ہوا ہے جس میں لکھ دیتے ہیں کہ میں شیعہ ہوں تو پھر زکوٰۃ نہیں کاٹتے۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی دوسرے بھائیوں نے بھی بنک میں بیان حلفی داخل کئے ہوئے ہیں' تاکہ زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچ جائیں۔ یہ بات میرے علم میں لائی گئی ہے کہ سندھ ہائی کورٹ میں کسی نے اپیل کی ہے کہ شیعہ بھی مسلمان ہیں ہم بھی مسلمان ہیں زکوٰۃ کا حکم قرآن میں ہے۔ انہیں حکومت نے چھوٹ کیوں دی ہوئی ہے اور ہم پر سختی کیوں ہے؟ شکر ہے کہ زکوٰۃ کے حوالے سے ہی ہمیں مسلمان تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ہائی کورٹ نے حکومت پاکستان کے زکوٰۃ نوٹیفیکشن کی کاپی مانگ کر جب پڑھی تو پتہ چلا کہ یہ رعائت تو سب کے لئے ہے جس کا دل چاہے کٹوائے' دل چاہے نہ کٹوائے۔ یہ عوام کے ساتھ فراڈ کیا ہوا ہے صدر صاحب نے۔ اسی فنڈ پر عیاشیاں ہو رہی ہیں۔

میں کسی دوسری طرف ہی نکل گیا۔

ہاں قارون کے خزانوں کی چابیاں کئی کئی اونٹ اٹھاتے تھے۔ ایک ہزار کے پیچھے ایک دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پیغمبر علیہ السلام نے بددعا کی۔ حکم ہوا زمین کو کہ اسے اپنے اندر دھنسا لے۔ اب کہیں گے کہ زمین میں کیسے دبنے لگ گیا؟ میں کہتا ہوں کوئٹہ کا معاملہ دیکھ لو آدھا کوئٹہ زمین کے نیچے چلا گیا تھا۔ خدا کی قدرت کو اب بھی نہ سمجھو تو تمہاری مرضی۔ زمین پھٹی یہ جا رہا ہے نیچے۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اب بھی ہزار میں سے ایک دے دو، بچ سکتے ہو۔ کہنے لگا نہیں دوں گا۔ گھٹنے تک زمین میں چلا گیا پھر بھی نہ دی۔ جا رہا ہے اور نیچے۔ ہزار میں سے ایک دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ زمین کھا گئی لیکن **1/1000** دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ یہ ہے انسان کی سرشت، کہ میرے پاس بے انتہا ہو۔ (صلواۃ پڑھیں)

اب میرے قبلہ آیئے! کہ بے انتہا کی تمنا کرنے والے انسان کو کیمونسٹ نظام راضی نہیں کرسکتا۔ یہ جو مادی نظام کہ کہتے ہیں کہ خالق ہی نہیں ہے۔ خالق نہ رکھنے والے کسی کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ علم بے انتہا چاہیے ان کے پاس وہ بھی محدود ہے۔ قدرت بے انتہا چاہیے وہ محدود ہے۔ مثلاً ثقافت حالانکہ اس میں نہیں آیا۔ ہر کمال میں جب انتہا تک پہنچنے کا کیمونسٹ نظام کے پاس کوئی نمونہ نہیں ہے کہ ان کے پیچھے لگا جائے۔ مادیوں کی نظر میں دھریوں کے پاس کچھ نہیں ہے کہ جو انہیں مطمئن کرسکے۔ یہ صرف ان کے پاس ہے جو کہتے ہیں میرا خالق ہے تیرا مالک ہے۔ ایسا خالق ہے علم ہے تو بے انتہا۔ دولت ہے تو بے انتہا۔ بے انتہا کی تمنا کرنے والا اگر اسی کے دامن سے چمٹے گا تو بے انتہائی تک پہنچ سکتا ہے۔ یہاں پر آ کے اسے اطمینان مل سکتا ہے کہ جتنا دیتا رہوں گا وہ اور دیتا جائے گا اس کے خزانے میں کمی نہیں آئے گی...... (صلواۃ)

لہٰذا روایت میں آتا ہے کہ جب تو دو رکعت نماز بہ نیت ثواب ادا کرے۔ اور بعد دو رکعت نماز ثواب دعا کرے کہ یہ فلاں کے لیے ثواب' یہ فلاں کے لیے' یہ فلاں کے لیے' جتنے یاد ہیں مردہ یا زندہ جس کا نام بتایا جائے گا اس دو رکعت نماز کا ثواب اس کے نامۂ عمل میں بھی لکھا جائے گا۔ چونکہ اس ثواب دینے والے کے پاس انتہا نہیں ہے کہ کوئی کمی ہو جائے گی۔ وہ بے انتہا زیادہ رکھتا ہے۔ ہمارے بعض حضرات جن کی معرفت کم ہوتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام، پیغمبر علیہ السلام نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ایک جگہ بیٹھ جائیں اور قیامت کے بے انتہا زمانے تک خدا سے پوچھتے رہیں خدا بتلاتا رہے گا اس کے علم میں کمی کبھی نہیں آئے گی۔ وہاں علم کی محدودیت نہیں ہے۔

آپ اگر دین میں آئیں۔ وہ وہاں مطمئن ہوسکیں گے۔ بے انتہا ملے گا اور اس کے بعد زندگی تو ختم ہوتی نہیں۔ بہت کچھ وہاں ملے گا۔ یہ یہاں مطمئن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا روایت میں ہے کہ جو خدا کو ماننے والا ہے' جو خدا پر یقین رکھتا ہے وہ اللہ کے ذکر سے کبھی گھبراتا نہیں۔ چونکہ اللہ کے ذکر میں بے انتہا ثواب ہے اور جتنا کرتا جائے گا ملتا جائے گا۔ کرتا جائے گا ملتا جائے گا۔ انسان ختم ہو جائے گا لیکن اللہ کے ثواب میں کمی نہیں آئے گی۔ مطمئن کرسکتے ہیں تو دین دار۔ آپ لے آئیں لینن کو وہ کیا اپنی امت کو مطمئن کرسکتا ہے کمال کی انتہا میں' مال کی انتہا میں' آخر کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔

ایک ایمان باللہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ خدا کا یہی فرمان ہے:

اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَتَطمَئِنُّ قُلُوبُھُم بِذِکرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ○ (سورۃ الرعد، آیت ۲۸)

''جولوگ ایمان لائے اوران کے دل ذکر خدا سے مطمئن ہیں۔
یادرکھوکہ ذکر خدا سے دل مطمئن ہوجایا کرتے ہیں''۔

اللہ کے ذکر سے دلوں کواطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر اگر ساری عمر میں کرتا رہوں تو نہ مجھ سے تمام احکام کی ادائیگی ہوگی نہ اس کے ثواب میں کمی ہوگی۔ اگر آج کا دن کل کے دن کے برابر ہو۔ جتنے اعمال اس نے کل کئے تھے اور جتنے آج کئے ہیں اگر برابر ہوں تو یہ شخص گھاٹے میں ہے اعمال کے لحاظ سے مغموم ہے تجارت کے لحاظ سے جتنا کل کمایا تھا آج بھی اتنا ہی کمایا ہے تو کہتا ہے بے فائدہ ہے۔ فائدہ نہیں ہوا کچھ۔کل سے آج کا فائدہ زیادہ نہیں ہوا ہے۔

روایت میں آتا ہے جس شخص کے آج کے اورکل کے عمل برابر ہو جائیں۔ نیکیاں جتنی کل تھیں آج بھی اتنی ہی ہیں تو کوئی فائدہ تو نہ ہوا۔ اعمال اخروی و دنیاوی' یہ سارے حقیقت میں اعمال دنیا ہی حقیقت میں آخرت کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اگر زندگی اسلامی احکام کے مطابق نہ بجالائے تو یہ مطعون ہے گھاٹے میں ہے۔ اوراگر آج کا دن کل سے زیادہ ہوجائے' اسّی عمل تھے' آج اکیاسی ہیں تو اس پر ناز کرنا چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کوبھی یہی سوچنا چاہیے کہ ہم بھی اس کے برابر جائیں۔ ہمیں بھی وہی کام کرنے چاہئیں جو یہ کررہا ہے۔ اور جس کا آج کا دن کل سے بدتر ہے وہ نقصان میں ہے۔گھاٹے میں ہے۔جس کی زیادتی نہ ہو وہ نقصان میں ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ جونقصان میں جارہا ہے اس کے لئے موت بہتر ہے۔ اس واسطے کہ نقصان نقصان نقصان (مسلسل نقصان) ایک دن اصلی پونجی ہی کھو بیٹھے گا۔ اصلی پونجی کیا ہے؟ ایمان ہے۔آج کا نقصان پھربھی اتنا ہے کہ کچھ ایمان تو ہے نا۔ مرجائے تو بہتر ہے۔لیکن اگرنقصان پہ نقصان ہوتو کل سرمایہ ختم ہو جائے گا۔

ایمان باللہ جس شخص کو ہو جائے۔ خدا کا یقین ہو جائے تو اس کی تسکین اگر ہو سکتی ہے تو ذات خدا کے ماننے سے ہو سکتی ہے۔ غیر خدا کے ماننے سے کسی کی تسکین نہیں ہو سکتی ہے۔ توجہ فرمائی آپ نے! یہ ہے ایمان باللہ کا فائدہ۔ (صلواۃ پڑھیں)

میں نے ابھی ایک فائدہ عرض کیا ہے۔ چونکہ وقت نہیں ہے ابھی۔ انسان کی فطرت میں ایک اور چیز بھی ہے۔ میں پھر ایک اور چیز عرض کروں گا۔ جو اللہ نے انسان کی سرشت میں رکھا ہے۔ اللہ نے اس سرشت کی ضرورت کے پورا کرنے کا انتظام بھی کیا ہے۔ وہ چیز بھی رکھ دی ہے۔ انسان کی سرشت میں حُب ہے، محبت ہے۔ اللہ نے محبت کے اسباب بھی پیدا کیے ہیں۔ اولاد دی تو باہم محبت ہوئی۔ نیک ہو جائے گا تو محبت پیدا ہو جائے گی اور اگر امامؑ ہوگا تو محبت، محبت کے اس خارج میں، اس دنیا میں اسباب بھی اللہ نے بنا دیئے ہیں۔ وطن سے محبت ہو جاتی ہے۔ گھر سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ محبت جو سرشت میں رکھی ہے تو اس کے اسباب بھی بتلائے ہیں کہ کن سے محبت کرو اور کن سے محبت نہ کرو۔ نفرت بھی انسان میں اللہ نے رکھی ہے بغض کی سرشت بھی انسان میں اللہ نے رکھی ہے۔ اس کے بھی اللہ نے اسباب بنا دیئے ہیں۔ اس سے نفرت کرو جو تمہارا دشمن ہے۔ جو تمہارے ملک کا دشمن ہے۔ جو تمہارے دین کا دشمن ہے۔ جو انسانیت کا دشمن ہے۔ اس سے نفرت کرو۔ نفرت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انتظام کیا محبت کے لیے بھی انتظام کیا۔ (صلواۃ)

اگر اللہ نے انسان کی سرشت میں بھوک رکھی ہے تو بھوک کے مٹانے کے اسباب بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ غور کیجیے کہ بھوک کے مٹانے کے لیے کتنے اللہ نے کتنے اسباب پیدا کیے ہیں عالم میں۔ انسان کی سرشت میں پیاس رکھی ہے تو پیاس کے بجھانے کے لیے اللہ نے اسباب بھی بنا دیئے ہیں۔

میرے بھائیو! ایک انسان کی سرشت میں، فطرت میں، طینت میں یہ ہے کہ

یہ چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں۔ یہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت سے ڈرتا ہے۔ موت کے تذکرے سے ڈرتا ہے۔ موت کی مجلس کرانے سے ڈرتا ہے۔ موت کا ذکر کرنے سے ڈرتا ہے۔ موت کی مجالس سننے سے ڈرتا ہے۔ کیوں؟ یہ چاہتا ہے میں ہمیشہ زندہ رہوں اور یہ (پڑھنے والا) کوئی ایسا نسخہ بتا رہا ہے کہ جس سے مجھے فنا کی طرف لے جا رہا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ آپ کی مجالس میں کتنی موت کی مجالس ہوتی ہیں۔ مساجد میں منبروں پر ہم ہزار ہا روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن صرف چند چیزوں میں محدود۔ اب موت کے تذکرے سے کیوں ڈرتا ہے کہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ انسان کیا ہے؟ ایک تمنا انسان میں ہمیشہ زندہ رہنے کی ہے۔ نوے سال ہے دل میں حرکت ہوگئی ہے کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ علاج کروایا۔ لے آیا کوئی ٹکیاں وغیرہ۔ فائدہ نہیں ہوا۔ کہنے لگا بڑا بے وقوف ڈاکٹر ہے پڑھا ہوا ہی کچھ نہیں ہے۔ کیوں مجھے زندہ نہیں رکھ سکتا؟ اس کے علم پر اعتراض ہوگا۔ یہ کبھی نہیں سوچے گا کہ آخر جانا ہے، ہمیشہ یہاں نہیں رہنا ہے۔ جانے کے بھی تو کوئی اسباب ہوں گے۔ وہ تو ڈاکٹر بیچارے کے ہاتھ میں ہی نہیں۔ وہی دوا جو ڈاکٹر عام مریضوں کو اسی مرض کے لیے دیتا ہے فائدہ دیتی ہے۔ یہ الرجک ہے۔ یہ دوائی جو ہے نا ٹھیک نہیں بیٹھی کسی وجہ سے۔ ظاہر ہے اس سے منفی اثر پیدا ہوگیا ہے۔ (ایک دفعہ صلواۃ پڑھ لیں)

کبھی سوچا کہ دوا میں اثر کس نے دیا ہے؟ آیا یہ دوا بنانے والے کارخانے نے اثر رکھا ہے؟ یا کب تک اس کا اثر تھا؟ اس نے اثر تب کرنا ہے جب وہ موثر جس نے اثر دیا تھا اجازت دے گا۔ اور اگر وہ اجازت نہیں دے گا تو وہ اثر نہیں کرے گی۔ فوراً کہے گا ڈاکٹر خراب ہے۔ لے جاؤ دوسرے کسی ڈاکٹر کے پاس۔ یہ بھی خراب ہے اگر ٹھیک نہ ہوا تو اور اگر پیسے ہیں تو لندن لے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے

لندن میں خدا کوئی اور ہے۔ امریکہ لے جاؤ فلاں جگہ لے جاؤ۔ اس لئے کہیں مر نہ جاؤں۔ ہمیشہ زندہ رہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جو ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہیں ان کی سرشت کی تسکین دھریوں کے پاس نہیں ہے۔ جو خدا کے منکر ہیں ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ تو کہتے ہیں یہی دنیا ہے یہی زندگی ہے۔ یہی ہدف ہے۔ اس کے بعد فنا ہے۔ کچھ نہیں ہے۔ کھاؤ پیو مزے اڑاؤ۔ پیو شرابیں۔ کماؤ مال جتنا ہوسکتا ہے۔ ظلم کرو۔ عیاشی کرو۔ بہترین مکان بناؤ۔ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرو۔ یہ کرو، وہ کرو۔ کیوں؟ اس واسطے کہ اس کے بعد فنا ہی فنا ہے۔ کچھ نہیں ملے گا۔

پڑھا لکھا طبقہ توجہ فرمایئے گا! جو اس سے تنگ آ جاتے ہیں روز کے تکرار سے وہ خود کشی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں صبح اُٹھو قلم چلاؤ۔ پھر شام کو وہی دفتر میں قلم۔ کیا ہم اسی کے لیے پیدا ہوئے؟ جب ہم نے مرنا ہے، ختم ہونا ہے تو پھر ہوئے کیوں نہیں؟ کس لئے آئے۔ کیا غرض تھی ہمارے آنے کی؟ یہی قلم روز چلانا۔ ہر روز لیفٹ رائیٹ کرنا۔ روز کارخانے میں مشین پر کام کرنا۔ وہ کہتے ہیں یہ کیا زندگی ہے، یہ تکرار--- انسان ایک چیز کو دس دفعہ کھائے تو عاجز آ جاتا ہے۔ گوشت ہی کھا کے دیکھ لیجئے۔ ہر روز وہی کام جو کل تھا۔ وہ کہتے ہیں۔ یہاں آنا ہی غلط ہے۔ کوئی ہدف ہی نہیں ہے۔ فائدہ ہی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں چلو آئے تو ہم مجبوری سے ہیں لیکن جا تو اختیار سے سکتے ہیں۔ اس زندگی کو ہی ختم کرو۔ وہ کہتے ہیں ختم کرو۔ ایک یہ بے وقوف جو مینار پاکستان سے چھلانگ لگا رہا تھا۔ کیوں لگا رہا تھا؟ مسلمانوں میں تو بہت کم ہیں۔ جایئے مغربی ممالک میں دیکھئے۔ میں ایک دفعہ وہاں گیا ہوں۔ اخبار والوں نے لکھا ہے کہ کتنے ہزار انسان ہیں، لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں مریض، یہ غریب نہیں ہوتے ہیں۔ بہترین کوٹھیوں والے ہیں۔ بہت مال ہے ان کے پاس۔ بہترین شرابیں پیتے ہیں۔ سارے پڑھے لکھے ہیں۔ مرض یہی ہے کہ کہتے ہیں کہ

کیوں آئے تھے یہاں؟ کس لیئے آئے ہیں؟ ہاتھ آتا ہے یہی کھانا اور پھر کسی دوسرے کے لیے کام کرنا۔

حکومت کوئی کرے جھوٹ ہم بولیں۔ آپ دیکھ لیجئے یہ جو تھانوں میں کوڑے مار رہے ہیں۔ قلعے میں آ کے عذاب دے رہے ہیں کیا ان کا کوئی برا کام کیا تھا اس شخص نے؟ عجب انتقام ہے حکومت کوئی کر رہا ہے اور مار یہ رہے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے ان کا کچھ اس نے بگاڑا ہوا ہے۔ نقصان کیا ہے تا کہ خوش ہو جائے میں نے غلط ملط اس پر اعتراض لکھ دیا تو میں پکڑا جاؤں گا تو ترقی نہ ہوگی۔ مجھے معاوضہ ملے گا۔ پھر یہ ہوگا اور پھر وہ ہوگا۔ آخر تنگ آ جائے گا۔ کہے گا اسی نے مارا تھا۔

میں نے ایک دفعہ شاید یہاں پڑھا تھا کہ جس نے ہیروشیما جاپان پر بم پھینکا تھا اس کو بتایا گیا تھا۔ (یہ ایران کے اخباروں میں آیا ہے یہاں بھی ہوگا۔ ہم اس وقت ایران عراق میں تھے)۔ جس نے یہ بم پھینکا تھا وہ شخص جب واپس جاتا ہے اور صبح اخبار میں پڑھتا ہے کہ اتنے لاکھ آدمی مر گئے تو وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ میں اتنے لاکھ کا قاتل ہوں۔ میری زندگی کا ہدف یہی ہے؟ میں نے یہی کام کرنا تھا؟ اس کو بڑے تمغے دیئے' بڑا مال دیا۔ آخر پاگل ہو جاتا ہے اسی نفسیاتی تکلیف سے۔ اور اسے زنجیروں میں جکڑ کے آخر پاگل خانے میں رکھا گیا۔

جو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہیں رہنا ہے' یہیں مرجانا ہے' فنا ہو جانا ہے۔ ان کے لئے زندگی جاوداں کا تصور موجود نہیں ہے۔ حالانکہ سرشت میں یہ چیز ہے۔ فطرت میں یہ چیز ہے۔ کہ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ جو خدا کے قائل ہیں جو قیامت کے قائل ہیں ان کے لیے یہ اسباب موجود ہیں۔ تیری اس سرشت کا انتظام ایک اور دنیا میں کر دیا گیا ہے۔ تو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ تو نہیں مرے گا۔ وہ اتنی زندگی ہوگی جس کی انتہا ہی نہیں ہوگی۔ وہاں تو تنگ نہیں پڑے گا۔ وہاں

ایسی ذات سے تیرا تعلق ہو جائے گا ڈائریکٹ (Direct)' کہ جو ہے نہایت۔ دیکھتے دیکھتے شاید تجھے ساری عمر گذر جائے اس منظر کو دیکھتے وہاں آنکھ ہی نہیں ہٹے گی۔ (صلواۃ پڑھیں!)

امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر شئے فنا کے لیے ہے اور انسان بقاء کے لیے ہے۔ اور آخرت کی ہر شئے بقاء کے لیے ہے۔ تو ہی صرف باقی نہیں رہے گا۔ وہاں کا درخت بھی باقی رہے گا' وہاں کی نعمتیں بھی باقی رہیں گی۔ امام علیہ السلام نے ایک اور جگہ فرمایا ہے: ہمارے پاس لفظ نہیں ہیں اس دنیا کی نعمتیں بیان کرنے کے لیے۔ مگر یہی لفظ یہ لفظ ہی ہیں فقط۔ معنی وہ نہیں ہیں جو تم سمجھتے ہو آج کی دنیا میں۔ انار ہوں گے کیا یہی انار؟ انگور ہوں گے کیا یہی انگور؟ سیب ہوں گے یہی سیب؟ نہیں وہ ایسے ہوں گے کہ دیکھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ یہ تو واقعاً لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔

یہ ایک ایسی چیز انسان کی فطرت میں ہے کہ میں ہمیشہ رہوں گا۔ قیامت اگر آ جائے (اور مان جائے تو کہ جو تیری سرشت میں ہے) اس کا انتظام موجود ہے۔ آ ہم تمہیں بتلائیں کہ تو ہمیشہ رہ جائے' تو کبھی نہیں مرے گا۔ تو مرنے کے لیے تو آیا ہی نہیں ہے۔ اَفَحَسِبْتُم اِنَّمَا خَلَقنٰکُم عَبَثًا کہ تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے وَ اَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُونَ اور تم ہمارے پاس دوبارہ نہیں آؤ گے۔ آؤ گے اور عبث خلق نہیں کیا تمہیں۔ ہم نے تمہیں یہاں بھیج کے اس زندگی کے ذریعے کمال حاصل کرنے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ یہاں ہر چیز کا کمال ہوگا۔ وہاں نتیجہ ہوگا۔ وہ جو اُردو کا محاورہ ہے وہ بڑا اچھا ہے عربی میں بھی ہے کہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ جو یہاں کرو گے وہاں بھرو گے۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب کا ارشاد ہے:

اَلدُّنیَا مَزرَعَةُ الآخِرَة

''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

رہے گا تو ہمیشہ زندہ' مرے گا نہیں۔ اب تیری مرضی کہ چاہتا ہے ہمیشہ زندہ نعمت میں رہے تو جو رسولؐ ہمارا کہہ گیا ہے وہ مان لو۔ جس طرح ارشاد رب العزت ہے:

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ٥ وَمَا نَھٰکُم عَنہُ فَانتَھُوا٥ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیدُ العِقَابِ (الحشر، آیت ٦)

اور رسولؐ جو کچھ تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو باز رکھیں اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اور اگر تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ عذاب میں رہے تو جو شیطان کہتا ہے اسے مان لے۔ اختیار تیرا لیکن زندگی ہم ہمیشہ تمہیں دیں گے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اَوَلاَ یَعلَمُونَ اَنَّ اللّٰہَ یَعلَمُ مَا یُسِرُّون وَمَا یُعلِنُونَ٥

(سورۃ البقرہ، آیت ٧٧)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ وہ بھی جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور وہ بھی جس کا وہ اعلان کرتے ہیں''۔

تیرا خدا تیرے اوپر ہر وقت موجود ہے تیرے ذہن میں اور تیرے قلب میں جو فتور آتا ہے ہم اسے بھی دیکھتے ہیں۔

اب دیکھئے میرے قبلہ! اس تصور کو' عقیدے کو جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ہم نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اور اس مرنے کے بعد ہم نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اس

عقیدے کا اس دنیا میں کیا اثر ہوگا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں ہمیشہ زندہ رہنا ہے تو یہاں سچ بولو۔ اگر وہاں ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور نعمت میں تو رشوت نہ کھاؤ۔ اور اگر وہاں ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور نعمت میں تو یہاں بدمعاشیاں نہ کرو۔ اور اگر وہاں ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور نعمت میں تو اس منصب کو نہ لو جو خدا نے تیرے لئے معین نہیں کیا ہے۔ اور اگر میں یہ چیزیں نہ مانتا ہوں۔ پیغمبرؐ جتنے آئے ہیں وہ اسی زندگی کے آثار بتلانے اخلاق بتلاتے۔ اس کو مکارم الاخلاق پیغمبر فرماتے ہیں: ''میں آیا ہوں تمہارے اخلاق کی تکمیل کے اسباب اور ذرائع تمہیں بتلاؤں''۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں یہ بتلائیں۔

میرے قبلہ! جناب امیر المومنینؑ کا ایک عجیب جملہ ہے۔ حضرت فرماتے ہیں اگر جہنم بھی نہ ہوتی ثواب بھی نہ ہوتا' عذاب بھی نہ ہوتا تب بھی ہمیں اخلاق انسانی کو اپنانا چاہیے تھا۔ چونکہ نجات انسانیت کے امور بجالانے میں ہے۔ حیوانیت کے بجالانے میں نہیں ہے۔ اگر دنیا میں بھی آپ نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں' ایک مالدار بننا چاہتے ہیں تو انسانیت کے امور سے گریز نہ کریں۔ انسانیت آپ کریں گے تو نجات ہو جائے گی۔

بلکہ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: ''اے انسان اس زندگی کا کیا فائدہ ہے جو قیامت کا قائل ہے۔ تو زندگی کا قائل ہے''۔ میں نے عرض کیا تھا۔ قیامت کا قائل و معتقد ہونا (جس پر انبیاء نے زور دیا ہے)۔ بہت ضروری ہے۔ آئے گی قیامت۔

قرآن کہتا ہے آئے گی قیامت اور تمہارے ہر ہر عمل کا حساب ہوگا۔

فَمَن يَعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ خَيرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (سورۃ الزلزال، آیت ۷-۸)

''پس جس شخص نے ذرا بھر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرا برابر بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا''۔

اخلاق اپنائے گا تو جو کچھ یہاں کرے گا وہاں دیکھے گا۔ اب یہ تیرا اختیار ہے تیری مرضی ہے کہ انبیاء کی باتوں کو مان یا نہ مان۔ اخلاق اور اطوارِ انسانی کی خدا کے نزدیک بڑی قدر و قیمت ہے۔ انبیاءؑ نے کبھی کبھی اس اخلاق کے ذریعے سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ وقت نہیں رہا ورنہ میں آپ کو اور واقعات بھی بتاتا۔

حتیٰ کہ حاتم طائی کی لڑکی، (پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں جنگ ہوتی ہے)۔ اس کا قبیلہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ حاتم طائی کی لڑکی کو بھی گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ اس کا بھائی عدی ابن حاتم طائی فرار ہوکر شام چلا گیا تھا۔ یہ لے جاتے ہیں مدینے میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس۔ یہ لڑکی کہتی ہے میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی رسی اُتاردو اور اسے آزاد کردو۔ کیوں! اس واسطے کہ اس کے باپ نے انسانیت کے اصول کو اپنایا تھا۔ وہ بہترین اخلاق کا مالک تھا۔ وہ انسانوں سے ہمدردی کرتا تھا۔ اپنا مال انسانوں کے لیے وقف کرتا تھا۔

پیغمبر علیہ السلام یہاں تک اس کی نگہداشت فرماتے ہیں اور وہ کہتی ہے کہ مجھے واپس بھیج دیں۔ امیر علیہ السلام نے اسے سمجھایا تھا دو چار دن رہنے کے بعد۔ حضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں تجھے ضرور بھیجوں گا۔ میں جستجو میں ہوں کہ کوئی امین انسان مل جائے جس کے ساتھ تجھے بھیج دوں۔ کوئی شرستِ انسانی کا حامل ملے جس کے ساتھ میں تجھے بھیج دوں۔ چنانچہ ایک آدمی آتا ہے شریف انسان ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے سواری اور پورا خرچ دیا اور کہا کہ اسے لے جاؤ۔ جب اسے پتہ چلا کہ بھائی شام چلا گیا ہے، سیدھی شام جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بھائی مجھے یہ دنیا دار

آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ دنیادار ہوتا تو ایسے نہ کرتا۔ میں نے اس کے اخلاق ایسے دیکھے ہیں جیسے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ آج سعادت اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ یہ مدینے میں آتا ہے اور ایمان لے آتا ہے۔

یہ عدی ابن حاتم وہی شخص ہے جس کا بیٹا حجر ابن عدی ہے۔ جو معاویہ کے دربار میں جناب امیرؑ کے ساتھ بھی موجود تھا۔ خاندان عصمت کی معرفت اور مودّت سے سرشار۔ انتہائی متقی و پرہیزگار اسے علم ہوگیا تھا کہ میری زندگی آخرت میں بدل جائے گی۔ اور محبان اہلبیتؑ کے ساتھ معاویہ کی طرف سے جو بدترین سلوک ہوا جس طرح جناب محمد بن ابوبکر کو بدترین طریقہ سے شہید کیا گیا۔ اسی طرح حجر ابن عدی کو بھی اذیتیں دے کر شہید کیا گیا اور اس پر مسلمانوں نے زیادہ احتجاج کیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں اپنے اصحاب سے خطاب فرما رہے تھے۔ خود امامؑ نے اپنے اصحاب کے لیے جو کربلا میں تھے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے جو میں آج لکھ کے لایا ہوں۔

حضرتؑ فرماتے ہیں یا ابن الکرام (بڑا اچھا لقب ہے)۔ اے شریفوں کے بیٹو! کرام کہتے ہیں شرفاء کو۔ اس کے معنی ہیں شرفاء۔ اے شرفاء کے بیٹو! موت سے مت گھبراؤ۔ موت ہے جو تمہیں آ کے لے جائے گی۔ کون ہے جو مشقت اور اذیت کے بعد راحت اور آرام کی طرف نہیں جانا چاہتا۔ تم نے جب تہیہ کر لیا ہے تو تمہارے لئے نعمت ہی نعمت ہے۔

میں نے بعض روایات میں دیکھا ہے۔ اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بالکل صحیح ہو گی۔ ان کا امتحان لے لیا تھا' یہ پاس ہو چکے تھے۔ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں۔ آسمان کی طرف دیکھو۔ سب نے دیکھا آسمان کی طرف کہ حوریں ہیں جنت کی ہر

ایک انتظار کر رہی ہے کہ اے حبیبؓ ابن مظاہر یہ تیرا مکان ہے۔ اسی طرح سب اصحاب باوفا سے کہہ رہی ہیں کہ یہ تیرا مکان ہے۔ یہ تیرا مکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دسویں کے دن ہر آدمی پہلے جانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ میں پہلے جاؤں تا کہ میں جنت میں پہلے پہنچوں۔

میرے بھائیو! آپ نے سنا ہے حتیٰ کہ علیؑ اکبر کہتے ہیں کہ بابا یہ گمان نہ کرنا کہ میں پیاسا مر رہا ہوں۔ جناب علی اکبرؑ نے پانی اپنے باپ سے مانگا تھا نا۔ اور کہا تھا کہ اگر ایک گھونٹ پانی کا مل جائے تو میں دشمن کے ساتھ خوب لڑ سکوں گا۔ مگر امام حسینؑ پانی نہیں پلا سکے تھے۔ تو اپنی انگوٹھی منہ میں دی تھی۔ بعض کتابوں میں آتا ہے کہ اپنی زبان جب علیؑ اکبر کے منہ میں دی تو علی اکبرؑ نے زبان کھینچ لی اور عرض کیا: باباؑ آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔

علی اکبرؑ کے دل میں یہ خیال تھا کہ باباؑ کے دل میں یہ حسرت ہے کہ میں بیٹے کو پانی نہیں دے سکا۔ عجیب جملہ ہے۔ علی اکبرؑ نے مرنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میرے بھائی کو سلام کہنا' میری ماں کو سلام کہنا' میرے فلاں کو سلام کہنا۔ یہی کہتے ہیں کہ باباؑ یہ گمان نہ کرنا کہ میں پیاسا جا رہا ہوں۔ بلکہ نانا رسولؐ آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے پانی پلایا ہے۔ اور باباؑ آپ کی پیاس بھی شدید ہے۔ ایک پیالہ ناناؐ کے پاس آپؑ کے لیے ہے اور وہ آپؑ کے منتظر کھڑے ہیں۔

میں آپ کو بتاؤں۔ آپ جا کے ساری کتابوں کو کھنگال ڈالیں۔ جتنی مصیبت پانی کی ملتی ہے نا آل محمدؐ پر کسی اور چیز کی نہیں ملتی۔ ساتویں سے پانی بند ہے۔ سب کہتے ہیں کہ پانی نہیں تھا۔ ''شہید انسانیت'' وغیرہ میں ساتویں سے پانی بند ہے۔ پانی کا شہید عباسؑ ہے۔ پانی میں شہید ہوتا ہے۔ پانی بند ہے اور پانی کا یہ عالم ہے میں نے آخری روایت میں دیکھا ہے۔ کہ جب شمر (لعین) اس مقام پر بیٹھا

تھا---روایت یہ ہے (آپ گمان نہ کریں کہ امام حسینؑ کے سینے پر سوار ہو کے ذبح کرنا چاہتا تھا)۔ کہا ہٹ جا میرے مارنے سے جہنم سزا ہوگی، ہمیشہ کے لئے عذاب ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے انعام کا لالچ ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں اگر نہیں رکتا تو ایک گھونٹ پانی کا مجھے دے سکتا ہے؟ آخری وقت میں بھی امامؑ پانی طلب کر رہے تھے۔ بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ اسیروں کو جب شام لے جایا رہا تھا تو اسی مقتل گاہ سے گزارا گیا۔ امام زین العابدینؑ اونٹ پر سوار تھے۔ آپ کے پاؤں اونٹ سے باندھے ہوئے تھے۔ بیمار تھے، اونٹ پر ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ اب کیا عالم تھا کہ جنابِ زینبؑ دیکھتی ہیں کہ جناب زین العابدینؑ کا رنگ متغیر ہے عجیب کیفیت ہے۔ جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں۔ بیٹا! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ جناب سجادؑ عرض کرتے ہیں۔ پھوپھی جان! وہ بے کس کہاں پہ ہے جس کو بیٹا دفن نہیں کرسکا۔ اس کی کیا حالت ہونی چاہیے۔

جنابِ زینبؑ نے دیکھا کہ سجادؑ ممکن ہے طبعی موت سے پہلے نہ مر جائیں۔ کہتے یہی ہیں کہ بی بی نے جو اپنے آپ کو اونٹ سے گرایا ایک عجیب سی بات ہے۔ ایک مستور ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہے اور جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہے۔ کیونکہ امام زمانہؑ فرماتے ہیں" میرا سلام ہو ان بیبیوں پہ جن کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے"۔ اگر ہاتھ بھی نہیں پس گردن بندھے ہوئے ہوں اور اونٹ سے گرے تو کیا حالت ہوگی۔

تمام بیبیاں چلی گئی ہیں۔ لیکن جناب زینبؑ خاتون ہیں کہ ڈھونڈ رہی ہیں لاشوں میں، نہ علی اکبرؑ کے پاس، نہ عباسؑ کے پاس، نہ اپنے بیٹوں کے پاس، ڈھونڈ رہی ہیں فاطمہؑ کے لال کو۔ ایک ڈھیر لگا ہوا پتھروں کا، نیزے ٹوٹے ہوئے، تلواریں ٹوٹی ہوئیں، بی بی ان کو ہٹائے تو کیسے؟ ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں پس گردن۔ بتاؤ

کس طرح ہٹائے ہوں گے پتھر؟ کہنیوں کے ساتھ۔ یہاں کھڑے ہو کے تعجب سے کہتی ہیں میں نے بعض روایات میں دیکھا ہے۔ حضرتؑ سے فرماتی ہیں (تعجب کے ساتھ، یاس کے ساتھ) اَنتَ حُسَینؑ اَنتَ اَخِی۔ میرا بھائی حسینؑ تو ہے؟ تیری یہ حالت ہے؟ یعنی تعجب کر رہی ہیں کہ یہ وہی حسینؑ ہے جو رسولؐ کے کاندھوں پر سوار ہوتا تھا؟ یہ وہی حسینؑ ہے کہ جسے فاطمۃ الزہراء چکیاں پیس پیس کر پالتی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ہاتھ کمر کے نیچے کئے۔ لاش کو اٹھا کر آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا کی۔ اللھم تقبل منی ھذا القربان۔ اے میرے اللہ! ہماری اس قربانی کو قبول فرما۔

بعض کتابوں میں ہے کہ بی بی ادھر ادھر دیکھتی رہی کہ کوئی جگہ ایسی مل جائے کہ زخم نہ ہو اور بھائی کو بوسہ دے لے۔ تھوڑی سی جگہ گردن کے نیچے ملی۔ اپنا منہ گردن کے پیچھے رکھ دیا۔ منہ وہاں رکھ کے رونے لگیں تو بعض کتابوں میں ہے کٹی ہوئی گردن سے آواز آئی۔ زینبؑ! جب مدینے جاؤ تو میرے شیعوں کو سلام کہہ دینا اور کہنا کہ جب ٹھنڈا پانی پیو تو میری پیاس کو یاد رکھنا۔ اور اگر کوئی غریب مسافر مر جائے تو میری موت کو یاد کرنا۔

اَلا لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی القومِ الظّالِمینَ وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر و نشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

مجلس دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَیَومَ نَبعَثُ مِن کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیدًا ثُمَّ لَا یُؤذَنُ لِلَّذِینَ کَفَرُوا اَوَلَاهُم یُستَعتَبُونَ ○ (سورۃ النحل، آیہ ۸۴)

''اور ہم جس دن ہر امت کے ایک گواہ کو بلائیں گے پھر وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں ان کو اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ہی ان کا کوئی عذر سنا جائے گا''۔

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''ہر زمانہ اور ہر امت کا ایک امام ہوتا ہے اور ہر امت اپنے امام کے ساتھ مبعوث کی جائے گی''۔

معزز حاضرین!

میں نے کل عرض کیا تھا کہ اسلام میں بلکہ اسلام میں ہی نہیں ہر دین الٰہی میں جو لوگ اللہ کی طرف سے کسی دین کے پیرو ہیں وہ ان تین چیزوں کے قائل ہیں۔

قائل کے معنی ہیں کہ وہ مانتے ہیں۔ یعنی یہ تین چیزیں جو ہیں جو دین دار ہیں' جو خدا کے احکام یا خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور ایک دین اور ایک نظام کے قائل ہیں وہ سارے کے سارے خواہ یہود ہوں' نصاریٰ ہوں یا زرتشتی ہوں وغیرہ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے بارے میں' میں نے عرض کیا تھا۔ مثلاً ہندو، بدھ مت' ان میں سے اکثر خدا کے قائل ہیں اور ان میں سے اکثر نبوت کے بھی قائل ہیں کہ نبیوں کو اللہ ہی بھیجتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر اس کے بھی قائل ہیں اور مانتے ہیں کہ انسان کو انسان کے اعمال کی سزا اور جزا اس دنیا میں نہیں ملتی بلکہ انسان کے اعمال کے لیے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے۔ یہ مقام جزا اور سزا نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک اور جگہ ہے جہاں اس کو سزا اور جزا ملنی ہے۔ اسی کو قیامت کہا جاتا ہے۔ اور اسی کو ہم معاد سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور جو خدا کے قائل ہیں (منکر نہ ہوں) جیسے کہ دھریئے ہیں یا کیمونسٹ ہیں یا دوسرے لوگ ہیں جو خدا ہی کے قائل نہیں ہیں ان کو رہنے دیں۔ اگر مجھے کل وقت ملا تو انشاء اللہ ہندو بھی جو تناسخ اعضاء کے قائل ہیں اُن کے بارے عرض کروں گا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اچھی روح دوبارہ آئے گی اچھے جون میں۔ بری روح آئے گی برے جون میں۔ اس تناسخ کے معنی نسخ، مسخ، فسخ یہ تین چار لفظ ہیں۔ ایک دن میں کوشش کروں گا کہ تناسخ کے متعلق بھی عرض کروں۔ میرے پاس کتابیں تو زیادہ نہیں ہیں لیکن دیکھوں گا' مطالعہ کروں گا انشاء اللہ۔

بہر حال اکثر ہندو تک بھی مانتے ہیں کہ اس انسان کے اعمال کی جزا و سزا اسی ظاہری بدن کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے کسی اور عالم میں جا کے سزا اور جزا ملے گی۔ البتہ تناسخ کے قائل ہیں وہ دنیا کی فنا کے قائل بھی نہیں ہیں۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ یونہی بدلتی رہے گی۔ اچھی روح بھی دوبارہ آ جائے گی۔ بری روح بھی

دوبارہ آ جائے گی۔ بری روح برے حیوانات میں، اچھی روح اچھے حیوانات میں۔ اب میں تناسخ کے متعلق زیادہ توضیح نہیں کرنا چاہتا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ دین الٰہی کے ماننے والے جتنے فرقے گذرے ہیں وہ تین چیزیں مانتے ہیں، خدا کو مانتے ہیں، قیامت کو مانتے ہیں۔

ہم مسلمان شیعہ اور سنی بھی ان تین چیزوں میں متفق ہیں۔ یعنی ہم بھی خدا کو مانتے ہیں، دوسرے مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں، نبوت کو مانتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کو مانتے ہیں۔ جیسے میں نے کل عرض کیا تھا کہ ہمارا فرق جو دوسرے بھائیوں سے ہے وہ صرف عدالت اور امامت میں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ خدا میں ایک صفت جو عدالت کی بھی ہے۔ خدا کو عادل ہونا چاہیے اور وہ ہے۔ وہ خدا میں عدالت کے قائل بایں معنی ہیں کہ جو چاہے وہ کرتا رہے وہ مالک و مختار ہے۔ لفظ بڑے ''سوہنے'' ہیں۔ جیسے کہتے ہیں حسین لفظ ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے جب منطق سوچیں گے تو ان کے یہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا بد کو جنت میں بھیج دے اور نیک کو جہنم میں بھیج دے۔ مالک جو ہوا۔ ہم کہتے ہیں وہ مالک معقول مالک ہے۔ وہ مالک دنیا کے مالکوں جیسا نعوذ باللہ غیر معقول مالک نہیں کہ جس کا جو مستحق نہ ہو اس کو وہیں بھیج دے۔ نہیں جس کا کوئی مستحق ہوگا وہ اسے اسی جگہ بھیجے گا۔ اور اسی کو ہم کہتے ہیں عدالت۔

تیسری اور آخری چیز جس کے ہم قائل ہیں، جو ہم مانتے ہیں وہ امامت ہے۔ میں آپ کو بتلاؤں۔ میرے بھائیو! سنی حضرات جو بیٹھے ہو یا شیعہ حضرات تشریف فرما ہو۔ ہمارا آپس سب سے اہم اختلاف جو ہے وہ امامت میں ہے۔ ہماری جدائی جو ہو جاتی ہے دوسروں سے وہ امامت میں ہے۔ فروعات کا اختلاف ان کے ہاں بھی ہے۔ لیکن وہ سب فروعی اختلافات رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو گلے لگاتے ہیں

لیکن ہمیں گلے لگانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آپ دیکھ لیں آجکل حنفی کانفرنسیں ہورہی ہیں۔ بلکہ کانفرنسوں میں آرہا ہے مسلمان آپس میں اتحاد کریں۔ مختلف فرقے متحد ہوکے ایک قانون کے رائج کرنے کا مطالبہ کریں۔ آخر میں پڑھیں گے جتنوں کا نام آئے گا ان میں بریلوی ہوں گے' دیوبندی ہوں گے' اہلحدیث ہوں گے' وہابی ہوں گے اگر نہیں ملے گا تو آپ کو شیعہ نہیں ملے گا۔

چونکہ فروعی اختلاف نماز میں ان کے ہاں بھی آپس میں ہے۔ جناب ابوحنیفہ کا' جناب شافعی کے ساتھ' جناب مالک کے ساتھ' جناب احمد بن حنبل کے ساتھ' اختلاف موجود ہے۔ کتب میں آپ دیکھیں۔ اہلحدیث تو خیر تیسری جگہ پر ہیں۔ ان کے یہاں اور بھی اختلاف ہے۔ لیکن فروعی اختلاف رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو گلے لگانے کے لئے تیار ہیں۔ چونکہ اُن کا جو امامت مرکز اس میں سارے متحد ہیں۔ لیکن ہماری طرح امامت کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں پیغمبر علیہ السلام کسی کو معین کر کے نہیں گئے۔ کثرت رائے اُن کا معیار ہے جیسے اجماع سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنالیا ہے۔ اور انہوں نے اس کے بعد حضرت عمر کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ جیسے میں نے کل عرض کیا تھا کہ حضرت عمر نے کچھ آدمیوں کی کمیٹی تشکیل دے کر حضرت عثمان کو بنا دیا گیا۔

حضرت عثمان کی وفات کے بعد پھر وہی پہلی کیفیت پیدا ہوئی جو جناب ابوبکر کے زمانے میں تھی۔ پھر مسلمانوں نے اکٹھے ہوکے کثرت رائے سے ظاہری طور پر حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنالیا۔ حضرت علی علیہ السلام ان کے معیار کے مطابق چوتھے درجے پر آتے ہیں۔

ہمارے ہاں فرق ہے۔ غیر معقول ہے کیوں کہ ایک ایسا عاقل انسان' ایک ایسا فہمیدہ انسان جس کی نگاہ ہزاروں' کروڑوں سال پر موجود رہے وہ چلا جائے اور

اپنے بعد اپنے مشن کی حفاظت کیلئے آدمی متعین نہ کرے۔ جس مشن کی ترویج میں اس نے ہزاروں مصیبتیں اٹھائیں' کروڑوں مصائب جھیلے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اُسے بغیر رہنما کے چھوڑ دے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کو وہ اپنے مشن کا محافظ بنا کے گئے تھے۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے۔

یہ ہے ہمارا اصل مرکز۔ باقی رہ گیا کہ رسول اللہ کی کتنی لڑکیاں تھیں۔ چار ہوں تو شیعہ مذہب خراب نہیں ہوتا۔ ہمیں کیا خوشی ہے کہ پیغمبرؐ کی اولاد کم ہو؟ ہمارے لئے تو یہ خوشی کی بات نہیں ہے۔ ایک دفعہ معاف فرمایئے گا میں مناظرہ نہیں عرض کر رہا۔

میرے دوست تھے فوت ہو گئے ہیں۔ خدا انہیں انہی کے ساتھ محشور کرے جنہیں وہ دوست رکھتے تھے۔ دوست محمد قریشی تھے۔ یہ بریلوی مناظر تھے۔ بازار میں آئے اتفاق سے میں بھی کوٹ اڈو کا رہنے والا ہوں اور وہ بھی ادھر ہی کے ہیں۔ وہ مجھے جانتے ہیں اور میں بھی انہیں جانتا ہوں۔ میرے پاس تشریف لے آئے۔ ان کے پاس کتاب تھی۔ اس میں یہ موجود ہے کہ پیغمبرؐ کی چار بیٹیاں تھیں۔ وہ ہنسنے لگے آپ نے دیکھا کہ چار لڑکیاں ہیں۔ میں نے کہا میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ بھی اہل علم ہیں۔ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں۔ آپ نے بات اہل علم والی کرنی ہے۔ کہنے لگا پھر آپ کیوں نہیں مانتے کہ چار لڑکیاں ہیں؟ میں نے کہا کہ تم جب معیار خلافت لڑکیوں کو بنانے لگ جاتے ہو مثلاً ذوالنورین۔

ذوالنورین کے معنی کیا ہیں۔ دو نوروں والا' کہ پیغمبرؐ نے دو لڑکیاں عثمان کو دے دیں۔ تب وہ خلیفہ بنے۔ انہیں تو پھر پہلے نمبر پر ہونا چاہیے چونکہ پہلے اور دوسرے تو ایک نور والے بھی نہیں ہیں۔ چوتھا علیؑ ہے یہ ایک نور والا ہے۔ ہم کہتے ہیں ایک ہے یقیناً۔ اور تین کو ثابت کرو' ایک یقیناً ہے۔ شیعہ بھی مانتے ہیں۔ سنی بھی

مانتے ہیں۔ جہاں چار ملیں گی وہاں یہ بھی مل جائے گا کہ جناب خدیجہ کی بہن کی لڑکیاں تھیں۔ جناب خدیجہؓ کی نہیں تھیں ۔پھر کیا کرو گے۔ میں نے کہا تم معقول رویہ اختیار کرو تو ادھر سے بھی معقول رویے کی توقع کرو۔

بھیا! اگر خلافت کا معیار لڑکیاں بن جائیں تو پھر تو حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ ہونا ہی نہیں چاہیے ۔حضرت عمر کو بھی نہیں ہونا چاہیے ۔پھر تو دو ہی خلیفے ہیں حضرت علیؑ اور حضرت عثمان ۔معیار یہ نہیں ہے ۔اختلاف شیعہ سنی میں لڑکیوں میں نہیں ہے ۔کہیں چار ہیں، ایک ہو تب بھی مذہب شیعہ باقی رہتا ہے، چار ہوں تب بھی مذہب شیعہ پہ زد نہیں آتی۔

اگر بحث یہ کریں کہ ماتم غلط ہے یا جائز ۔ماتم جائز ہے یا ناجائز تو یہ ہمارا فروعی مسئلہ ہے۔ اس کا مذہب شیعہ سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔ جائز ہے تو بھی مذہب شیعہ ہے اور جب ماتم نہیں آیا تھا۔ تب بھی مذہب شیعہ تھا ۔ماتم تو آیا تھا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد۔ کیا اس سے پہلے شیعہ مذہب نہیں تھا۔اس وقت بھی شیعہ مذہب تھا۔ مذہب شیعہ کا وجود تھا ۔مذہب شیعہ کا معیار ماتم اور عدم ماتم میں نہیں ۔لڑکیوں کے ہونے اور لڑکیوں کے نہ ہونے میں نہیں۔

شیعہ مذہب کی اصل بنیاد اس میں ہے کہ رسولؐ کے بعد جس سے ہم نے اسلام لینا ہے، آیا رسولؐ کسی کو معین کر گئے ہیں یا نہیں۔ یہ ہے ہمارا اصل اصول ۔ہم کہتے ہیں کر گئے ہیں۔ ہمارے وہ بزرگوار کہتے ہیں کہ نہیں کر گئے ۔تمہیں وہی مبارک جو نہیں کر گئے۔ ہم تمہیں نہیں چھیڑتے اتحاد کے معنی ہی یہی ہیں۔ ہم کہتے ہیں اپنے گھر میں رہو جو تمہاری مرضی ہے وہ کرو۔ ہم بھی اپنے گھر میں ہیں جیسے مرضی ہے کریں گے۔

انسان کی فطرت ہے ہمیشہ سے کہ کثرت کے پاس جب طاقت آجائے۔

انسان کے پاس مال ودولت ہوتو پھر وہ دوسروں کو دبانے کی کوشش کرتا ہے لیکن تجربے نے ثابت کیا ہے کہ جو بھی کسی کو غلط طریقے سے دبانے کی کوشش کرے گا وہ خود شکست کھا جائے گا۔ وہ نہیں دبے گا جسے دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج زمانے بھر میں ایک منٹ میں خبریں پہنچ جاتی ہیں۔ ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب کم از کم ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں کئی دن لگ جاتے تھے۔ اس زمانہ میں بھی یہ دو مسلک موجود تھے۔ شیعہ تب بھی نہ مرے جب مارنے کی بہت کوشش کی گئی۔ بہر حال آپ بھی موجود ہیں اور ہم بھی اور انشاءاللہ تا قیام قیامت موجود رہیں گے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد خدا کے حکم سے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو محافظ دین بنایا۔ ہم نے دین اسلام لینا ہے حضرت علیؑ سے اور حضرت علیؑ کے بعد آپ کی آنے والی اولاد سے جنہیں ہم گیارہ امام مانتے ہیں۔

میں آج آپ کو بتاؤں کہ قیامت کے متعلق ہم بھی قائل ہیں کہ قیامت ہوگی۔ ہم قائل ہیں اس لحاظ سے کہ ہمارے معصومینؑ نے بھی فرمایا ہے قیامت ہوگی۔ ہر امام نے فرمایا ہے۔

توجہ فرمایئے!

قرآن بھی فرماتا ہے قیامت ہوگی۔ ہمارے عقیدے کی بنیاد آیات قرآنی اور فرامین آل محمد علیہم السلام ہیں۔ میں کبھی کبھی یہ چیزیں آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں تو یہ پڑھے لکھے طبقے کیلئے ہیں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن یا فرامین آل محمدؐ کی موجودہ سائنس تردید کرتی ہے۔ سائنس میں کچھ ہو اور قرآن ... ور کہہ رہا ہو ایسا نہیں ہے۔ میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ ذہنوں میں بٹھایا جائے کہ یہ جو ہمارا قرآن ہزار سال پہلے کہہ گیا ہے، آج جس علم سے تم زیادہ مرعوب ہو، جس ترقی سے تم زیادہ مرعوب ہو۔ اُس کے زیر اثر تم میں احساس کمتری پیدا نہ ہو جائے بلکہ تم یہ سمجھ لو کہ آج

کے فارمولے بھی تائید کرتے ہیں انہی فرامین کی جو قرآن نے بتائے ہیں۔ تاکہ پڑھا لکھا طبقہ جو کالجوں میں جاتا ہے' یونیورسٹیوں میں جاتا ہے' اسے یہ دھوکہ نہ دیا جاسکے کہ تمہارا قرآن موجودہ سائنس کے برعکس ہے۔ تمہارے آئمہؑ کی روایات جو ہیں وہ موجودہ سائنس کے برعکس ہیں۔ (صلواۃ)

مثال کے طور پر آج میں تھوڑی سی وضاحت کروں گا۔ آج بھی میرا یہ مقصد نہیں کہ ہم کسی تھیوری پر اعتماد کرتے ہیں۔ تھیوریاں' نظریئے بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں کچھ اور نظریات تھے آج کچھ اور نظریات ہیں۔ لیکن تجربہ علم نہیں بدلتا۔ جسے محسوس کریں جس میں جو آئے وہ نہیں بدلا کرتا ہے۔ پہلے زمانے میں تھیوری (Theury) تھی کہ یہ آسمان پیاز کی طرح ہے آج آ گیا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن جو تجربے میں آجائے' جو محسوسات میں آجائے' جس کی تائید موجودہ عالم دیکھنے سے قبول کرلے۔ اس تجربے کو ماننا پڑے گا۔ قرآن ان کا مخالف نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض تھیوریاں ایسی ہوں جو نظریۂ قرآن سے ثابت نہ ہوں۔ چونکہ ہر انسانی نظریئے نے غلط ہونا ہے اور ایک زمانہ آئے گا کہ جسے دوسرا انسان غلط ثابت کردے گا۔ اگرچہ آج کل ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ غلط ہے یا کہ نہیں ہے۔

توجہ فرمایئے گا!

مثال کے طور پر ایک مغربی عالم ہے۔ یہ معاد پر لکھتا ہے۔ آغا فلسفی نے بھی اپنی کتاب میں' میں نے کل عرض کیا تھا' اس کا ذکر کیا ہے۔ بہت بڑا مغربی فلسفی جس نے نوبل انعام بھی لیا ہے۔ اس نے خدا پر کتاب بھی لکھی ہے کہ خدا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب دو پہاڑ ایسے ہوں جو بہت بلند ہوں۔ ادھر بھی بلندی ہو ادھر بھی بلندی ہو اور اس پہاڑ سے اس پہاڑ تک جانے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ ایک پل بنا کے اس پل کے ذریعے اِدھر سے اُدھر جایا جاسکتا ہے۔ اور کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ یہ عام عقلی طریقہ

ہے۔آپ اگر جانہیں سکتے تو کوشش کریں گے فنی لحاظ سے یہ راستے معلوم ہوں۔ جیسے آج دنیا میں اس طرف دریا ہے اس طرف دریا ہے۔اگر عبور کرنا پڑجائے تیر کر بھی نہیں کرسکتے۔چنانچہ لوگوں کی سہولت کیلئے پُل بنائے جاتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم ہے' تجربہ' محسوسات ہیں جو لیبارٹری میں دیکھا جاسکے وہ محسوس ہوسکتا ہے۔یہ ایک ایسا پل ہے۔

توجہ فرمایئے گا پڑھے لکھے حضرات! یہ ایسا پل ہے کہ ہر مجہول سوال کو ہم اس کے ذریعے حل کرسکتے ہیں۔علم ایک ایسی چیز ہے کہ جس بات کا ہمیں پتہ نہ چلے' ہم اس کو علم کے ذریعے سے' تجربے کے ذریعے سے پختگی کے ساتھ معلوم کرلیتے ہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ دو ایسے پہاڑ ہیں کہ علم کے ذریعے بھی...... یہ اس نے تشبیہ دی ہے۔وہ کہتا ہے مجھے ایسے دو پہاڑ (طریقے) نظر آتے ہیں کہ جنہیں علم کے پل سے عبور نہیں کیا جاسکتا ہے وہاں علم تنگ ہوجاتا ہے۔

آج کی دنیا کا نظریہ ہے۔اُدھر مغربی عیسائی ہے مسلمان نہیں ہے۔خدا کا قائل ہے۔یہودی بھی نہیں ہے بظاہر۔عیسائی ہے وہ کہتا ہے آج کی سائنس یہ کہتی ہے۔توجہ فرمایئے گا پڑھے لکھے حضرات! وہ کہتا ہے آج کی دنیا یہ کہتی ہے کہ یہ ساری دنیا ایٹم سے بنی ہے۔مادے سے بنی ہے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ مادہ کیسے بنا؟ یہ کہتا ہے میں علم کی طرف رجوع کرتا ہوں۔تو کہتے ہیں مادہ یوں بنا۔ایٹم یوں بنا۔کچھ الیکٹرون میں گردش کرنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔پہلے آزاد تھیں۔یہ فضا میں پھر رہی تھیں۔یہ اکٹھے ہوتے ہوتے ایک دائرہ مخصوص پر حرکت کرنا شروع کردیتے ہیں۔اور وہ ادھر حرکت کرنا شروع کردیتے ہیں فاصلہ تقریباً برابر رہ جاتا ہے۔جب یہ اکٹھے ہوتے ہیں تو ایٹم بن جاتا ہے' مادہ بن جاتا ہے۔آپ پہلے سے جانتے ہیں میٹرک میں سائنس کی کتابوں میں دیکھ لیں ایٹم کہ وہ دو دھات کو دکھائیں

گے حرکت کرتے ہوئے فاصلہ ایک جیسا۔

یہ کہتا ہے کہ بتایا یہ جاتا ہے ۔توجہ فرمایئے ! کہ مادہ یا ایٹم بنتا ہے ان الیکٹرونی چیزوں سے جو حرکت کرتے کرتے اکٹھی ہوجاتی ہیں۔وہ کہتا ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس کو کس نے یہاں اکٹھا کیا۔کس نے انہیں مجبور کیا کہ تم ایک خاص دائرے میں آجاؤ۔اور خاص فاصلے پہ حرکت کرو۔اگر یہ فاصلہ خاص رہے گا تو بنے گا ایٹم ۔اور اگر نہیں بنے گا تو ہو جائیں گے آزاد۔ایٹم نہیں بنے گا۔یہ کہتا ہے میں نے جتنا بھی زور مارا ہے یہ مسئلہ آج کے علم سے حاصل نہیں کر سکا کہ کیسے آ کے دو چیزیں اکٹھی ہوگئیں اور بن گیا ایٹم۔

پھر کہتا ہے موجودہ تحقیق یہ کہتی ہے ۔کہ یہی ایٹم بدل جاتا ہے ظل میں ''ظلالی''،ہم عربی زبان میں کہتے ہیں۔ممکن ہے انگریزی زبان میں سیل (Cell) کہتے ہوں ۔یہ کہتا ہے یہی ایٹم سیل میں بدل جاتا ہے۔میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کو کس نے تبدیل کیا ہے سیل میں۔وہ کہتا ہے کہ کیسے ہوگیا یہ تبدیل۔اور اس سے پھر بنتا ہے گوشت پوست وغیرہ اور یہی سیل ظلول یہ بدل جاتے ہیں پھر ایک باشعور عقل والا انسان پیدا ہوجاتا ہے۔وہ کہتا ہے یہ تیری چیز میں نہیں سمجھ سکا کہ ایٹم بدلتا ہے سیل میں،سیل بدلتے بدلتے زندگی آجاتی ہے اس میں،عقل آجاتی ہے۔اس میں شعور آجاتا ہے۔اس میں فہم آجاتا ہے۔اس میں حساب آجاتا ہے یہ کیسے ہوا؟۔میں موجودہ علم سے اسے حل نہیں کر سکا۔

کون ہے اس ایٹم کے پیچھے جو اسے ایٹم بنا رہا ہے؟کون ہے اس ایٹم کے پیچھے جو اسے سیل بنا رہا ہے؟۔کون ہے اس سیل کے پیچھے جو اسے باشعور اور عقل تک پہنچا رہا ہے؟وہ کہتا ہے اسی لیے مجبور ہوں کہ میں مانوں کہ کوئی ایک ایسی ذات ہے جس نے فوراً اس الیکٹرون کو بنایا اور اس نے حکم دیا کہ تم شکل اختیار کرلو۔تاکہ بن

جائے ایٹم اور پھر اس نے ایٹم کو حکم دیا کہ بدل جاؤ اور بن جاؤ سیل ۔سیل کو حکم دیا تبدیل ہو جاؤ۔

اب ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُم فِي الاَرحَامِ كَيفَ يَشَاءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ العَزِيزُ الحَكِيمُ ٥ (آل عمران آیت ٦)

''وہ وہی تو ہے جو رحم مادر میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے۔سوائے اس زبردست حکمت والے کے کوئی معبود نہیں ہے''۔

قرآن بھی کہتا ہے کہ ہم ہیں ہر ہر چیز کے پیچھے جو تمہاری نقشہ کشی کررہی ہے ۔یہیں سے سمجھتا ہے۔وہ کہتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کہیں کوئی ذات ہے۔جو عاقل ہے' قادر ہے جو اس نظام کے چلانے کے پیچھے ہے اور اس نظام کو بنا رہی ہے۔یہاں وہ کہتا ہے کہ میرا علم مجھے مجبور کرتا ہے کہ یہ مانوں۔اگر میں نہ مانوں تو مجھے بتاؤ کہ یہ ایٹم کیسے بنا' کیونکر بنا؟

توجہ ہے نا! کیوں کر بن گیا یہ سب کچھ۔ یہ ہے ایک آدمی کی سوچ ۔اور پھر وہ کہتا ہے کہ یہ بھی بحث رہ گئی کہ آیا سب سے پہلے اس عالم میں مادہ آیا؟ مادے کو ہم آپ لوگ تعبیر ایٹم کر لیتے ہیں۔ مادہ پھر وہی ایک چھوٹا سا ذرہ جس سے یہ عالم بنا ہے۔

توجہ فرمائیے گا!

میں موجودہ علوم سے آیات قرآنی کی تائید لوں گا تا کہ پڑھے لکھے طبقے کو یہ یقین ہو جائے کہ جو چودہ سو سال سے پہلے پیغمبرؐ بتا گئے تھے وہ اُس وقت ان موجودہ علوم سے بھی آشنا تھے۔

میرے بھائیو! وہ کہتا ہے جو تحقیق اس وقت ہے' کل ہوسکتا ہے بدل جائے۔ اس وقت یہ تحقیق ہے کہ سب سے پہلے وجود اس عالم میں آیا تو نور کا آیا۔نور سے ایٹم بنا۔نور ایٹم سے تبدیل ہوتے ہوئے سیل (Cell) بنا۔ پھر اس سے انسان پیدا ہوا۔سب سے پہلے جو چیز آئی ہے وہ نور ہے۔نور کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کو ابھی پہچانا نہیں جا سکا۔سب سے پہلے آج کا سائنسدان یہ کہتا ہے کہ پہلے نور بنا لیکن قربان جاؤں مسلمانو تمہارے آئمہؑ کے اور انبیاءؑ کے۔(صلواۃ پڑھیں)

چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ النُّورَ

''سب سے پہلے جو چیز اللہ نے خلق کی ہے وہ نور تھا''۔

وہ نور تھا جسے اللہ نے پہلے خلق کیا۔آج کا سائنسدان یہ کہتا ہے مادہ پہلے آیا' ہم نہیں آئے' پہلے وہ مخلوق نہیں آئی۔نور بتانے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق جو ہے وہ نور ہے۔اور پیغمبرؐ بھی فرماتے ہیں۔ اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ النُّورَ

پھر حضرتؐ فرماتے ہیں: نور کے بعد اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی کہ ہمارا نور بعد میں اللہ نے پیدا کیا''۔پھر آتا ہے کہ ہمارے نور کے پیدا کرنے کے بعد اللہ نے ان انبیاء کے نور کو اور میرے بارہ جانشینوں کو پیدا کیا۔یہ عالم ارواح نور ہے' روح نور ہے' اور ان کا نور اول ہے۔

اس فرمان سرکار رسالت کے متعلق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اول سے پہلے کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا تیرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے؟ اول سے پہلے بھی کچھ ہوتا ہے؟ تو آج کی تحقیق یہ ہے کہ نور پہلی مخلوق ہے۔نور بدلتا ہے یہ ایٹم بن جاتا ہے' یہ سیل بنتا ہے پھر عقل آتی ہے۔(صلواۃ!)

تو یہاں سے آپ سمجھئے کہ اب میں آتا ہوں۔پھر اس زمین کے متعلق۔

قرآن یہی کہتا ہے کہ نظام جب ختم ہوجائے گا اس کا نام ہے قیامت۔ یہ عالم کا نظام رہے گا ہی نہیں۔ نہ زمین رہے گی' نہ آسمان' نہ ستارے رہیں گے' نہ پہاڑ رہیں گے۔ سو سے زائد آیات ہیں قرآن کریم میں جو یہ بتلاتی ہیں کہ یہ ستارے' یہ چاند' یہ سورج' یہ پہاڑ' یہ دریا' یہ سمندر' یہ سارے ختم ہوجائیں گے۔ اب ہم کہیں عقل سے۔ یہ موجودہ سائنس والا کہے گا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے یہ ختم ہوجائیں گے۔ میں نے کل تھوڑا سا عرض کیا تھا کہ یہ زمین وغیرہ کا تعلق جو ہے وہ سورج سے اور سورج کی عمر معین ہے۔ آج سائنس دانوں نے عمر بتلا دی ہے۔ اس کا حجم بتا دیا ہے۔ اس کا قطر بتا دیا ہے اور اس کی حرکت بتلا دی ہے کہ کتنی ہے۔ میں نے اسی دن عرض کیا تھا کہ تین سو پچاس ڈگری اس کی حرارت ہے۔ یہ خود سائنس دان کہتے ہیں کہ محدود ہے ایک دن ختم ہو کے رہے گی۔ جب یہ ختم ہوجائے گی تو پھر دنیا کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی کیونکہ سب کا وجود اس کے ذریعے ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے۔ یہ علماء (یعنی موجودہ سائنس دان) کہتے ہیں کہ زمین کیسے پیدا ہوئی۔ وہ پورے نظام کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کوئی چاند بن گیا' کچھ ستارے بن گئے' کوئی مریخ بن گیا۔ یہ ہماری زمین بھی ایسے ہی بنی۔ یہ دنیا' ہماری زمین ایسے ہی پیدا ہوئی۔

(توجہ فرمایئے گا) بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورج جو ہے اس کے ساتھ ایک سورج اور بھی تھا۔ یہ حرکت کرتے کرتے ایک دن ان دونوں کا ایکسیڈنٹ (حادثہ) ہوگیا۔ یہ جو ٹکرائے تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تو ہماری زمین ایک ٹکڑا ہے۔ سورج تو بہت بڑا تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ چیز اوپر سے گرمی اور وہ آ کے اس سورج پر پڑی اس نے سورج کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور یہ پودے اس سے پیدا ہوئے۔

آپ دیکھئے تین چار نظریے ہیں یہ موجودہ سائنس والوں کے۔ یہ کہتے ہیں

کہ ایسی چیز اوپر سے ہے کہ سورج کو توڑ سکتی ہے۔اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی چیز اوپر سے گرے اور پورے نظام کو ختم کر دے۔ یہ محال نہیں ہے یہ ہوسکتا ہے اور ایسا ہو جائے گا اور ہونا چاہیے ۔وہ کہتے ہیں جو چیز ہو ہی محدود ایک دن ختم ہونی چاہیے ۔ختم ہو کے رہے گی۔ یہ جو کہتا ہے نہیں ختم ہوگی وہ علم سے ناواقف ہے۔وہ موجودہ سائنس کو ہی نہیں جانتا۔یہ کہتے ہیں کہ اس طرح سے یہ عالم برباد ہوسکتا ہے۔

دوسری چیز میں آپ کو بتاؤں پڑھے لکھے حضرات جو بیٹھے ہیں۔ میں نے ایرانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔ میں نے اردو کی کتابوں کا کوئی مطالعہ نہیں کیا اور نہ مجھے پتہ ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ یہی مادہ جو ہے نا جسے ایٹم کہتے ہیں اس کی بھی ایک محدود عمر ہے۔ یہ دائم العمر نہیں ہے۔ اس کی ایک عمر ہے لاکھ سال ڈیڑھ لاکھ سال ایک سو سال ڈیڑھ کروڑ سال۔ بہر حال اس کی ایک عمر ہے۔عمر کے معنی کیا ہیں؟ کہ وہ چیزیں جو حرکت کرتی ہیں آزاد ہو جائیں گی تو یہ مادہ ختم ہو جائے گا۔ جب مادہ ختم ہو جائے گا تو وہ پھر آزاد ہو جائیں گی۔ سارا عالم اس ایٹم سے قائم ہے اور جب وہ آزاد ہو جائے گا تو یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا۔ یہ ممکن ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص عمر والی چیز ہے۔ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے۔ ایک سائنسدان یہ کہتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ ساری دنیا ہی ختم ہو جائے۔

ایک اور چیز میں آپ کو عرض کروں۔ یہ اخباروں میں بھی آیا ہے۔ کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ روس نے اس ایٹم کو اس مادے کو تباہ کرنے کے لیے ایک اور چیز پیدا کر لی ہے جو اس ایٹم کو اور اس مادے کو تباہ کر دے گی۔ ایٹم ایک بہت بڑی طاقت رکھتا ہے۔ مادہ بہت بڑی طاقت رکھتا ہے۔ انہوں نے اس کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔کوئی چیز ایسی سائنسدانوں کو مل گئی ہے جو اس مادے کو ختم کر دے گی۔ اگر ایسی

ہی چیز کوئی مل جائے تو خدا بھی تو ایسا کرسکتا ہے کہ اس مادہ عالم کو اس چیز سے توڑ دے اور یہ عالم ختم ہو جائے۔ یہ ممکنات میں سے ہے اور محالات میں سے نہیں ہے۔ یہ موجودہ سائنس یہ کرسکتی ہے۔ آپ کا وقت میں زیادہ نہ لوں تھوڑا سا وقت جو میرے پاس باقی ہے اس میں ایک چیز بتاتا ہوں۔ پھر میں آیات قرآنی پڑھوں گا تو آپ کو لطف آجائے۔

ایک چیز اور ہے۔ اب میں آپ کی انگریزی کی اصطلاحات نہیں جانتا۔ افسوس یہ ہے کہ میں نے اپنے ایک بچے سے پوچھا اسے بھی صحیح تلفظ نہیں آتا تھا انگریزی اصطلاحات کا۔ آج پوری دنیا اس آواز سے یہ کہتی ہے کہ موج پیدا ہوتی ہے یا سمندر کی امواج (لہریں) پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں اتنی طاقتور ہوتی ہیں۔ اس سے انہوں نے اندازے لگائے ہوئے ہیں۔ سولہ ہزار لہریں فرض کر لیجئے اس سے نیچے ہو اگر سولہ سے کم تو اسے کہتے ہیں۔ ڈیڑھ سو یعنی آواز سے کمتر۔ اور اگر سولہ ہزار سے اوپر چلی جائے تو اسے کہتے ہیں ماورا سوت جیسے ماورا سوت یعنی سولہ ہزار سے زیادہ چلی جائیں۔ جس وقت سائنسدان لہروں کی تعداد کھیے یا وہ کیفیت کسب کر لیتے ہیں۔ انہوں نے تجربہ کیا ہے انہی لہروں سے۔ پانی میں ایسڈ (Acid) ڈال دیتے ہیں اور اس میں حیوان بھی ڈال دیتے ہیں تو حیوان بیہوش ہو کے مر جاتا ہے۔ انہی لہروں کی وجہ سے۔ سائنس دان لہروں پر کنٹرول کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ ممکن ہے کنٹرول کر بھی چکے ہوں۔ کسی ملک کو تباہ کرنے کے لیے۔

چونکہ ایران میں یہ بہت ہوتا ہے۔ میں ماہ رمضان پورا ایران میں تھا۔ مجھے یاد آیا وہاں ایک ہوائی جہاز نے دیوار صوتی (آواز کی دیوار فارسی اصطلاح میں کہتے ہیں دیوار صوتی) توڑ دی۔ اس کے لیے انگریزی اصطلاح بھی کچھ ضرور ہوگی۔ مکانوں کے شیشے ہلنے لگ جاتے ہیں۔ دیواریں ہلنے لگ جاتی ہیں۔ دیواریں ٹوٹ

جاتی ہیں۔ اسے کہتے ہیں دیوار صوتی' توڑ دینا۔ وہ ایسی لہریں ایجاد کرتا ہے وہ سرعت کے ساتھ یا جس طریقے سے بھی۔ میں سائنس کا تو ماہر نہیں ہوں۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ ایسی لہریں ایجاد کرتا ہے کہ دیواریں اور شیشے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ (صلواۃ پڑھیں)

یہ سائنس دان کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک دن ایسی لہریں ایجاد ہوجائیں یا پیدا ہوجائیں کہ کسی چیز کے ایک ذرے کو باقی نہ رہنے دیں اور سب کو فنا کردیں۔ اگر یہ چیزیں ہوجائیں تو یہ سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور ہمارا قرآن بھی یہی کہتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَت ٥ وَاِذَا النُّجُومُ انکَدَرَت ٥ وَاِذَا الجِبَالُ سُیِّرَت ٥ (سورۃ التکویر، آیت ۱ تا ۳)

''جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی اور جب تاروں کی روشنی جاتی رہے گی اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''۔

اِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَت ٥ وَاِذَا الکَوَاکِبُ انتَثَرَت ٥

''جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب تارے گر کر تتر بتر ہوجائیں گے''۔

یہ آیت بھی قیامت ہی کے متعلق ہے۔

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّت ٥ وَاَذِنَت لِرَبِّهَا وَحُقَّت ٥ وَاِذَا الاَرضُ مُدَّت ٥ (سورۃ الانشقاق، آیت ۱ — ۳)

''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے گا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے۔ اور جب زمین تان دی جائے

گی''۔

میں زیادہ آیتیں تو نہیں پڑھا کرتا۔ آج دل چاہ رہا ہے کہ آیتیں ہی پڑھتا چلا جاؤں۔ سماعت فرمائیں۔

اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَهَا ○ وَاخرَجَتِ الاَرضُ اَثقَالَهَا ○ وَقَالَ الِانسَانُ مَالَهَا ○ (سورۃ الزلزال، آیت ا — ۳)

''جب زمین بڑے زور سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے دفینے نکال دے گی۔ اور انسان یہ کہنے لگے کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟''

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کی توجہ قیامت کی طرف دلای ہے وہاں اعمال کی جانچ پڑتال کی نشاندہی بھی کی ہے تا کہ انسان غافل نہ رہے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں اور میں بالکل بے مہار ہوں۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اَلقَارِعَةُ ○ مَا القَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدرٰکَ مَاالقَارِعَةُ ○ یَومَ یَکُونُ النَّاسُ کَالفَرَاشِ المَبثُوث ○ وَتَکُونُ الجِبَالُ کَالعِهنِ المَنفُوشِ ○ فَاَمَّا مَن ثَقُلَت مَوَازِینُهٗ ○ فَهُوَ فِی عِیشَةٍ رَّاضِیَةٍ ○ (سورۃ القارعہ، آیت ا تا ۷)

''کھڑکھڑانے والی۔ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا سمجھو کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ یہ وہ دن ہے جس دن آدمی ایسے ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی اون۔ پس جس کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہ عیش و عشرت میں ہو گا''۔

میرے عزیزو! میرے بزرگو!

آپ نے غور فرمایا۔ میں نے صرف آیات کا لفظی ترجمہ ہی کیا ہے ان کی توضیح میں نہیں گیا چونکہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ سمندروں کی یہ کیفیت ہوگی' جیسا کہ سورۃ التکویر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۝ (آیت ۶)

''اور جب دریاؤں میں آگ لگ جائے گی''۔

پورا پانی ہوا بن جائے گا۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں پانی کو آگ پر رکھیں تو بھاپ بن کے اڑ جاتا ہے۔ پانی اس دنیا میں رہے گا ہی نہیں۔ بلکہ ہماری روایات میں یہ ہے کہ آدمی اس حالت میں اس آفت میں ہوں گے۔ زیادہ روایات ایسی آتی ہیں جو قیامت کی علامتیں بتاتی ہیں۔ علائم قیامت بتاتی ہیں۔ یہ کیفیت ہوگی وہاں۔ یہ فلاں زمانے میں ہوگا' یہ فلاں دور میں ہوگا جب اس روئے زمین پر پیغمبرؐ کے پورے بارہ خلیفے حکومت کر چکے ہوں گے۔ ہمارے ہاں روایت میں ہے کہ اگر قیامت میں ایک دن بھی باقی ہو تو اللہ اس دن کو اتنا طویل کردے گا کہ جس میں امام زماں آئیں گے' حکومت کریں گے اور پورے عالم کو عدل و انصاف سے پُر کردیں گے۔ جبکہ یہ عالم ظلم و جور سے پُر ہو چکا ہوگا۔ اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور امام زمانؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں۔ اس وقت وہ موجود ہیں۔ وہ آئیں گے اور جب تشریف لائیں گے تو یہ عالم ہوگا۔ اگر ہم رجعت کی روایات کو تسلیم کرلیں جیسا کہ ہمارے یہاں روایات موجود ہیں اور اکثر علماء نے ان کو تسلیم کیا ہے (اگرچہ بعض علماء نے انہیں تسلیم کرنے میں تعرض کیا ہے کہ امام زمانؑ کے بعد پھر ہر امامؑ دوبارہ آئے گا)۔

تا کہ دنیا والے دیکھ لیں کہ ان کے بنائے ہوئے زمین پہ کیا کرتے ہیں۔ اور میرے بنائے ہوئے زمین پر کیا کرتے ہیں۔ اور یہ کب آئیں گے جب یہ سارے تھک جائیں گے۔ پورا عالم تھک جائے گا۔ ہمارے بنائے ہوئے امن قائم نہیں کرسکتے ۔آج کہنے کو تو بڑا کہتے ہیں' گورباچوف بھی کہتا ہے امن' امن' امن۔ لیکن سارے کے سارے امن کے خلاف ہیں۔ ہندوستان بھی کہے گا امن لیکن پاکستان اس کی آنکھوں میں کھٹکے گا۔تم ایٹم بناؤ تو کوئی حرج نہیں۔اگر فرض کر لیجئے ہم نے بنایا ہے۔نہیں بنایا ہے تو بنانا چاہیے' مسلمان کا تو شعار ہی یہ ہے۔ (کل ہم نے پوری روئے زمین پہ چھانا ہے کہ اتنی طاقت حاصل کرے کہ ساری بنی نوع انسان کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے اور یہ ہونا چاہیے۔ یہ دیکھو تو کیا ہو رہا ہے۔ہمیں طاقت کے ذریعے سے دبانا چاہتا ہے۔کیا تو ہمارا آقا ہے' ہمارا امام ہے؟ ریگن! تو کہتا ہے کہ ایٹم بم نہ بناؤ۔ تیری ہم پر کوئی اطاعت واجب ہے۔اگر یہ چیز بری ہیں تو تم خود کیوں بناتے ہو۔اور اگر اچھی ہیں تو دنیا کو کیوں روکتے ہو۔امن کے دعویدار حقوق انسانی کے علمبردار کیا جو تم بناتے ہو اس سے دودھ نکلے گا۔ اس سے بھی تم مسلمانوں کو تباہ کرو گے۔ یہ منصوبہ بندیاں اور منافقانہ و شاطرانہ چالیں ہیں۔ان کو بے دست و پا رکھو کہ کہیں ان کی بھی رگ حمیت پھڑک نہ اُٹھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔اور سب سے زیادہ خوف زدہ ہیں۔قومِ شیعہ! تم سے۔کہ اگر ان کے پاس طاقت آ گئی تو ایک دن پھر اسلام کا علم بلند کریں گے۔ حسینؑ کے فرزند نے ایک جھٹکا دیا ہے نیندیں حرام ہوگئی ہیں شیاطین کی۔ یہ فرعون ہیں زمانے کے' انہیں پتہ ہے کہ موسیٰ آ گیا تو فرعون نہیں رہے گا۔فرعون اپنے زمانے میں جو بچہ پیدا ہوتا تھا قتل کروا دیتا تھا۔ بچی چھوڑ دو بچے مار دو۔ چونکہ اسے علم تھا کہ اگر کوئی میرا تختہ اُلٹے گا تو موسیٰؑ اُلٹے گا۔ان بڑی طاقتوں

کو آپ اتنا جاہل نہ سمجھیں۔ انہیں علم ہے کہ اگر ہماری اس عالمی طاقت کا تختہ کسی نے الٹنا ہے تو وہ شیعوں کا بارھواں امامؑ ہے۔ یہ اس بات سے ڈر رہے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

میرے بھائیو! معاف فرمایئے گا!

لکھنے والے اگر بیٹھے ہیں تو لکھیں۔ رائے ونڈ کے تبلیغی اجلاس میں اگر ہر افسر تمہارا جائے تو اس میں کوئی عار نہیں ہے۔ سویلین چلا جائے۔ فوجی چلا جائے' کوئی ایکشن نہیں۔ اگر شیعہ فوجی افسر کہیں مجلس میں چلا جائے تو اس کی انکوائری ہوتی ہے۔ کیا وہ جوا کھیلنے جاتا ہے۔ کوئی غلط کام کرنے کے لیے جاتا ہے۔ عقل کو سوچنے کی دعوت ہے۔ میں نہیں کہتا رائے ونڈ نہ جایا کرو۔ ہم کب کہتے ہیں نہ جاؤ۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ ساری دنیا کے لوگ ہیں شادیاں کریں۔ لیکن وہاں لاؤڈ سپیکر چلتا رہے کوئی نہیں پوچھتا ہے۔ ادھر نام آیا مجلس کا ہزاروں پابندیاں۔ سارے بازاروں میں پھریں۔ وہاں اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اصل میں یہ پورا عالم جانتا ہے ان حکومتوں کو بھی پتہ ہے۔ باہر والی حکومتوں کو بھی پتہ ہے۔ یہ علم ہے انہیں کہ اگر ہماری حکومت کوئی روئے زمین سے کوئی ہٹائے گا تو یہی ایک مذہب ہے جو ہمیں ہٹانے کی طاقت رکھتا ہے۔ جسے تم مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ وہ دن لا الٰہ کا پرچم پوری دنیا پر پھیلائے گا۔

یہی عراق تھا جو سعودی عرب کو روز گالیاں دیتا تھا ریڈیو پر' ٹی وی پر۔ کہتا تھا لوگو بغاوت کرو' شاہی ختم کردو۔ اُردن کے خلاف بھی یہی کام کرتا تھا۔ مصر کے خلاف بھی یہی کام کرتا تھا۔ کویت کے خلاف یہی کام کرتا تھا۔ آج سارے گالیاں کھانے والے اکٹھے ہو گئے۔ کس لئے؟ انہیں پتہ ہے کہ ایسی حکومت بنی ہے کہ جس حکومت میں عدل و انصاف ہوگا۔ جس میں غریب کو بولنے کا حق ہوگا۔

یہاں (پاکستان میں) جو مرضی ہے پاس کرتے جائیں گے اسلام کا اس پر ٹھپہ لگاتے جائیں گے۔ پہلا ۱۹۵۶ء کا آئین سارا اسلامی۔ ۱۹۶۲ء کا آئین بھی اسلامی۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بھی اسلامی۔ ۱۹۸۵ء میں ترمیم شدہ ۱۹۷۳ء والا آئین یہ بھی اسلامی بن گیا ہے۔ کیا اسلام لاوارث ہے۔ اس کا کوئی وارث نہیں۔ اس سے پوچھو تو سہی کہ یہ قانون صحیح بھی ہے۔ کہتے ہیں قرآن و سنت کے مطابق بناؤ۔ سنت سے کیا مراد ہے؟ سنت سے مراد آل رسولؐ کی سنت ہے۔ یا سنت سے مراد بنی امیہ کی سنت ہے؟ کس کی سنت مراد ہے اس لفظی ہیر پھیر سے۔

لیکن میں آپ سے عرض کر دوں، انہیں پتہ ہے کہ ایک دن آنے والا ہے۔ ہندوستان کو بھی پتہ ہے۔ روس کو بھی پتہ ہے، چین کو بھی پتہ ہے۔ ایک دن آنے والا ہے۔ وہ جو ہم کہتے ہیں کہ آئے گا ایک رہنما جو عدل و انصاف سے دنیا کو پر کر دے گا۔ وہ قیامت سے پہلے آئے گا اور دنیا کو بتا دے گا۔ کہ اگر اسلام کا کوئی معتقد ہو تو عمل خود کرے۔ اسلام پر عمل بھی ہوسکتا ہے اور اسلام پھیل بھی سکتا ہے۔ یہ مختصر سی جو آپ کو زحمت دی ہے قیامت کے متعلق۔ یہ اس لئے کہ قیامت سے پہلے اس روئے زمین پر عدل و انصاف ہوگا۔ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک حسین عورت (روایات میں آتا ہے) جو زیورات سے لدی ہوئی ہو، وہ دن رات سفر کرتی رہے تو کوئی آنکھ اٹھا کر اسے نہیں دیکھے گا۔ اور ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی زکوٰۃ کا مستحق نظر نہیں آئے گا کہ کس کو زکوٰۃ دی جائے؟ آج قطاریں لگتی ہیں۔ ایسا زمانہ آئے گا زکوٰۃ ہوگی زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ چونکہ لینے والا جانتا ہے کہ اگر میں مستحق ہوں تو لوں ورنہ مکے میں خبر پہنچ جائے گی۔ پھر حکومت آپ کے سپاہیوں سے نہیں کرائے گا۔ انہی لہروں سے حکومت کرائے گا۔ اسی ہوا کی موجوں سے حکومت کرائے گا۔ اور ان سے پوچھتا رہے گا کہ کون بے ایمانی کر رہا ہے اور کون بے ایمانی

نہیں کررہا۔ اور وہ سزا بھی دے گا تو انہی کے ذریعے سے دے گا۔ جہاں کسی نے خیانت کی وہیں اس کو سزا مل جائے گی۔ یہ سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت کوئی اور حکومت ہے۔ یہ حکومت ظاہری حکومت نہیں ہے۔ جیسے آج کہہ رہے تھے کہ ہماری قوم کو کینسر ہو گیا ہے رشوت کا۔ کہنے والے سے پوچھ کیا تم نے رشوت نہیں لی۔ موعظہ اس پر اثر کرتا ہے جو خود عمل کرے۔ بھائی اس نے لاکھوں روپے الیکشن پر جو اڑائے ہیں! یہ کیا تھی؟ بیٹھ جاتے حکومت سے الگ اور ووٹوں کے لئے کھڑے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ یہ مطعون انسان ہیں۔ لاکھوں روپے اڑانے کے بعد وعظ کرنے والے اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اسمبلی میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں اب تو لوگ دھڑلے سے رشوت لیتے ہیں۔ حکومت تم کر رہے ہو' کیا کوئی باہر سے آ کر روکے گا۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ میدان حشر میں حساب تمہیں دینا ہے۔

اِدھر علی علیہ السلام اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں' ساری دنیا کہتی ہے آ کر خلیفہ بنو۔ کہتے ہیں جاؤ مجھے تمہاری خلافت کی ضرورت نہیں ہے۔ کہتے ہیں جناب اب ہم بے وارث ہیں اگر آپ نہ آئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ حضرتؑ فرماتے ہیں: میں اس شرط پر آؤں گا' بناؤں گا آ کے حکومت۔ یاد رکھو بیت المال سے جس جس نے غلط فائدہ اٹھایا ہے سب کو سزا دوں گا اور وہ مال واپس لوں گا یہ ساری جنگیں کیوں تھیں علیؑ کے خلاف؟

حضرت علی علیہ السلام میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے۔ ہم جب پڑھتے ہیں تو یہ کوئی معجزات نہیں ہیں یہ سب کچھ مادی اسباب کے ماتحت ہے۔ میدانِ صفین میں بیٹھے ہوئے ہیں عمرو بن عاص اور معاویہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ لڑائی کا خاتمہ تب ہو گا جب علیؑ کو ختم کر دیں گے۔ اس نے کہا کل اپنی پوری فوج کو حکم دو۔ چالیس ہزار کی ہے' اسّی ہزار کی ہے' نوے ہزار کی ہے' ساری فوج کو' پوری فوج کو حکم

دو کہ کل مل کر علیؑ پر حملہ کریں۔ پھر علیؑ جب مارا جائے گا تو لڑائی ختم کر دی جائے۔ انہوں نے سمجھا کہ خیمے میں بیٹھ کر بات کرر ہے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ امامؑ ہے، اللہ کا نمائندہ ہے، یہ نبیؐ کے علم کا وارث ہے۔ اگر نبیؐ مکے میں بیٹھ کر یہ جانتا تھا کہ یہ آج رات مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ علم تھا تو تبھی گئے تھے نا مدینے۔ بلا وجہ تو نہیں گئے تھے۔ علم کہاں سے آیا تھا؟ جو نبی کا مرکز علم ہے۔ علیؑ کا مرکز علم بھی وہی ہے۔ علی علیہ السلام کو وہیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے۔ علیؑ سنبھل گئے--- کرو حملہ میں یہی کہوں گا۔ ہوا نے بتلا دیا تھا۔ ہوا مامور ہے۔ ہم نافرمانی کرتے ہیں علیؑ کی، ہوا نہیں کرتی۔ ہم شیعہ ہو کے کہتے ہیں ہم امام مانتے ہیں لیکن ہم غلط کاری کر جائیں گے۔ ہم اس کی نافرمانی کر جائیں گے۔ لیکن یہ مخلوق جو شیعہ ہے علیؑ کی۔ ہر زمانے کا امام ہے اور ساری مخلوق سوائے انسانوں کے اس زمانے کی شیعہ ہوا کرتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں زمین شیعہ تھی، درخت شیعہ تھے، ہوا شیعہ تھی، حیوان شیعہ تھے--- ساری دنیا شیعہ تھی۔ یہ مخلوق کبھی اپنے امامؑ کی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ ہم انسان ہی ہیں جو کہ مخالفت کرتے ہیں۔ ہوا نے بتلایا علیؑ سنبھل کے آئے۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے۔ کتاب لکھنے والا سُنّی ہے۔ ہماری لکھی ہوئی نہیں ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ چالیس ہزار کے قریب فوج نے یکدم علیؑ پر حملہ کر دیا۔

قبلہ! میں کہا کرتا ہوں علیؑ کی شجاعت کا پیغمبر علیہ السلام کے زمانے کے مسلمانوں کے ساتھ نہ کرو مقابلہ۔ آپ بہنوں پر شجاعت دکھانے والوں سے علیؑ کا مقابلہ نہ کیا کریں اور نہ غاروں میں چیخیں مارنے والوں سے علیؑ کا مقابلہ۔ اگر علیؑ کی شجاعت کا مقابلہ کرنا ہے تو ایک نبیؐ خاتم النبیینؐ کو ہٹا دو پورے انبیاءؑ کو اکٹھا کر لو ان میں سے علیؑ افضلؑ ہے شجاعت میں۔ امام بڑا شجاع انسان ہوتا ہے۔ علیؑ کو پتہ

ہے اگر مارا گیا تب بھی ٹھیک ہے اور بچ گیا تب بھی ٹھیک۔ چالیس ہزار کی فوج نے علیؑ پر حملہ کیا ہے۔

بزدلو! للکار ہی لیتے لیکن حضرتؑ نے میمنہ پر حملہ کیا۔ میمنہ کو میسرہ پر ڈالا۔ میسرہ پر حملہ کیا میسرہ کو میمنہ پر ڈالا۔ قلب لشکر میں گئے پورے لشکر کو چکی کی طرح گھما دیا۔ اور جب یہ پھر رہے تھے تو بھاگے کہ ہر آدمی اس گمان میں بھاگ رہا تھا کہ علیؑ میرے ہی پیچھے آ رہا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

قیامت آئے گی۔ عدل و انصاف ہوگا۔ مسلمانو! ہماری روایات میں موجود ہے۔ سُنّی شیعہ متفق ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ بارہ خلیفے ہوں گے۔ بناؤ بارہ خلیفے۔ کیوں ہم سے تو ضد ہوگی پیغمبر علیہ السلام کی حدیث سے تو ضد نہیں ہوگی۔ بناؤ بارہ خلیفے۔ اگر آل رسولؐ کے علاوہ بناؤ گے تو پھر یا یزید آئے گا یا معاویہ آئے گا یا پھر بنوامیہ آئیں گے اس میں یا مروان اور اس کی اولاد آئے گی۔

قیامت سب سے مدلل اصول ہے انسان کے دین اسلام پر عمل کرنے کے لیے۔ جو قیامت کا قائل ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ میں اس کا ہوں۔ مجھے جواب دینا ہے۔ پھر تھوڑا سا عرض کروں گا میں۔ قیامت کا قائل صرف اپنے اعمال کی درستی کرے گا۔ یہ اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ میرا بیان یہیں ختم ہو گیا۔

میں نے صرف آپ کو یہ بتانا ہے۔ کل سے میرے ذہن میں یہ آیا ہے۔ کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد۔ میرے بھائیو! خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ پڑھے لکھے حضرات بن جاؤ، مطالعہ کرو۔ دیکھو! میں نے بڑا دیکھا ہے--- یہ دیکھو کہ ان کو کس نے دفن کیا ہے؟ بہتر (۷۲) ہیں ان میں بنی ہاشم بھی ہیں، خود رسول زادہؑ ہے

علیؑ کا فرزند ہے، فاطمہ الزہراؑ کا لخت جگر ہے۔

بقول زید بن ارقم کے۔ زید بن ارقم نے جب دیکھا نا سر حسینؑ کو جب ابن زیاد نے اپنے سامنے قدموں میں رکھا ہوا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک چھڑی لگا رہا تھا۔ زید نے ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا۔ اے فلاں اس لکڑی کو اٹھا لے۔ میں نے پیغمبرؐ کو یہاں بوسے دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور وہ سیر نہیں ہوتے تھے۔ بار بار بوسے دیتے تھے۔ وہ رسولؐ زادہ (آپ سوچیں) کس نے دفن کیا؟

میں نے تین چار کتابیں دیکھی ہیں۔ اگر آپ کیفیت دیکھیں تو ذرا مشکل ہو جاتا ہے بتانا۔ تین دن تک تو یقین ہے کہ کسی نے دفن نہیں کیا۔ دسویں کو شہادت ہوئی، گیارہویں کو بھی نہیں، بارہویں کو بھی نہیں، تیرہویں کو بھی نہیں۔ چونکہ ابن زیاد نے کہہ دیا تھا اسے دفن نہ کرنا۔ کیوں؟ اس واسطے کہ جناب پڑے رہیں گے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ ایسی بدبودار ہوا چلے گی جس کو لوگ ناپسند کرتے ہیں اور اس سے یہ عالم سمجھ جائے گا کہ یہ حق کے امام نہیں ہیں۔

غازیہ کربلا سے دُور ایک بستی تھی۔ تین دن کے بعد جب ہوا چلتی تھی بنی اسد کی عورتیں خیمے میں بیٹھ کر کہتی تھیں کہ یہ مشک وعنبر کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ یہ عورتیں وہاں سے آتی ہیں۔ آ کے دیکھتی ہیں کہ جنازوں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ انہوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو بعض کتابوں میں ہے پرندے ہیں جو ان کی حفاظت کر رہے ہیں کچھ ہیں کہ تبرکاً پروں کو مَس کر رہے ہیں اور اڑ جاتے ہیں۔ یہ عورتیں سوچنے لگیں اور کہنے لگیں۔ کہ یہ وہی معلوم ہوتا ہے کہ جس کی بیعت لینے کے لیے یزید نے اصرار کیا تھا یہ حسینؑ کا لشکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ واپس جاتی ہیں۔ اپنے مردوں سے کہتی ہیں۔ تم نے ایک بڑی سعادت سے ہاتھ دھوئے کہ حسینؑ کی نصرت نہ کی۔ قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟ یہ ننگ ہے، یہ عار ہے تمہارے لیے کہ

نزدیک رہتے ہوئے بھی تم نے امام حسینؑ کی مدد نہیں کی۔ آؤ آج ایک فخر لے لو۔ کم از کم رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ آؤ اور لاشوں کو دفن کر دو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ اگر جنازوں کو دفن کیا تو کہیں ابن زیاد کی فوج ہمیں تباہ نہ کر دے۔ بڑی سمجھاتی ہیں۔ کہتی ہیں تم ڈرتے ہو تو ڈرو' ہم خود جائیں گی اور جا کے دفن کریں گی۔ عورتوں نے بیلچے لئے' اوزار لئے۔ جب چلیں تو مردوں کو غیرت آئی۔ کہنے لگے تم رک جاؤ ہم خود جاتے ہیں اور دفن کرتے ہیں۔ تم مطمئن رہو۔

یہ بیلچے لے کے چلے۔ یہ بات اس واسطے میں کہتا ہوں کہ یاد ہو جائے۔ میں نے کتاب میں نہیں دیکھا۔ لیکن ایک بہت بڑے عالم سے سنا ہے وہ حافظ کفایت حسین مرحوم تھے۔ (خدا ان کے درجات کو بلند کرے) وہ پڑھ رہے تھے کہ جب یہ مرد چلے تو دیکھا کہ عورتیں پھر پیچھے آ رہی ہیں۔ مردوں نے کہا ہم نے تمہیں اطمینان دلایا ہے کہ تم واپس چلی جاؤ۔ ہم دفن کر کے آئیں گے۔ عورتیں کہنے لگیں یہ تو ہمیں اطمینان ہے کہ تم دفن کر کے آؤ گے۔ ہم نے سنا ہے کہ حسینؑ کی ایک بہن تھی جو اپنے بھائی کے جنازے کو دفن نہیں کر سکی۔ تم انہیں دفن کرو۔ اور ہم زینبؑ کی جگہ بیٹھ کر اس کی عزاداری کریں گی۔

بہر حال جوان بھی آتے ہیں بوڑھے بھی آتے ہیں۔ اب یہ متحیر ہیں کہ آدمی تو پہچانا جاتا ہے سر کے ساتھ۔ ان کے سر تو ہیں نہیں۔ پتہ نہیں چلتا آقا کون ہے؟ غلام کون ہے؟ بنی ہاشم کون ہے؟ غیر بنی ہاشم کون ہے؟ متحیر کھڑے ہیں کہ اتنے میں ایک گھڑ سوار نمودار ہوا۔ اس نے منہ پر نقاب باندھا ہوا تھا۔ آ کے کہتا ہے یہاں کیا کر رہے ہو۔ یہ ڈر گئے۔ کہنے لگے ہم آئے تھے یہاں تماشا دیکھنے کے۔ دیکھئے کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ وہ کہتا ہے تم اس غرض سے تو نہیں آئے تھے۔ کہنے لگے سچ پوچھتے ہو تو ہم دفن کرنے کے لیے آئے تھے۔ لیکن ہم نہیں جانتے حسینؑ کون ہے' علیؑ اکبر کون

ہے؟ وہ کہتا ہے تم آؤ میرے ساتھ میں خوب جانتا ہوں حسینؑ کون ہے؟ آقا کون ہے؟ سردار کون ہے؟ وہ کہتے ہیں آپ کیسے اٹھائیں گے۔ ہم نے ایک جنازے کو مل کر اٹھایا، ہم سے اٹھایا نہیں گیا۔

حضرت فرماتے ہیں ایک گڑھا کھودو۔ گڑھا کھودا گیا۔ فرمایا! ان کو یہاں دفن کردو۔ اگر کوئی پوچھے تو یہ کہنا کہ یہ حسینؑ کے انصار تھے۔ دوسرا گڑھا کھودا۔ حضرتؑ فرماتے ہیں ان کو اٹھا کے یہاں دفن کردو۔ (ایک دو جنازے چھوڑ دو)۔ اگر کوئی پوچھے تو کہنا بنی ہاشم تھے۔

ایک جنازے کو پاؤں کی طرف دفن کیا فرمایا! اگر کوئی پوچھے تو کہنا علیؑ اکبر کا جنازہ تھا۔ ایک جنازے کو جا کے سرہانے کی طرف دفن کیا۔ اگر کوئی پوچھے تو کہنا حسینؑ کا علمبردار حبیبؓ ابن مظاہر تھا۔ اتنے میں دور جا کے دیکھتے ہیں ایک جنازہ ایسا پڑا ہے۔ سید مہدی فرماتے ہیں کہ جب دوبارہ حضرت عباسؑ کا روضہ بنوایا گیا تو میں نے دیکھا کہ قبر بہت چھوٹی سی تھی۔ تین چار فٹ کی بھی نہیں تھی۔ بہت بڑے عالم ہیں ہمارے۔ مرجع دین گزرے ہیں، سید بحر العلوم۔ وہ ایک کونے میں بیٹھ کے رونے لگ جاتے ہیں۔ قبر بنانے والا کہتا ہے۔ سید میں جانتا ہوں کہ یہ حضرت عباسؑ کا روضہ ہے۔ آپ رونے کیوں لگ گئے۔ فرماتے ہیں میں نے تاریخ میں عباسؑ کا قد تو بہت بڑا پڑھا ہے۔ اس قد کے مطابق مجھے یہ قبر نظر نہیں آتی۔ معلوم ہوتا ہے وہ روایت صحیح ہے کہ عباس کی لاش کو فقطعوہ اربًا اربًا کہ عباسؑ کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان ٹکڑوں کو جمع کر کے یہاں دفن کیا گیا ہے۔ اب امام زین العابدین علیہ السلام نے جناب عباسؑ کی لاش کو دفن کیا۔

اب آتے ہیں ایک لاش پر یہ سب کو کہتے ہیں تم ہٹ جاؤ۔ وہ کہتے ہیں قبلہ! اس لاش کو ہم نے بہت اٹھایا۔ ہم سے اٹھی نہیں۔ جناب سجادؑ فرماتے ہیں میرے

ساتھ کچھ اور ہیں جو اٹھانے والے ہیں۔ میں یونہی تو نہیں میرے ساتھ میری مدد کرنے والے ہیں۔ ایک جگہ حضرتؑ نے لاش کو نیچے سے ہاتھ ڈال کے ہاتھوں پر اٹھایا۔ بسم اللہ پڑھ کے اٹھاتے ہیں اور جب لے جاتے ہیں قبر پر تو دیکھتے ہیں دو ہاتھ بلند ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں علیؑ ادھر آئیں آہستہ آہستہ آرام آرام سے اٹھانا اس لاش کو۔

عزادارو! رسول اللہؐ خود اپنے ہاتھوں پر لے لیتے ہیں اور قبر میں اتار دیتے ہیں۔ پھر مٹی ڈال دیتے ہیں اور جناب سجادؑ فرماتے ہیں:

هَذَا قَبرُ الحُسَينِ ؑ الَّذِی مَذبُوحًا اَطشَانًا.

یہی جملہ لکھا ہے۔ مومن! میرا بھائی! یہ اس کی قبر ہے جو پیاسا مارا گیا ہے۔

جب حضرتؑ جانے لگے۔ یہ بنی اسد والے آپ کو پکڑ کے کہتے ہیں۔ آپ کو قسم ہے اس جنازے کی جس کو آپؑ نے تنہا اٹھایا ہے۔ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟

فرماتے ہیں: اَنَا اِمَامُکُم عَلِیّ ابنُ الحُسَینؑ ۔ میں تمہارا امامؑ علی ابن الحسینؑ ہوں۔

اَلَا لَعنَةُ اللّٰه عَلٰی القَومِ الظَّالِمِینَ وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلِبٍ یَنقَلِبُونَ.

میرے اللہ! ہمیں سوائے غم امام حسینؑ کے کسی اور غم میں نہ رلانا۔ مظلومِ کرب و بلا کے یہ سوگوار زمین پر جہاں جہاں بھی آباد ہیں ان کی حفاظت فرمانا اور ہمارا حشر ونشر شہدائے کربلا کے ساتھ فرمانا۔

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنِّی اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

○○○

فہرست کتب

ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

120	تلاش حق	۞
100	ذکر حسینؑ	۞
100	برزخ چند قدم پر	۞
100	اسلامی معلومات	۞
100	محمدؐ تا محمدؑ	۞
100	محمدؐ تا علیؑ	۞
120	سورج بادلوں کی اوٹ میں	۞
100	شہید اسلام	۞
50	قیام عاشورہ	۞
100	قرآن اور اہل بیتؑ	۞
45	دینی معلومات	۞
35	نوجوان پوچھتے ہیں کہ شادی کس سے کریں؟	۞
15	ظالم حاکم اور صحابی امام	۞

200	توضیح عزا
100	تفسیر سورہ فاتحہ
100	مشعل ہدایت
125	اسم اعظم
225	سوگنامہ آل محمدؐ
225	افکار شریعتی
125	سیرت آل محمدؐ
135	مناظرے
240	آسان مسائل (چار جلد)
100	تاریخ جنت البقیع
100	عمدۃ المجالس
35	حقوق زوجین
20	ارشادات امیر المومنین
50	صدائے مظلوم
35	مراسم عروسی و معجزات بتول
35	لڑکی سونا لڑکا چاندی
30	اسلامی پہیلیاں

15	فکرِ حسینؑ اور ہم
40	پیامِ عاشورہ
35	معصومین کی کہانیاں
35	ارشاداتِ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ
10	آزادیٔ مسلم
55	فقہ اہل بیتؑ
100	صحیفہ پنجتنؑ
100	حرفِ احساس
100	حسینؑ میرا
150	جامِ غدیر
100	زندہ تحریریں
60	شاہکارِ رسالتؐ
130	محشرِ خاموش
200	اسلام اور کائنات
120	غریبِ ربذہ
125	فطرت
50	جستجوئے حق

250	خطباتِ محسن (۲ جلد)	۞
125	صدائے محسن	۞
100	افکارِ محسن	۞
375	نسیم المجالس (۳ جلد)	۞
125	ریاض المجالس	۞
125	نصیر المجالس	۞
250	بہشت	۞
150	آفتاب ولایت	۞
150	تہذیب آلِ محمدؐ	۞
150	توضیح المسائل	۞
200	عصرِ ظہور	۞
100	جدید فقہی مسائل	۞
150	کربلا سے کربلا تک (۲ جلد)	۞
60	معجزۂ مباہلہ	۞
135	نصائح	۞
150	جنت	۞
135	اولی الامر کون؟	۞

135	گلزار خطابت	۞
135	معیار مودت	۞
60	مہدی حدیث کی روشنی میں	۞

اشاعتی عزائم

	نقوش محسن	۞
	کربلا میں اصحاب کا کردار	۞
	چودہ ستارے (جدید)	۞
	سردار کربلا	۞
	نہر المصائب (۵ جلد)	۞
	بحر المصائب	۞
	معالم المدرستین (۳ جلد)	۞
	علی کے مشہور فیصلے	۞
	علی کی مشہور جنگیں	۞
	بیت الحزان	۞
	سوال کیجیے جواب لیجیے	۞